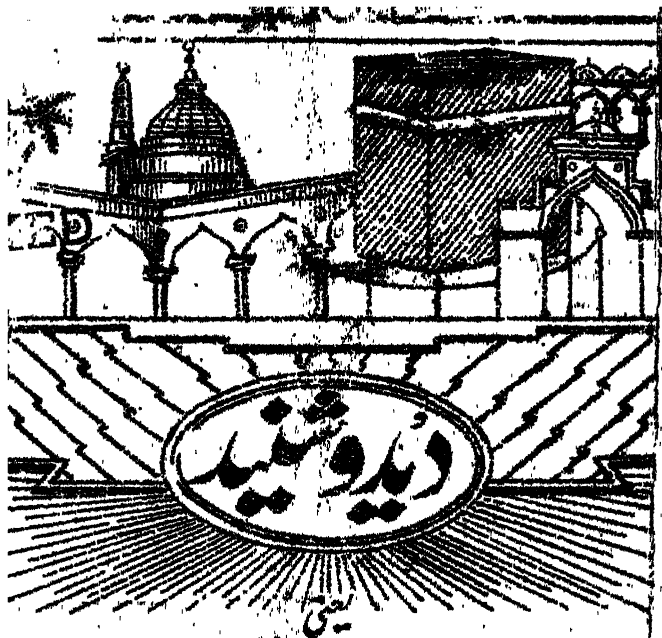


یعنی

سفرنامہ حرمین شریفین

از

الحاج حکیم عبدالغنی انصاری خسروشاہ نظامی

شائع کردہ

قاضی انعام الحق انصاری شیخ پور

ضلع غازی پور یو-پی

قیمت عہ

۴۸۶

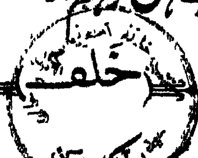
یارب کجاست محرمِ رازے کہ یک زماں
دل شرح آں کند کہ چہ دید و چہا شنید

حرمین شریفین
کی
دید و شنید

(از)

الحاج فقیر دعا گو حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامی

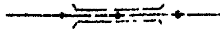
طبیب شاہی و مہتمم دواخانہ سرکارِ عالی



خلف

لقمان الملک حکیم نابینا صاحب مرحوم و مغفور

فہرست مضامین



	صفحات		صفحات
پیش لفظ	۱ تا ۱۰	داخلی جنگ کا معرکہ	۲۶
تمہید	۱۱ تا ۴۸	مجسم فضل رحمانی	۳۴
تاثیر دعا	۱۲	خوش اقبال نظامی	۳۶
ظہور فضل ربی	۱۴	دعوتوں کا سلسلہ	۴۱
دین دنیا کی کشمکش	۱۹	سلیم صدیقی صاحب	۴۶
کچھ اور رکاوٹیں	۲۱	سامان سفر	۴۷

آغاز سفر

از صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۵۸

منزل اول از حیدرآباد تا دہلی	۱	تیسری منزل لاہور تا کراچی	۲۱
دہلی کی مصروفیات	۱۲	منزل چہارم از کراچی تا جدہ	۲۷
منزل دوم سفر حجاز از دہلی	۱۹	برکات حج کا ظہور اول	۳۳

	صفحات
سفرِ حج کی مشکلات	۳۵
ایک سرحدی پیر صاحب	۳۷
امیرِ حج صاحب	۴۰
تعلیمِ توحید	۴۲
اکرڈ فوں جنگ	۴۴
کامران	۴۷
سمندری دلچسپیاں	۵۳
منزلِ پنجم جدہ تا مکہ معظمہ	۵۶
جدہ	۶۱
ہماری علالت	۶۲
جدہ سے روانگی	۶۸
زیارتِ بیت اللہ شریف	۷۱
حجرِ اسود	۷۳
مکہ معظمہ میں قیام	۷۵
کعبۂ محترم	۷۶
آیاتِ بینات	۷۸
رموزِ طواف	۸۰
داخلی کعبہ شریف	۸۲
فتوحاتِ مکیہ	۸۵
کچھ اور سرفرازیاں	۸۹

	صفحات
خادمِ کعبہ	۹۳
منیٰ کو روانگی	۹۵
دعوتِ سلطانی	۹۶
تقریرِ سلطانی	۹۸
عرفات	۱۰۱
وحشی عربی ڈرائیور	۱۰۹
مزدلفہ	۱۱۰
اسرارِ رمی جمار	۱۱۳
اشرار اہلِ حدیث	۱۱۹
طوافِ زیارت	۱۲۳
مصریوں کی چیرہ دستیاں	۱۲۷
امتحانِ عبدیت	۱۳۲
دورِ سعودی کی برکات اور شکایات	۱۳۴
حجاز کی منزل آخری از مکہ معظمہ تا مدینۂ منورہ	۱۴۱
معراجِ زندگی	۱۵۵
کچھ اور احوال	۱۶۴
اسماء پاک مدینۂ طیبہ	۱۶۶
اطرافِ مدینہ منورہ کی زیارات	۱۷۱

صفحات

جنت البقیع ۱۷۴

مدینہ منورہ میں ہمارا معمول ۱۷۹

حرم پاک نبوی کے کچھ اور حالات ۱۸۲

حرم پاک نبوی کے متعلق چند مشورے ۱۸۴

اشتدِ ضروری اصلاحی مشورہ ۱۸۸

مدینہ منورہ کے ملاقاتی ... ۱۹۲

مدنی دعوتوں کا سلسلہ ۱۹۵

کچھ اور ملاقاتی ۱۹۷

وداعی مناظر ۱۹۹

صفحات

مدینہ منورہ تا مکۂ معظمہ ۲۱۰

مولوی عبید الرحمٰن مکی ۲۱۲

قیام مکۂ معظمہ ۲۱۴

ملک الحجاز زیر فضل باری تعالیٰ ... ۲۱۹

مراجعت ۲۲۱

جہاز علوی ۲۲۵

کراچی ۲۳۸

ورود حیدرآباد دکن ۲۴۱

دعوتوں کا سلسلہ ۲۴۳

دوسری دعوت ۲۴۶

تیسری دعوت ۲۴۹

چوتھی دعوت ۲۵۱

فہرست تصاویر

مقابل صفحہ

شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ . ١
حضرت امجد صاحب ٣٦
نواب قطب اللہ خاں صاحب ٤٤
رباعی حضرت امجد صاحب ٤٠
لقمان الملک علامہ حکیم نابینا صاحب ٤٨
حجر اسود کا قریبی منظر ٧٢
کعبۂ محترم ٧٦
میدان عرفات ١٠٤
طیبہ منزل نئی دہلی ١٤٧
روضۂ نبوی ١٤٨
مسجد نبوی کا منظر اندرونی ١٥٠
مزار مبارک سیدنا حمزہ رضہ ١٧٢
رباعی حضرت امجد صاحب ٢٤٢
نواب محمد بشارت علی خاں صاحب ٢٤٥
روشن دل محمد یوسف خوش اقبال نظامی صاحب ٢٥١
حکیم خسرو شاہ نظامی ٢٥٨

اِنتساب

سفرنامہ ہذا کی شمس ضوفشاں سپہر معرفت و حقیقت ناظم الملّت والدّین امان الہند سیّدی و مرشدی و مولائی شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلّہ العالی کے نام نامی و اسم گرامی سے معنون کرنے کا افتخار حاصل کیا جاتا ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرّہ آفتاب تابانیم

ذرّۂ ناچیز

خدام غلامان آل محمد عسکر رسول اللہ ؐ انصاریوں کا نام لیوا
(سید آل حسینی فقیر ونا گو شاہ نظامی)

پیش لفظ

احباء - اقرباء - مریدین و متوسلین کا اصرار تھا کہ حرمین شریفین کے
جو حالات و کیفیات کا مشاہدہ اور معائنہ کریں ان کو قلمبند کریں تاکہ
سفرنامہ کے طور پر شایع کیا جا سکے۔

ہم کو اس فرمایش کی تعمیل میں اس لئے کافی سے زیادہ تامل تھا کہ
ہم ٹھیرے طبابت پیشہ اور درویش و فقیر انسان - یہ کام اہل قلم حضرات
کا ہے مگر قیام مکہ معظمہ کے دوران میں جبکہ ہم ڈبل نمونیا میں مبتلا ہو کر فریش
ہو گئے تھے اور امید زیست گویا منقطع ہو چکی تھی - علالت سے افاقہ
ہوتے ہی بتاریخ ۲۹ ؍ ذیقعدہ سنہ ١٣٦٤ھ سفرنامہ ہذا لکھنے کے لئے اُس کی
طرف سے مامور اور مجبور کیا گیا جس کے حکم کے بغیر ذرۂ وجود بھی مجالِ
حرکت نہیں رکھتا - روحِ فلکی نے امرِ ربی روح پر پرتو ڈالا روح نے

قلب پر انعکاس کیا۔ دل کی دنیا متحرک ہو گئی۔ ہمارے بطون۔ ہمارے شعور و تحت الشعور میں ایک زلزلہ مچ گیا۔ ہم بے اختیارانہ و قلم برداشتہ سفرنامہ ہذا خاص حرم بیت اللہ شریف میں لکھنے لگے اور اس کا اکثر حصہ حرم شریف ہی میں لکھا گیا ہے۔ سفرنامہ ہذا کے اکثر مقامات عالم جذب و کیف میں قلمبند ہوئے ہیں۔

ہم نے حرمین شریفین میں جو کچھ نظر ظاہر و باطن سے دیکھا یا سُنا بے تکلفانہ اس کو اپنی بھدی زبان میں لکھ دیا ہے۔ ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کو نہ تو اس میں کوئی لطف آئے گا نہ استعارات و تشبیہات ملیں گے نہ لطائف کا چٹخارا ہو گا اور معلومات کے نقطۂ نظر سے بھی کوئی ٹھوس اور کارآمد چیز شاید اس سفرنامہ میں نہیں ہے سیدھا سادھا بیان ہمارے وطنی حیدرآباد دکن کی زبان میں ہے البتہ اہل ذوق و اہل دل حضرات شاید بعض مشاہدات و والہانہ جذبۂ بے اختیار شوق کی واردات کو پسند فرمائیں۔ رفع غلط فہمی کے لئے سفرنامہ ہذا میں سے دو بیانات پیش لفظ میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سفرنامۂ ہذا کے ناظرین کو فطرتاً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا

لکھنے والا اس قدر بد بیں کیوں واقع ہوا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی اور عیب چینی۔ بدگوئی پر ہر وقت کمربستہ نظر آتا ہے۔ اور ہجو کرنے میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ مگر راقم ہذا اس تحریر کے وقت حرم محترم بیت اللہ شریف میں بیٹھا ہوا ہے اور جو جسم و مکاں سے پاک و منزہ ہے اس کا گھر کعبۂ محترم روبرو اور سامنے ہے اس عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ دلوں کے تمام رازوں سے آگاہ کو شاہد و گواہ کرکے لکھتا ہوں کہ میرا ارادہ ہرگز ہرگز لوگوں کی عیب جوئی اور بدگوئی اور بیجا ہجو کرنے کا نہیں ہے محض عبرت اور بصیرت و اصلاح کے خیال سے میں نے گلوں کے ساتھ یہ چند خار بھی مصلحتاً لگا دیئے ہیں تاکہ مغز کے ساتھ چند استخواں بھی ہیں اب جس کا جی چاہے میٹھے کو حب حب کرلے اور کڑوے کو تھو تھو۔ اس سے زیادہ میں اور کوئی صفائی کرنا نہیں چاہتا اور نہ اسکی ضرورت سمجھتا۔ ہاں اور اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ صرف ایسے حالات کی ہجو کی گئی ہے جو طریقت یا شریعت کے نقطۂ نظر سے درحقیقت مذموم ہوں۔

ہر انسان کے دائیں اور بائیں جانب دو غیر مرئی مخلوق مشیت ایزدی سے جبتک وہ بقید حیات ہے مقرر ہے جو کراماً کاتبین کے جن کا کام

نامۂ اعمال کا لکھنا ہے رہتی ہے۔ بائیں طرف والی مخلوق ناری ہے اور
نوع شیاطین میں سے ہے اس کا نام خنّاس اور وہ مدام وسوسے ڈالنے
اور برائی کی طرف رغبت دلاتے رہنے کے لئے مامور کیا گیا ہے اور جانب
یمین یا داہنی طرف کی مخلوق قطعی نوری اور ملائکہ کی جنس سے ہے ان کا
نام نفس فلکی سمجھ لیجئے۔ وہ ہمیشہ خنّاس کے وسوسوں کا توڑ کرتے رہتے
ہیں اور انسان کو نیکی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے نفس فلکی کو
تقویت ہوتی رہتی ہے اور خنّاس مضمحل ہو جاتا ہے اور جو غافلین
ارحم الراحمین کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں تو خناس مضبوط ہو جاتا ہے
قریب سے قریب تر ہو جاتا ہے اور بالآخر نعوذ باللہ انسان پر
بالکلیہ مسلط ہو کر اپنی من مانی کروانے لگتا ہے۔

وَمَن یَعشُ عَن ذِکرِ الرَّحمٰنِ فَاِنَّ الشَّیطَانَ لَہٗ قَرِینٌ

نص قطعی کلام پاک کی ہے۔ بہر حال میرے بائیں طرف والے نے سفر نامۂ
ہٰذا کے متعلق اپنی یہ رائے پیش کی کہ اس کتاب میں بجز بر خویش خود بینی
خود ستائی اور بر غیر بد بینی و ہجو گوئی کے اور دھرا ہی کیا ہے۔ نہایت
لغو تحریر ہے۔ فوراً نفس فلکی نے بآواز بلند اسکی بات کاٹ کر کہا کہ یہ

یکتا ہے علیم بذات الصدور ہو صرف نیت اور اخلاص کو دیکھتا ہے۔
تمام اعمال کی بنیاد اصلی اور حقیقی محض نیت ہے۔ آپکی نیت ہرگز خودستائی
اور خودنمائی کی نہیں ہے۔ اور جس چیز کو یہ بدگوئی اور ہجوگوئی سے تعبیر
کرکے لغو بتلا رہا ہے وہ تو اصلاحی نشتر ہے تاکہ اس سے رستے اور بہتے ہوئے
ناسور اور زخم برہنہ ہو کر سامنے آنے کے علاوہ قلم کا نشتر مواد فاسد کو خارج
کرا دے۔ میں آپ کو تاکید کرتا ہوں اور وضاحت سے بتلا دیتا ہوں کہ
آپ اس سفرنامے کے لکھنے پر مامور کئے گئے اور آپ کو من وعن حالات
کیفیات۔ مشاہدات اور انعامات جو فضل ربانی سے سفر حرمین شریفین میں
عطا ہوئے ہیں سب لکھنا چاہئے اور ضرور لکھنا چاہئے۔ اس داخلی گفت وشنید
کے بعد میرا قلم اب آزاد ہے اور میں بعون اللہ تعالیٰ میرے مالک
میرے ارحم الراحمین کے جملہ انعامات کو نہایت آزادی و بیباکی
سے قلمبند کروں گا۔ مجھے اس بات کا ذرہ برابر کوئی خیال نہیں ہے کہ
اس کے سامعین اور اگر کبھی یہ کتاب شائع ہو گئی تو اس کے محترم
ناظرین اس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ خناس کی ہمنوائی
کی جائے گی یا نفس فلکی کی رائے سے توافق ہوگا۔ مجھے تو بس

ایک ہی کی رضا اور ایک ہی کی خوشنودی درکار ہے۔

خادم خلق اللہ

فقیر دعاگو حکیم عبد الغنی انصاری

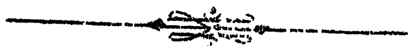
خسر شاہ نظامی

مہتمم دواخانہ سرکار عالی و طبیب شاہی

محلات مبارک

رحمت باغ

کاچی گوڑہ حیدرآباد دکن



باسمہ تعالیٰ و عز اسمہ

تمہید

مکہ معظمہ۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۳۳ نومبر ۱۹۴۵ء یوم یکشنبہ۔

بارہ یوم کی شدید نمونیائی علالت سے فریش رکھ اور مسلسل تین دن کے فاقے کے بعد آج جبکہ بحمد اللہ بخار نارمل ہو کر تغذیہ ہو سکا ہے۔ ضعف کا یہ عالم ہے کہ چند منٹ بیٹھنے کے بعد تمام جسم پسینہ سے تر بتر ہو جاتا ہے اور سر چکرانے لگتا ہے۔ کسی اشد شدید حکم اور داخلی تقاضے سے مجبور ہو کر اس تحریر کا اس مکین لامکاں کے نام سے آغاز کر رہا ہوں جو زبان و مکان۔ وہم و گمان سے بالا و برتر ہے۔ کھڑکی سے کعبۂ محترم کی چھت نظر آ رہی ہے اور رحمت کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔

دوست احباب۔ اعزا و اقربا حتیٰ کہ ہم خود سخت متحیر ہیں کہ پہلے سے کوئی ارادہ۔ کوئی تیاری۔ کوئی خاص عزم نہ تھا۔ البتہ آرزو اور شدید آرزو

ضرور تھی کہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوں۔ پھر یکایک کیسے سب سامان مہیا ہو گئے۔ کیسے کیسے مشکلات کے پہاڑ حائل ہوئے اور محض فضل ربی سے سرمہ ہو کر اڑ گئے۔ اس کی طرف جانے کے دو راستے مقرر ہیں ایک راستہ اجتبیٰ کا ہے اور دوسرا طریقہ انابت کہلاتا ہے پہلے راستے میں محض اوپر سے کشش ہے اور دوسرے طریق میں ادہر سے ممکنہ داد و دوش ہے

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔

اجتبیٰ والے طلبیدہ جاتے ہیں۔ انابت والے مجاہدہ سے یہ راہ طے کرتے ہیں باقی رہے ہم ہمارا شمار تو کسی میں بھی نہیں ہے۔ البتہ بقول :۔ ؎

کیا تھا عشق نے کاہیدہ مثل کاہ مجھے
کشش کسی کی اڑا لے گئی ہوا ہو کر

تاثیرِ دُعا

ہمارے ایک محب ادھم بے پیش امام مسجد چوک تھے۔ نہایت متقی۔ خوش اوقات۔ بہترین قاری نسلاً ترک۔ متوطن مدینہ پاک اور حال وارد حیدرآباد دکن۔ کبھی مجاہدین میں سے تھے۔ پھر قائدین میں شامل ہو کر مدینہ پاک کو وطن بنا لیا۔ گردش زمانہ نے حیدرآباد پہونچا دیا۔ جمعہ کا خطبہ اس قدر بہتر۔ فصیح و بلیغ فی البدیہہ

آیات و احادیث سے مزین پڑھتے تھے کہ روح وجد کرتی خصوصیت سے جہاد کے فضائل پر خطبہ میں بہت زور دیا کرتے اور حالات حاضرہ سیاسی پر ہندی نقطۂ خیال سے تبصرہ بھی ہوتا۔ شاہ گنج میں عرصہ سے ہمارا قیام تھا۔ اور پیش امام صاحب سے راہ و رسم خوب تھی۔ ہم تو ہمیشہ ان کے لئے دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ ان کو ان کے پرجوش جہادی ترغیب کے خطبوں کے وجہ سے چشم اعداء سے مامون و محفوظ رکھے اور جب کبھی ہم ان سے استدعاء دعا کیا کرتے تو وہ یہ دعا دیتے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اور ہم کو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر نبوی ارواحنا فداہ میں یکجا فرمائے۔ غالباً اپنی روشن ضمیری سے اُنھوں نے ہماری زندگی کی سب سے بڑی آرزو روضۂ پاک کی حاضری کو پہچان لیا۔ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ پنجشنبہ کو حسب معمول ہفتہ واری برائے عزت تعمیل فرمان مبارک حضرت ظل اللہ حضرتہ عمدہ بیگم صاحبہ کا معائنہ کرنے چوِ محلہ مبارک جا رہا تھا کہ لاڑ بازار میں ادھم لے صاحب پیش امام نظر آئے۔ ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے موٹر رکوا دی۔ ملاقات ہوئی۔ پہلے تو عرصہ سے نہ ملنے کا گلہ کیا۔ معذرت کیگئی۔ چونکہ مستقل مکان رحمت باغ کاچی گوڑہ میں منتقل ہو جانے سے فاصلہ بہت ہو گیا ہے اس لئے

اس طرف جمعہ کی نماز کو مسجد چوک آنا نہ ہوسکا۔ اس کے بعد ادھم بے صاحب نے خوش خبری سنائی کہ اعلیٰحضرت بندگان عالی نے از راہ مرحمت خسروانہ پچاس روپیئے ماہانہ وظیفہ ان کے نام جاری فرما کے اجازت مدینہ منورہ دیدی ہے ہم نے مبارکباد دی اور کہا کہ خداوند تعالےٰ نے ہماری دعا قبول فرمائی کہ آپ کو ایسے پر آشوب نازک زمانہ میں چشم زخم اعدا سے محفوظ رکھکر مراجعت وطن کا سامان مہیا فردیا۔ اب ہمارے لئے دعا فرمائیے مسکراکر کہا کہ انشاءاللہ ہم لوگ مدینہ منورہ میں ضرور ملیں گے۔

ظہور فضل ربی اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیئًا فَھَیَّئَ اَسْبَابَھَا۔ بظاہر ہمارا سفر حرمین شریفین مختلف وجوہات سے ایک امر محال معلوم ہوتا تھا۔ شرط اولین اس سفر کی استطاعت ہے اور یہاں یہ حال کہ جب سے ملازمت سرکاری کی حکڑ بندیوں میں آئے صدر درجہ کامیاب خانگی مطب جسکی اوسط ماہوار آمدنی ڈیڑھ دو ہزار سے کم نہ تھی تقریبًا ملیا میٹ ہوگئی وجہ یہ کہ تعصبات ہم پیشگی کی کند چھری نے ہمارے حقوق کی گردن کو جتنا اپنا مطمح نظر بناکر سررشتہ طبابت کے ایک ایسے گھٹیا مقام تیسرے درجہ کے دواخانہ کی مہتممی پر لابٹھایا جو واقعی ہمارے تلامذہ کے بھی

شایاں نہ تھا۔ بحمد اللہ ہم سے سند حاصل کئے ہوئے بعض تلامذہ اس وقت
صوبہ مدراس۔ بمبئی اور ایسٹ افریقہ۔ کینیا جیسے دور دراز مقام پر کامیاب
مطب کر رہے ہیں اور درجہ اول کے اطباء میں ان کا نام رجسٹر ہو چکا ہے۔ ریاست
ابد مدت کے سب سے عالی مقام عہدہ دار یعنی صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
نے جن کو پانچسو روپیہ تک تقرر کا خود اختیار تھا ہمارے لئے حسب ذیل الفاظ
میں حکم نافذ کیا تھا کہ "جس قدر اطباء حیدر آباد دکن میں موجود ہیں اگر حکیم
خسرو شاہ نظامی کو ان سب سے زیادہ سربرآوردہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا
ایسے طبیب کی ہماری ریاست کو سخت ضرورت ہے ان کیلئے باب حکومت
کی جانب سے بارگاہِ اقدس اعلیٰ میں معروضہ کیا جائے۔" مگر سب احکام
دھرے رہ گئے اور تعصب و عداوت کام کر گئی۔ چوبے صاحب چھبے تو
کیا ہوتے دوبے بھی نہ رہے۔ ایسے سفر نامہ مذہبی میں دنیاداری کے
ایسے ذلیل تذکرے اور رگڑے جھگڑے لکھنا بہت نامناسب معلوم ہوتا ہے
مگر یہ ذلیل تذکرہ سات سالہ مدتِ سہام مظالم دل سے ایک آہ کے لئے بے اختیار
نکل گئی ہے۔ ہمارے صد درجہ کامیاب مطب کی آمدنی میں چونکہ دو ثلث
زاید حصہ بطور افضل الاشغال خدمت الناس پر ذرانہ تقریباً چار سو سے

چھ سو تک غریب و بیکس غرباء کو قیمتی اور بیش بہا ادویات مفت دینے میں صرف ہوتا تھا افسوس کہ وہ صورت باقی نہ رہی اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ ذُوالْقُوَّتِ وَالْمَتِیْنُ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری کوئی ضرورت رُکی نہ رہی اور ہمیشہ غیب سے بروقت بلکہ اکثر ضرورت سے قبل اس کا سامان مہیا ہو جاتا تھا مگر عرصہ سے اتنا کبھی جمع نہ ہو سکا کہ آج کل کے گراں مصارف کا حج فرض ہو جاتا۔ استطاعت کا تو حال آپ نے سن لیا۔ دوسری بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ تقریباً دو ڈھائی سال سے جبکہ ہم نے رحمت باغ کاچیگوڑہ میں مستقل مکان خرید کر کے رہائش اختیار کر لی۔ تمام اقرباء مقیم حیدرآباد سے کافی فاصلہ پر ہو گئے۔ بعض اوقات کئی کئی ہفتے تک کسی کو ایکدوسرے کی خبر تک نہ ہوتی۔ ایسی صورت میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تن تنہا چھوڑ کر ہم کیسے ایسا طویل سفر اختیار کر سکتے تھے۔ اس مشکل کا حل پردۂ غیب سے یہ ہو گیا کہ ہمارے چچازاد بھائی اور برادر نسبتی قاضی انعام الحق صاحب انصاری جرنلسٹ ایکایک اپنی ہمشیرہ کو دیکھنے دہلی سے تشریف لے آئے ہم سے ان کو جدید رشتہ کی وجہ سے نہیں بلکہ تقریباً پچیس سال سے جبکہ وہ جامعہ ملیہ میں بی اے۔ جرنلزم میں پڑھ رہے تھے اور ہم قاضی حوض

دہلی میں مطب کرتے تھے از حد خلوص محبت و یگانگت ہے۔ مجموعہ صفات
حسنہ ہیں۔ بظاہر دیکھئے تو کلین شیو مگر سچے اور پکے مسلمان۔ بلکہ اعلیٰ درویشی
صفات سے مزین۔ میں نے شدید جاڑے کی طویل راتوں میں جبکہ لوگ
لحافوں میں دبکے ہوتے ہیں ان کو اپنے باغ کے غریب بڈھے مالی کی
تیمار داری کرنے اسکی جھونپڑی میں جاتے دیکھا ہے۔ خلوص و محبت میں
بلا کی کشش ہے۔ جس سے یہ ایک بار ملتے ہیں وہ ان کا گرویدہ ہوجاتا ہے
پابندیٔ مذہب کا یہ عالم ہے کہ اس سال سالم رمضان ساتھ رہا۔ ایک
روزہ قضا نہ ہوا اور نصف دن تک مسلسل قرآن خوانی کرتے دیکھا۔
ماشاءاللہ یوسف پورا ور معصوم پور کے آبائی و پشتینی جاگیر دار زمیندار
ہیں شکاری ایسے زبردست کے کبھی نشانہ خطا نہیں کرتا۔ شدید
بارش میں کافی فاصلہ پر گیدڑ کی آنکھ چمکی انھوں نے فائر کیا اور جانور
کا خاتمہ ہوگیا۔ نشانہ حدِ کمال کو پہونچا ہوا۔ خدمت خلق کے جذبہ کا یہ عالم
کہ کسی کو چاہے وہ کیسا ہی کمتر درجہ کا ہو کسی طرح کی تکلیف میں دیکھ نہیں
سکتے اور ممکن طریقے سے اسکی تکلیف دور کرنے کی سعی کرتے ہیں مزاج میں
بیحد انکسار ہے۔ مگر اقربا و ان میں ایک عیب بھی بیان کرتے ہیں حالانکہ

وہ عیب نہیں کمال انسانیت ہے وہ یہ کہ حد درجہ خوددار و حساس انسان ہیں حتیٰ کہ خود صاف دل سیدھے مخلصانہ آدمی ہیں۔ اگر کوئی اکڑ فوں کرے یا اپنی امارت کے کسی پہلو کو جتلانا چاہے تو وہ اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں حتیٰ کہ ملنا جلنا ترک کر دیتے ہیں۔ برادرم قاضی انعام الحق صاحب کا یہ کیا رکٹر میں نے برسبیل تذکرہ اس لئے قلمبند کر دیا تاکہ سفرنامے کے ساتھ یادگار رہے بہرحال بھائی صاحب کے تشریف لانے اور یہ وعدہ فرمانے سے کہ میرے سفر حرمین شریفین سے واپسی تک میرے بال بچوں میں خرچ تنخواہ پہنچتے رہینگے میری دوسری مشکل بالکل حل ہو گئی اور پہلی مشکل سفر خرچ مہیا ہونے کی فضل ربی سے اسطرح دور ہوئی کہ میں معمولاً تقریباً ہر جمعہ کو اپنی والدہ ماجدہ مدظلہا کی قدمبوسی حاصل کرنے کا جی گوڑہ سے خیریت آباد جایا کرتا تھا۔ اس سال والدہ ماجدہ بعزم ہجرت مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہی تھیں اور منجھلے بھائی حکیم عبدالقادر صاحب انصاری ان کو لیجانیوالے تھے۔ ماہ شعبان ۱۳۶۲ھ ایک جمعہ کو میں نے والدہ سے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے سفر خرچ مرحمت فرما سکیں اور ہمراہ لیجانے پر راضی ہوں تو میں بھی دوگونہ سعادت حاصل کرونگا۔ ایک آپ کی خدمت اور معیت۔ دوسرے حج و زیارت۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ رقم جمع ہے اس میں سے تمہارا

پورا سفر خرچ دونگی۔ اس حسن تدبیر فضل ربانی سے خرچ راہ مہیا ہوگیا
منجھلے بھائی صاحب کو خبر کی گئی تو انہوں نے ایک بہت ہی توڑنے والی بات
ہمارے حجاز نہ جاسکنے کی یہ تصدیق دی کہ کسی جہاز میں کوئی جگہ خالی نہیں رہی
اور کسی طرح اب ہمارا نام حج کمیٹی دہلی جس کے افسران ہرگز کوئی رورعایت
نہیں کرتے ہیں داخل فہرست نہیں کرسکتے۔ دل پریاس و حرمان کے
بادل چھا رہے تھے۔ مگر روح و قلب پوری صمیمیت سے لبیک
اللھم لبیک پکار رہے تھے کہ یکایک برادر محترم بڑے بھائی حکیم
عبدالغنی صاحب کا تار دہلی سے ہمارے نام آیا کہ تمہارے لئے ڈک پر
جگہ محفوظ کرادی گئی ہے۔" اے فدا قربان احسانت شوم"

دین و دنیا کی کشمکش

خدا جزائے خیر دے ہمارے سابق ناظم طبابت نواب غوث یار جنگ بہادر کو
کہ انہوں نے ہماری سات سالہ مظلومی اور دانستہ حق تلفیوں کو اچھی
طرح محسوس کرنے کے بعد ایک درجہ دوم کے مہتمم دواخانہ کی جائداد پر
ہماری ترقی کے لئے بہت مدلل اور زوردار تحریک فرمائی۔ پھر کیا تھا
ہم پیشہ بزرگوں کی جماعت جن کا مقصود شب و روز سازش اور ریشہ

ایزارسانی جن کی طبیعت ثانی ہے برسرکار ہو گئی اور ایڑی چوٹی تک کا
زور لگا کر ترقی کے جیسا خفیف معاملہ جو صرف محتاج منظوری صدارت عظمیٰ
تھا اتنا طول کھینچ گیا کہ اس کشاکش میں تقریباً ایک سال گذر گیا۔ بحمداللہ
موجودہ صدر اعظم باب حکومت سر سعید الملک بہادر نواب صاحب چھتاری
نے حق و انصاف کا ساتھ دیا اور فقیر دعا گو کے موافق رائے دی۔ مگر جلدیہ
صدر المہام طبابت کی رائے کے لئے مثل واپس کر گئی۔ مختصر یہ کہ معاملہ
اس نزاکت پر آپہنچا جس کو عام اصطلاح میں "نہ جائے رفتن نہ پائے
ماندن" کہتے ہیں۔ ہم کو دو ٹوک فیصلہ ایک جانب فوراً کرنا تھا۔
ایک طرف دنیا کی نمایاں ترقی۔ گریڈ بڑھ جانے میں یقینی طور پر تھی
زمانہ دراز کے بعد حق رسی ہو رہی تھی۔ دوسری طرف ٹھہر جانے میں
حضرین شریفین سے محرومی ہو جاتی تھی۔ نفس شیطان نے بہت
بہکایا کہ آئندہ سال بھی جا سکتے ہو۔ ٹھہر جاؤ۔ ترقی ہو جانے دو۔
بال بچوں کو آسائش ہو گی۔ مگر الحمد للہ ہم نے نفس شیطان کو جھڑک
دیا کہ اگر قسمت میں ہو گا تو ضرور پھر کبھی ترقی ہو جائے گی ہم اسی سال
یقیناً قریب الاختتام ترقی کے معاملہ کو اللہ و رسول کے لئے معلق

چھوڑ کر حرمین شریفین جائیں گے۔ والدہ ماجدہ کی معیت و خدمت
جیسی نعمت پھر کیسے حاصل ہو سکتی ہے حسبنا اللہ و نعم الوکیل
نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ الحمد للہ کہ دین نے دنیا پر فتح
مبین پائی یہ بھی اُس کا فضل ہے۔

کچھ اور رکاوٹیں اب سب سے زیادہ ضروری مرحلہ اپنے آقائے ولی نعمت حضرت ظلِّ سبحانی
آیتہ رحمانی سے حصول اجازت سفر حرمین شریفین کا تھا اس لئے کہ
از راہ مکرمت خسروانہ سرکار نے فقیر دعاگو کو متعلقات شاہی کے طبیب
ہونے کا افتخار مرحمت فرمایا ہے۔ تداخل موسمی کے باعث دیوڑھیات
مبارک میں امراض موسمی کا زور تھا اور حویلی قدیم مبارک میں بعض فرزندا
کی دیکھ بھال کے لئے بعض اوقات دن میں متعدد بار حاضر ہونا اور کیفیت
مزاجی کا پرچہ بذریعہ پولس نگرانی محلات مبارک راست حضرت
بندگانعالی کی حضوری میں ارسال کرنا پڑتا تھا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں
متعلقات شاہی میں سے امتہ الزینب بیگم صاحبہ علی حسین صاحب مرحوم
کی صاحبزادی کو بخار آگیا اور آٹھ یوم تک زائل نہیں ہوا۔ قوی احتمال

تھا کہ خدانخواستہ میعادی بخار نہ ہو اور حالت یہ تھی کہ دہلی سے اطلاع آچکی تھی۔ غالباً ۱۱ اکتوبر کو جہاز کراچی سے روانہ ہو جائے گا یعنی اگر ہم ایک ہفتہ کے اندر حیدر آباد سے روانہ نہ ہو گئے تو پھر کوئی امید جہاز ملنے کی نہ تھی۔ عقل چکرا گئی۔ پسینے آ گئے۔ اللہ اکبر۔ ہم صاحبزادی کے زمانہ علالت میں کئی دفعہ دیکھنے حاضر ہوا۔ اس کی اطلاعات سرکار میں گذرتی رہتے ہیں۔ اب کس طرح اسکی جسارت کی جاسکتی ہے کہ علیل لڑکی کا علاج قبل صحت یابی معلق چھوڑ کر آقائے ولی نعمت سے اب رخصت طلب کی جاسکے۔ بڑی کشمکش اور نازک کشاکش کا سامنا تھا اس لئے تیمم آب سے شافی مطلق سے دعا کی گئی کہ ارحم الراحمین تو نے جیسے محض اپنے فضل خاص سے بے وہم و گمان سامان سفر مہیا فرما دیئے ہیں اس نازک مرحلہ سے بھی پار اُتار دے اور شفائے عاجل وکامل مرحمت فرما دے۔

ادعونی استجب لکم کا فوری ظہور ہوا اور بخار جو آٹھ دن تک نارمل نہ ہوا تھا اور میعادی ہونے کا احتمال تھا بحمد اللہ نویں دن بالکل نارمل ہو گیا۔ بارگاہ خداوند قدس و اعلیٰ میں خوشخبری بخار نارمل

ہونے کی پیش کرنے بعد دوسرے دن اجازت سفر حرمین شریفین کیلئے
عرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ محبوب المسلمین امیر المومنین میرے سلطان کو
صدہا سال سلامت باکرامت رکھے فوراً بخششی اجازت سفر مرحمت
فرمائی گئی اور ارشاد ہمایونی ہوا کہ

"سابق میں جب کبھی خسرو شاہ نظامی رخصت پر گئے تھے حکیم
بڈکمر نے ان کی جگہ ڈیوڑھیات کا کام کیا تھا اب بھی وہی
عملدرآمد رہے گا اور اس بارے میں ناظم طبابت رحمت یار جنگ سے
بھی کہہ دیا جائے گا"

الحمد اللہ آقائے ولی نعمی کی اجازت کا مرحلہ تو حد درجہ خوش اسلوبی سے
پورا ہو گیا۔ اب رہا ہمارے مہتمم دواخانہ سرکار عالی ہونیکی حیثیت سے
سررشتہ کی جانب سے منظوری رخصت و اجازت سفر کا مرحلہ۔ یہ بھی
بہت ہی معمولی بات اور بظاہر کوئی ایسی الجھن اور پیچیدگی اس میں
ہونا نہیں چاہئے تھا اس لئے کہ ضابطہ کے اعتبار سے ہمکو تین ماہ بیس یوم
رخصت خاص کا استحقاق حاصل تھا مگر کئی وجوہات سے ایسی سیدھی سی
بات بھی پیچیدہ ہو گئی۔ سررشتہ نظامت طبابت یونانی میں چند

حضرات ایسے بھی ہیں جن کو ہماری طرف سے کبھی کوئی ضرر کسی طرح کا نہیں پہونچا مگر مقتضائے طبیعت سے مجبور ہو کر ہم سے بغض للّہی رکھتے ہیں ان ہی میں سے ایک منتظم صاحب ہیں جبکہ ہم ۱۳۲۶ف میں پرسنل مددگار افسرالاطباء تھے اور سررشتہ کے سیاہ و سفید کا ہم کو اختیار تھا۔ منتظم صاحب خوش آمدیہ بھیجے جاتے تھے۔ ہم نے ان کو ہمیشہ نفع ہی نفع پہونچایا۔ ضرر کا گمان و شائبہ تک نہیں مگر انقلاب حالات نے ان کو علانیہ بیوجہ و بے سبب ہماری مخالفت پر کمربستہ کر دیا۔ عبرت ہیں عبرت بہرحال جب ہم نے دیکھا کہ ہمارے اشد ضروری ہیں استدعائے رخصت کے مراسلہ کا کوئی جواب نہیں مل رہا ہے اور وقت از حد کم رہ گیا ہے تو مجبوراً خلاف عادت مزاج و طبیعت خود نظامت طبابت درخواست لیکر جانا پڑا۔ حالانکہ ہماری طبیعت اس درجہ غیور ہے کہ بار ہا باوجود احباب کے شدید اصرار کے کبھی اپنی ترقی تک کے لئے کہنے سننے خود نظامت طبابت ہرگز نہیں گئے۔ ہمیشہ صدر شفاخانہ اور نظامت اسی وقت جاتے رہے جبکہ کسی مریض مقیم دواخانہ رہائشی کے خاص معائنہ اور علاج کیلئے فرمان حضرت ظل اللہ شرف صدور لایا گیا۔ بہرحال راہ خدا و رسول میں

خود داری کی قربانی بھی تو ضروری تھی۔ سنا یہی تھا کہ جو لوگ عزم سفر حج کرتے ہیں تو دوسرے مسلمان ہر طرح ان کو سہولت بہم پہونچاتے ہیں۔ مگر جبکہ ہم نے درخواست ناظم صاحب کے سامنے پیش کی ہمارے محبّ منتظم صاحب نے برائے حصول ثواب دارین فوراً یہ پیش بینی کر دی کہ اس رخصت کی منظوری نظامت کے اختیار میں نہیں ہے معتمدی کی اختیاری ہے۔ جَلَّ جلالہٗ۔ غلط بیانی کی حد ہو گئی۔ ہر طرح کی رخصت کی منظوری کا اختیار نظامت کو ہے اور ہم نے بارہا حاصل کیا ہے مگر ان صاحب کا مقصد تو در اصل معاملہ کو طویل کر کے ہم کو محروم سفر حرمین شریفین کرنا تھا۔ ہم نے ۱۲؍ آبان کو بذات خود یہ درخواست پیش کی تھی اور اگر ۲۵؍ آبان کو ہم حیدرآباد سے روانہ نہ ہو جاتے تو جہاز نہیں مل سکتا تھا۔ ہم نے کہا کہ بہت اچھا نظامت سے مراسلہ ہم کو خود دیا جائے۔ ہم براہ راست بذات خود معتمدی لے جا کر منظوری لا دینگے۔ چنانچہ سفر دیار حبیب کے لئے ہم چپراسی بھی بنے اور مراسلہ لیکر سیدھے اپنے محب قلبی اور محسن و کرمفرما سیادت مآب و محترم نواب قطب اللہ خاں صاحب کے پاس پہونچے اور ان کو ہمراہ لیکر

فوراً دفر معتمدی جا کر نواب قدرت نواز جنگ بہادر سے فوری منظوری کا مراسلہ خود حاصل کر لیا۔ دوسرے دن جب نواب رحمت یار جنگ بہادر ناظم طبابت کے سامنے پیش کیا تو پھر از راہ کرمت ہمارے محترم ناظم صاحب نے اُن کی شرارت چلنے نہ دی اور اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ فوری احکام رخصت جاری کئے جائیں اس کے بعد بطور زجر و سرزنش چند کلمات منتظم صاحب کو فرما کر سخت تاکید کی کہ مراسلہ منظوری ہمارے حوالہ کر دیا جائے اس طرح روانگی سے صرف تین دن پہلے رخصت خاص سہ ماہ سرکاری طور سے بحمد اللہ منظور ہو گئی۔

داخلی جنگ کا معرکہ

خارجی مشکلات و موانعات کا حال تو آپ نے سنا اب ذرا داخلی سب سے بڑے دشمن نفس لعین اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ کی شیطنت بھی سن لیجئے ــــ فرماتے ہیں اور بظاہر بڑی دلسوزی و ہمدردی سے فرماتے ہیں کہ میاں اپنے حال پر رحم کرو۔ تم ٹھہرے سالہا سال سے قلب کے مریض حالت یہ ہے کہ ذرا سی نقل و حرکت کریں دم پھولنے لگتا ہے۔ پانچ منٹ مسلسل بغیر سہارے اور ٹیکے کے بیٹھ نہیں سکتے ورنہ اعضاد

اکڑنے لگتے اور سُن ہو جاتے ہیں۔ اکثر یکا یک تباہی دورہ ہونے لگتا ہے۔
اسی لئے جیب میں ہر وقت مقوی دل ادویات لئے پھرتے ہو کہ وقت
بے وقت دورہ پڑنے پر کام آجاتی ہیں۔ مکان سے کہیں دور شہر میں
جانا ہو تو تنہا نہیں جاتے۔ کسی کو اس لئے حتی الامکان ہمراہ رکھتے ہو کہ
حرکت قلب رک جائے تو میت با سانی گھر پہنچ سکے۔ البتہ دماغی قوت
میں بجائے انحطاط کے اور ترقی ہو گئی ہے اور مسلسل بغیر تکان کے دماغی کام
انجام دیتے ہو۔ اب آپ نے اتنے بڑے سفر کا ارادہ کر لیا ہے اور پھر
طرّہ یہ ہے کہ جب نیکے ہاں کا سفر جو اکثر بصورت سفری ہوا کرتا ہے یقین
مانو کہ تم ڈک کی شدت تکلیف کو ہرگز برداشت نہیں کرسکو گے مرجاؤ گے
اور سمندر تمہاری تربت بنے گا۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تمہارے
بعد یتیم ہو جائیں گے جن کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ اس لئے سفر کے ارادے
سے باز آجاؤ۔ یہ تمہاری حد برداشت سے تیرا رگنا زیادہ بھاری ہے
ہم نے کہا کہ بدمعاش و خبیث خوب حق بہکانے کا تو نے گویا پورا کیا
جس ڈیوٹی پر تو مامور کیا گیا ہے۔ تیرا فرض اور تیری طینت یہی ہے کہ
اس کو بجالائے مگر سن تو۔ تو یہ سب کس سے کہہ رہا ہے۔ کس کو

سنا رہا ہے کس کو ڈرا رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ تو سخت بے حیا بے غیرت اور بدذات ہے۔ تجھے یاد نہیں کہ طے سلوک کے موقع پر چوبیس سال قبل ۱۳۳۴ھ میں ہم نے نہایت سخت کھردرے موٹے کمبل کا کرتہ مسلسل تیرہ سال تک پہنا ہے۔ بستر کی بجائے سانبر کے چھڑے پر بغیر تکیہ کے سوتے ہیں۔ غذا میں موٹے جو کا ستو پانی میں گھول کر پیا ہے۔ بدذات ان سختیوں کو سب بھول گیا۔ تجھے یاد نہیں کہ دس سال قبل ایکبار مئی کے مہینہ میں جبکہ شدید لو چل رہی تھی اور ہم بکثرت نہاتے تھے تو نے خواہش کی کہ سر میں تیل ملا جائے۔ ہمنے اس کے جواب میں تجھے مجبور کیا کہ نصف گھنٹہ ننگے سر دھوپ میں ٹہل۔ اور سناؤں بھول گیا ہے تو یاد دلاؤں۔ اکیس سال قبل دہلی میں قاضی حوض کے مکان پر ایک ایسے تنگ کمرہ میں بند ہو کر ہم شغل حبس دم کے ساتھ کئی کئی گھنٹے کرتے تھے جس کا دروازہ بند کرنے کے بعد ہوا اور روشنی کا اندر گزر محال تھا اور کوئی شخص جو حبس دم کا عادی نہ ہو چند منٹ سے زیادہ اس کمرہ میں ٹھیر نہیں سکتا تھا۔ ورنہ ہلاکت کا احتمال تھا۔ یہ سب سنکر بے غیرت نفس نے قہقہا مار کر ہنسا اور ڈھٹائی سے بولا کہ حضرت سلامت "یہ باتیں ہیں جبکی کہ آتش جوان تھا"

اس وقت آپ کی جوانی کا عالم تھا۔ تمام قویٰ مضبوط اور محفوظ تھے۔ اب متاہل ہو گر بہت ہو چکے۔ ضعیفی کا نقارہ زور و شور سے بج رہا ہے۔ سب بڑھکر یہ کہ قلب کے مرض نے جو خاندانی ہے آپ کو کسی کام کا نہیں رکھا۔ اور نہ اعضا ہیں اب وہ سکت اور کس بل ہے۔ ہم تو عرصہ سے آپ کے مطیع ہیں۔ ہم آپ کی خیرخواہی سے منع کرتے ہیں۔ ہم نے بہت زور سے جھڑکا' خبردار! زیادہ ایک لفظ نہیں۔ تمہاری خیرخواہی خوب معلوم ہے اگر ایک منٹ کے لئے بھی کوئی تمہاری خیرخواہی کو مان جائے تو فوراً اس کو صراط مستقیم سے بہکانے اور اونچے منزل سے گرانے کسر اٹھا نہ رکھو اگر اسی طرح ہمارا مرنا مقدر ہے تو یہی سہی۔ کسی نادیدہ پکارنے والی کی پکار پر ہماری روح' ہمارا قلب' لبیک لبیک لا شریک لک لبیک کہہ رہا ہے تو مردود حائل ہونا چاہتا ہے اگر مر جائیں گے تو حشر کے دن اسیطرح لبیک لبیک پکارتے ہوئے جاگیں گے' اور مقصد اعلیٰ کو پالیں گے ایسی شدید زجر و جھڑکی سے مردود نفس کی شیخی تمام ہو گئی۔ اور قلب نیلو فری گردنات اپنے مخصوص مقام پر دبک کر جا بیٹھا اور خاموش ہو گیا۔ اسکی شدید جد و جہد لگائی بجھائی سے عاجز آ کر ہم نے بنظر احتیاط

برادر محترم حکیم عبدالحی صاحب انصاری کو نئی دہلی ارجنٹ تار دیا کہ اگر ہمارا ٹکٹ ڈبّے سے فرسٹ کلاس میں مبدل ہو سکتا ہے تو ضرور کر دیجیے۔ جواب ملا کہ ناممکن ہے۔

اس جواب کے ملنے کے بعد کنڈلی مار کر سوتے ہوئے نفس لعین کے سانپ نے پھر لہرا کر اپنا پھن پھیلانا چاہا اور جھٹ مولوی صاحب کا روپ بھر کر فرماتے ہیں کہ حضرت لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ کا یہ حکم صاف اور صریح ہے۔ آپ تو خود اپنے ہاتھوں اپنی موت کے منہ میں جا رہے ہیں یہ حرکت تو خودکشی کے مترادف ہے۔ ذرا سی جسمانی مشقت تو آپ برداشت نہیں کر سکتے۔ ساری توانائی اور طاقت دماغ میں البتہ جمع ہو گئی ہے اور پیشہ طبابت کا کام تشخیص و تجویز بلا تکان دن بھر سرانجام دے سکتے ہو۔ ڈبّہ آپ کو تو معلوم ہے کیا چیز ہے۔ فرش چھت دیواریں سب لوہے کی ہوا صرف بقدر زیست حوائج ضروریہ کے لئے گھنٹوں کا انتظار پھر سوچئے کہ آپکی حرکت قلب کا رک جانا ان حالات میں یقینی نہیں تو کیا ہے۔ ہم نے کہا سن بے مردود خبیث کہیں کا کیا بک رہا ہے خدا اور رسول کے راستے سے باز رکھنے اور اس صراط مستقیم پر چلنے کو

تہلکہ سے اب مولوی سنکہ تعبیر کرتا ہے۔ جا جا ہمنے تجھے پہلے ہی سنا دیا کہ
ہم بدل و جان اس بات میں اگر جان دینی پڑی تو دیار حبیب کے لئے
بخوشی تصدق کر دیں گے اور بس میرا ارحم الراحمین میرے رگ جان سے
زیادہ قریب رہنے والا۔ ہر لمحہ و ہر آن میرے ساتھ ہے اور وہ بندہ
نوازی سے میرے سنتا بھی ہے اس کا فضل ضرور بالضرور ہر ہر قدم پہ
میرے ساتھ رہے گا اور محض اس کے فضل عظیم کے بھروسہ پر میں ضرور
بالضرور یہ سفر خشک ہی پر کروں گا۔ اب تو مارد سم پیدہ کی طرح پیچ و تاب
کھا کر پھر اپنے ٹھکانے اپنا سا منہ لیکر جا بیٹھا اور الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ
کہ داخلی جہاد میں ہم کو فتح مبین ہوئی روح نے اپنی تجلی قلب پر ڈالی
اور قلب نے اپنا پر تو نفس کی طرف کیا اور ہم نے اس کو کامل طور پر
نہ صرف مغلوب کر لیا بلکہ یہ بشارت بھی سنا دی کہ میاں صاحب اس
سفر حجاز کے تمام راستہ قدم قدم پر تمہاری ایسی ایسی گت بناؤں گا
اور بس اس طرح تم کو سرکشی کا مزا چکھاؤں گا کہ سب بھول جاؤ گے
بھول گئے تھے کہ بائیس سال قبل نماز صبح کے بعد کوٹھی دریا گنج سے
درگاہ اعلیٰ حضرت سلطان السلاطین سلطان المشائخ سلطان نظام الدین

اولیاء محبوب الٰہیؒ کی طرف پیدل جا رہے تھے۔ پیدل اس لئے کہ باوجود عم محترم ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم کی کوٹھی پر موٹر۔ گھوڑا گاڑی موجود ہوتے ہوئے ان کے منیجر یا مختار کل غالب صاحب نے باوجود باصرار استدعا کے کرایہ کا تانگہ تک منگوا کر دینا گوارا نہ کیا تھا۔ درگاہ شریف جانا ضروری تھا۔ حال یہ تھا کہ جسم پر کشمیری کام کا ایکہزار روپیہ قیمت کا بیش بہا چغہ بغل میں قلمی کتب۔ حضرت پیرومرشد قبلہ سیدی ومرشدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو نذر دینے کے لئے اور ایک ہاتھ میں رسیاول کی ہانڈی وہ بھی نذر گزراننے۔ پیدل چلنے کی عادت نہیں پرانے قلعہ تک پہونچے تھے کہ اعضاء شل ہو گئے۔ دم لینے فرش خاکی پر ایک درخت ببول کے نیچے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک کمہار۔ بہت سے گدھے لئے ہوئے جن میں اکثر پر اینٹ تھی اور بعض خالی تھے۔ سامنے سے گزرا اور نفس لعین تو نے ہزار ہا احتجاج۔ فریاد وفغاں کی۔ مگر ہم نے ایک نہ سُنی۔ گدھے والے سے دو آنے اجرت چکا کر ایک گدھے پر سامان رکھا دوسرے پر خود پالتھی مار کر بیٹھ گئے اور اس طرح محض تجھے ذلیل کرنے

گدھے پر سوار ہو کر درگاہ معلّے تک پہونچے وہاں جا کر باتباع حکم فاخلع
نعلیک انک بالواد المقدس طوی جوتیاں سڑک پر چھوڑ دیں اور
پیر دیر دو سال کے بعد جب کمبل کا کرتا اتارا تو دوبارا انھیں پہنا۔ بہرحال آگے
بڑھے کہ جب ہم حضرت قبلہ کے مکان پر پہونچے تو دیکھا کہ مزدور حسین خانہ کی
تعمیر کر رہے ہیں۔ ہمنے اپنا بیش بہا جبہ مزدوروں کو دے ڈالا اور خود اینٹ
گارا مزدوروں کے ساتھ اٹھانے لگے۔ جب کچھ سامان تعمیر جمع ہو لیا اور ہم
ساتویں اینٹ جما رہے تھے۔ انہماک میں پتہ بھی نہ چلا۔ حضرت قبلہ نہ معلوم
کب سے تشریف لا کر سب حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ساتویں اینٹ جمائے پر
حضرت کی آواز سنائی دی کہ شاباش۔ حضرت امیر خسرو ترک اللہ نے
بھی حضرت سلطان جی کے مکان کی تعمیر میں ایسا ہی حصہ لیا تھا پلٹ کر
دیکھا حضرت اپنے دست مبارک میں لوٹا پانی سے بھرا ہوا لئے ہوئے تھے
تعمیل ارشاد کرنی پڑی۔ حضرت نے خود ہمارے ہاتھ پیر اپنے دست مبارک
سے دھلائے۔ پھر کمرۂ خاص میں لے جا کر کامل تخلیہ میں پوری شدت و
طاقت سے توجہ اتحادی باطنی دی اس کے بعد ظاہری دسترخوان پر جو پہلے
سے تیار کیا تھا خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا دوسرے روز لقب

خسرو شاہ او خلافت و اجازت بیعت بسلسلۂ چشتیہ نظامیہ و قادریہ مرحمت ہوئی اور اس موقع پر حضرت والد ماجد قبلہ علی اللہ مقامہ سے حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ قبلہ صاحب آپ کے صاحبزادے نے ہماری تیس سالہ کی پونجی ایک ہی نشست میں لے لی اور کھا گئے۔ والد ماجد نے جواباً کہا کہ حضرت یہ آپ کا دیدنی شیدائی، اور عاشق صادق بھی تو ہے۔

توسن اے نفس لعین یہ پرانی باتیں اس لئے یاد دلا رہا ہوں کہ تو ان مرحلوں سے گزر چکا ہے۔ اب سفر حجاز میں ہر منزل حجاز جو ایک منزل سلوک ہو گی تو ایسے ہی مالک کی مجھ سے توقع رکھ کہ میں کوئی کسر تیری ذلت اور اذیت دہی کی انشاء اللہ اٹھا نہیں رکھوں گا یہ طول طویل سرزنش سنکر نظر باطن سے دیکھا تو توسن پڑے ہوئے ہیں اور نظاہر ایسے گربہ مسکین معلوم ہوتے ہیں جیسے مردہ ہیں۔ دم ہی باقی نہیں رہا۔ ہاتھ تیرے کی۔ کیا حیثیت کیا ہے۔ یہ بھی مالک کا ایک فضل خاص تھا کہ اس نے معرکۂ جنگ داخلی اس خوش اسلوبی سے ختم فرما دیا۔

مجسم فضل رحمانی

میں تو اپنے ہر ذرہ وجود پر فضل خداوندی کو محیط الکل پاتا ہوں۔ میرے ارحم الراحمین نے

بے حد و بے شمار فضل مجھے مرحمت فرمائے مگر اس کا سب سے بڑا فضل خاص تو مجھے عطا ہوا وہ حسان الہند حکیم الشعراء سعدی ثانی حضرت امجد صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق اور ربط مودت ہے پایاں ہے۔ آج سے کوئی تقریباً چودہ سال قبل جبکہ میں دہلی شریف ذوق شریف پر اشتہ حضرت والد ماجد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ درگاہ معلیٰ حضرت سلطان جی میں گزارنے گیا ہوا تھا۔ حضرت قطب وقت والد ماجد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بخود ارشاد فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں امجد صاحب نامی ایک اجل مغتنم ہستی ہے۔ وہاں کے جتنے مشائخ موجود ہیں یہ ان سب سے زیادہ افضل ہیں۔ دربار دُربار حضرت رسالت پناہی میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے تم ان سے ملکر تعلقات بڑھاؤ اور میری جانب سے سورۂ فاتحہ یا موکل کا عمل بھی ان کو تحفہ دیدینا۔ میں حضرت امجد صاحب کو غائبانہ سالہا سال سے جانتا تھا اور ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان جہاں اردو زبان سمجھی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو امجد صاحب کو ان کے مقبول خاص و عام کلام کی وجہ سے نہ جانتا ہو حضرت سعدی صاحب کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی زندگی میں ان کا کلام تمام دیار و

اعتبارات میں قبول ہو گیا اور امجد صاحب کو بھی اللہ تعالےٰ نے یہ فضل مرحمت فرمایا ہے کہ "ہرچہ از دل آید بر دل نشیند" ان کا کلام انکی زندگی میں بیحد مقبول ہو چکا ہے۔ بہرحال چونکہ میں از حد دیرآشنا انسان ہوں اور اسکی کچھ وجہ زندگی کے از حد تلخ تجربات بھی ہیں جن لوگوں پر میں نے انتہائی اعتماد کیا وقت آنے پر ان ہی لوگوں نے انتہائی نقصان پہونچایا بہرحال میرا حلقۂ احباب بہت ہی محدود۔ صرف میرے ہم مذاق لوگوں تک جو گنے چنے ہوئے ہیں منحصر ہے۔

خوش اقبال نظامی

میرے حلقۂ احباب میں سے برادر طریقت محمد یوسف صاحب خوش اقبال نظامی میرے پچیس سالہ رفیق، ہمدم قدیم، ہمنوالہ وہم پیالہ۔ میرے دکھ سکھ کے شریک ہیں۔ ایک زمانہ میں جبکہ بعض حضرات نے جن کو وافی مالی امداد اپنی سادگی وغلطی سے حاجت مند اور کثیر العیال سمجھ کر دیجاتی تھی اور حقیقت حال ظاہر ہو جانے کے بعد امداد بند کر دیگئی۔ ہماری ممکنہ مخالفت وایذارسانی پر کمر بستہ ہو کر ایک جتھا ہمارے خلاف تیار کر لیا اور وہی منافقین جو چھ سات سال تک ہماری تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے طرح طرح کی



حج کو جاتے ہوے جو تصویر لیگئی تھی

اہتمام تراشی کرکے انکی تشہیر کرنے لگے کہ الحق دیلوا دوالا بیتلی سی جسکے سر غنہ اور سربرآوردہ اصحاب نہایت قلیل عرصہ میں حد درجہ عبرتناک موت کی آغوش میں جاسوئے اور بعض تائب ہو کر پیچھے معافی خواہ ہوئے اس زمانہ میں خوش اقبال صاحب نے پورا حق رفاقت ادا کیا اور آجتک انکی یہ وضعداریاں قائم ہیں کہ میرے تمام امور خانگی از حد ناکل وہی انتظام کرتے ہیں۔ تمام دعوتوں کا اہتمام ان ہی کے سپرد رہتا ہے جس کو وہ از حد خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ تقریباً روزانہ مغرب کے قریب وہ میرے گھر آجاتے ہیں اور رات کو دس گیارہ بجے واپس جاتے ہیں میرے بچے ان سے ایسے مانوس ہیں جیسے وہ ان کے حقیقی چچا ہیں۔ سچ ہے روحانی محبت کا رشتہ بعض اوقات حقیقی رشتوں سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے بہرحال ذکر اس کا تھا کہ ہمارے بھائی خوش اقبال صاحب تقریباً نصف شہر سے زیادہ اشخاص سے ذاتی واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ جہاں گشت ٹھہرے ہم نے ان کو دہلی سے واپس آکر حضرت امجد صاحب سے ملاقات کروانے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ ایک دن عصر کے وقت اس آفتاب خلوص کو ہمارے یہاں لے آئے پھر کیا تھا اسکے بعد سے "او من شدم من او شدم"

بڑی زبردست مجالس قوالی دھوم دھام سے ہا نہ منعقد ہوتی تھیں جس میں امجد صاحب کی شرکت اشد ضروری ہوتی اور صرف امجد صاحب کا کلام قوالی میں گایا جاتا۔ رابطہ رات دن قوی ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ عالم ہو گیا اکثر عصر کے بعد مخصوص احباب کی مجلس میں ہم کہدیتے کہ اب تھوڑی دیر میں حضرت امجد صاحب تشریف لانے والے ہیں اس لئے کہ ہم نے ان کو کشش کیا ہے واقعی یہی ہوتا کہ پندرہ بیس منٹ میں حضرت امجد صاحب پسینے میں شرابور بیکل لئے ہوئے تشریف لاتے کہ واہ حضرت دیوان کی دیوڑھی تک چلا گیا تھا آپ کے کشش کرنے اور یاد کرنے پر واپس آنا پڑا۔

از ربط الفت وارد طپیدن ـــــ سمجھا دل او ایجا دل من

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت امجد صاحب نے جو رباعیات کے سلسلہ شہنشاہ میں یہ رباعی لکھکر دی ہے

خسرو پہ ہے مہرباں لطف امجد
امجد پہ ہے مہرباں بجد خسرو
اک ہے محبوب اک محب محبوب
خسرو سلطان جی ہیں امجد خسرو

حالانکہ حضرت امجد صاحب کا حلقۂ احباب ازحد وسیع ہے بڑی بڑی شخصیتیں حیدرآباد کی ان کو سرآنکھوں پر واقعی معنوں پر بٹھلاتی ہیں اور ازحد بزرگداشت کرتی ہیں۔ مگر انھوں نے سالہا سال سے اپنی یہ وضع قائم کرلی ہے کہ عیدین کی نماز وہ ہمیشہ ہمارے ہمراہ پڑھتے ہیں۔ بعتیک ہم شاہ گنج میں تھے وہاں بھی یہی معمول رہا۔ رحمت باغ کا چھاگوڑہ آجانے کے بعد حالانکہ بہت بعد مسافت ہوگئی ہے۔ تقریباً چار۔ پانچ میل سے وہ نماز عید ادا کرنے برابر تشریف لاتے ہیں اور میری حد تک میری عید کی خوشی کو دوبالا کرجاتے ہیں۔ الاستقامت فوق الکرامت۔

۲۳ رشوال المکرم ۱۳۸۷ھ یوم یکشنبہ ہماری روانگی حیدرآباد دکن سے والدہ ماجدہ کو ہمراہ لیکر مقرر ہوچکی تھی۔ مولوی حبیب اللہ صاحب ایک حیدرآبادی مشہور نعت خواں ہیں۔ اکثر ریڈیو پر جمعہ کے دن ان کا پروگرام ہوا کرتا ہے۔ آواز میں قدرتی درد۔ سوز و گداز ہے۔ ہم نے سوچا کہ ہجرت جانے سے قبل حبیب اللہ صاحب کی نعت حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا کو سنوادیں اس لئے ۱۹ رشوال یوم پنجشنبہ کو ہم نے اقربا ء کو خیریت آباد والدہ ماجدہ کی جائے قیام پر دعوت میلاد شریف دیدی

چنانچہ اُس روز اپنی ڈیوڑھیات ۔ ۔ رک کی ڈیوٹی بجا لا کر ہم خیریت آباد جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت امجد صاحب چلتے ہوئے نظر آئے آواز دینے سے پہلے بہت تیزی سے سیکل دوڑاتے ہوئے چل دیئے جب ہم خیریت آباد پہونچے تو دیکھا کہ حضرت سلامت از سرتا پا پسینہ میں شرابور دروازہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ واقعی ان کی صریح کرامت تھی اس لئے کہ اس سے قبل کبھی وہ خیریت آباد کے مکان پر تشریف نہیں لائے تھے اور اگر کسی شخص کو وضاحت سے پتہ نہ بتلا دیا جائے تو ہرگز ہرگز اس گنجان گلی در گلی مکان تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت سلامت موجود خیر اندیش لیگئے۔ بجلی کے پنکھے کے نیچے بٹھلایا۔ معلوم ہوا کہ ہم کو تلاش کرتے پہلے دواخانہ کاچی گوڑہ سرکار عالی گئے وہاں سے رحمت باغ ہوتے ہوئے سیدھے خیریت آباد کو آرہے ہیں اور یہ تمام دادو دوڑ اس کے لئے کہ آج ہی بعد نماز صبح ایک عجیب و غریب استغفار ملا ہے اس کو دینا تھا۔ ہم نے فوراً اپنی نوٹ بک میں ان ہی کے قلم سے لکھوا لیا وہ یہ ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِہٖ مِنْ

كُلِّ ذَنْبٍ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ۔

پھر روانگی کے دن ۲۴ شوال یوم یکشنبہ کو یہ رباعی تازہ بہ تازہ عطا کی ہے۔

رُباعی

ساقی ترے در پہ تشنہ کام آتا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آتا ہے
خسرو پہ بھی اک چشم کرم ہو جائے
قدموں میں ترے تیرا غلام آتا ہے

بہرحال یہ ارمغان بفضل ربانی کی مجسم مورتی میرے مالک نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں۔

دعوتوں کا سلسلہ

ہم نے صرف اس مصلحت سے کہ عام مرضا پر ہماری روانگی حج کی اطلاع سے بڑا اثر ہوگا حتی الوسع اپنی روانگی کی خبر مشتہر نہ ہونے دی مگر مخصوص احباب کو اچھی طرح علم تھا۔ ان میں سے میرے محسن عالیجناب نواب قطب اللہ خاں صاحب نے بہت اصرار سے دعوت فرمایا۔ نواب صاحب ایک قدیم معزز و مفتخر خاندان امراء کے چشم و چراغ اور سادات گرامی قدر رفاعیہ میں سے ہیں۔ خود

نہایت ذی علم صاحب تصانیف متعددہ اور خلوص و محبت کی بولتی تصویر ہیں۔ سوائے درمے۔ قدمے۔ سخنے ہر وقت و ہر لحظہ جس شخص کا کام ان سے نکل سکتا ہو ان کو کوئی دریغ نہیں۔ چوبیس گھنٹے میں شاید بارہ گھنٹے سے زاید نواب صاحب کے لوگوں کی کاربراری کے لئے سفارش خواہوں کو ہمراہ لئے پھرنے میں گزر جاتے ہیں میں نے تمام زندگی لوجہ اللہ خلق اللہ کی کاربراری میں اس درجہ مستعدی و انہماک سے مصروف طبقۂ امرا میں سے کوئی انسان کامل درحقیقت نہیں دیکھا۔ کسی وقت کوئی شخص ان کے پاس چلا جائے فوراً اس کا کام نکالنے ہمراہ چلنے تیار و مستعد باوجود دولت و ثروت اور امارت و علم و فضل کے مزاج میں بیحد انکسار سادات گرامی قدر کے ایثار کاملہ کے جو حالات کتابوں میں پڑھتے تھے نواب صاحب کو اس کی عملی تصویر پایا۔ ایک خاص مقام باطنی پر فائز اور خدمت خلق اللہ کے لئے مامور ہیں مگر اپنے مقام باطنی سے خود بےخبر ہیں۔ یہ بھی ایک خاص شان ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے اپنے مکتوبات شریف میں ایسے مقام اور ایسے لوگوں کی صراحت فرمائی ہے کہ وہ خود اپنے مقام سے بے خبر رہتے ہیں اور تمام عمر اسی مرتبہ کے

خدمت خلق اللہ کے تمام کام سرانجام دیتے رہتے ہیں اس عالم سے رخصت کے وقت ان کو اپنے مقام رفیع کی خبر ملجاتی اور اطلاع دیدی جاتی ہے۔ بہرحال ہمارا مشاہدہ تو یہی ہے کہ نواب قطب اللہ خان صاحب مقام کے اعتبار سے کسی قطب الٰہی سے کم نہیں ہیں اور واقعی اسم بامسمیٰ ہیں اس تحریر کے وقت میں حرم محترم میں بیٹھا ہوا ہوں اور سامنے ھدیً للعلمین خانہ کعبہ نظر آرہا ہے اس مقدس اور محترم مقام پر یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میرا قلم کسی خلاف واقعہ مبالغہ سے خدانخواستہ ملوث ہوسکے۔ اللہ تعالےٰ اس سے محفوظ رکھے حتی الوسع کمال دیانت سے میرے حد علم تک جو صحیح واقعات ہیں وہ قلمبند کئے جارہے ہیں تاکہ یہ سفرنامہ ان اہم شخصیتوں سے مزین رہے۔ میری ذات کی حد تک میں نواب صاحب کا ازحد ممنون احسان ہوں میری ترقی کے معاملہ میں نواب صاحب نے کوئی دقیقہ دو اودوش۔ کوشش و سعی ممکنہ کا اٹھا نہیں رکھا تھا۔ خداوند تعالیٰ ان کو ترقی معانی کونین مرحمت فرمائے

میری اکمزوریوں میں ایک خاص الخاص کمزوری یہ بھی ہے کہ میں دعوتوں سے ازحد چور ہوں۔ صدہا دعوتوں میں سے صرف ایک آدھ ایسی دعوت میں شامل ہوجاتا ہوں جہاں کامل خلوص و مودت کا رشتہ ہو اور ہر طرح کے

شتباہ سے کھانا پینا مُتزیر ہو۔ مجھ سے بہت لوگوں نے اس بات کی سخت شکایت کی کہ آپ دعوتوں میں نہیں جاتے۔ دعوت قبول کرنا تو سنت ہے میں نے کہا کہ بھائی یہ باتیں مولوی حضرات سے کہو۔ وہ تو ان میں سے چار نکاح اور قبول دعوت کی سنت کے بڑے شوقین ہوا کرتے ہیں۔ مانا کہ قبول دعوت مسنون ہے مگر اس زمانہ میں جبکہ رزق حلال اور صدق مقال عنقا صفت ہو رہے ہیں۔ اس لئے اپنی شاقہ محنت سے ذکر و فکر کی چکی پیسکر جو آٹا جمع کیا ہے اسکو لقمہ حرام کھا کر برباد کرنا نہیں چاہتے۔ بحمد اللہ ہمارے سلسلۂ نظامی خسروی میں اتنے اشخاص ہم سے دست بیع ہیں دیگر سلسلہ والے صرف صوبۂ اودھ میں اتنی زیادہ کثیر تعداد میں بحمد اللہ ہمارے مریدوں کا سلسلہ گونڈا۔ اترولہ۔ ریاست بلرام پور سے لیکر سرحد نیپال تک پھیلا ہوا ہے صرف اس ایک علاقہ میں بیس ہزار سے زاید ہمارے مرید ہیں۔ اگر ہم پیشہ ور پیروں کی طرح سالانہ صرف ایک ایک روپیہ ہر مرید سے نذرانہ لیا کریں تو ایک ہی علاقہ سے سالانہ صرف بیس ہزار روپیہ آمدنی ہو سکتی ہے۔ مگر ہم نے اپنے بزرگوں کی روش کے خلاف اگر کوئی مرید ہم کو نذر دیتا بھی ہے تو ہم فوراً واپس کر دیتے ہیں



نواب قطب اللہ خان صاحب جاگیردار

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ نذرانہ مانگتے نہ تھے مگر کوئی خود بخود دے تو
لے لیتے تھے۔ ہم نے اس زمانہ کی حالت کا اندازہ کرکے جبکہ بیشمار لوگوں نے اس کو
آسان ترین پیشہ سمجھکر پیری مریدی کے نذرانوں پر گزر بسر شروع کردی ہے
نذرانے واپس کردینے کا طریقہ اختیار کیا ہے اور بحمداللہ حلال طبیب پیشہ
طبابت سے ہم کو بافراغت اللہ تعالےٰ اتنی روزی مرحمت فرما دیتا ہے کہ
با عزت طور پر دس کو کھلا کر کھا رہے ہیں تو حضرت سلامت ہم آج کل جو لیتے ہو تو
جو للاکثر حکم الکل۔ مال حرام و مشتبہ کی ہوا کثرت ہے اس احترازی اولیٰ
سمجھتے ہیں۔ ذکر اس کا تھا کہ ہماری روانگی سے دو روز قبل نواب قطب اللہ خان صاحب
نے باصرار تمام بعد نماز مغرب دعوت پر یاد فرمایا۔ خاندان سادات کے گھرانے
کی دعوت بسرو چشم قبول کی گئی اور نواب صاحب کے دولت خانہ واقع
دار الشفاء ہم گئے۔ نواب صاحب نے بہت سے معززین۔ حکام اور احباب خاص
کو اس موقع پر مدعو فرمایا تھا اور حد درجہ سیرچشمی سے نہایت پرتکلف اہتمام
فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہم نے باوجود علالت کی
ناتوانی کے نواب صاحب کے لئے دوران قیام مکہ معظمہ میں حسب وعدہ عمرہ
اور سعی کی۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔

سلیم صدیقی صاحب

اور بھی کئی اشخاص و احباب نے دعو فرمانا چاہا مگر ہم نے عذر کر دیا البتہ عینؒ و نگی کے

... بتاریخ ۲۳ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ روز یوم یکشنبہ صبح کو ہم حسبِ وعدہ اپنے

عزیز انشاء مخلص سلیم صدیقی صاحب اسلکپٹر (مجسمہ ساز) ارٹسٹ پروفیسر

آرٹس کالج کے گھر گئے۔ رحمت باغ کاچی گوڑہ مستقل طور پر مکان خرید کر کے

منتقل ہونے کے بعد سلیم صدیقی صاحب جیسی نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کے فضل نے

ہم کو مرحمت فرمائی۔ اگر کوئی ہر جہتی اعتبار سے صحیح معنوں میں جوان صالح کو

دیکھنا چاہے تو وہ سلیم صدیقی صاحب کو دیکھ لے۔ حد درجہ پابند صوم و صلوٰۃ

خدمت خلق کا ایسا صحیح جذبہ جو درویشی کی سچی روحِ رواں ہے۔ صدیقی ہیں

ہر سانس خلوص و محبت، سچائی و صداقت کی فضا میں لیتے ہیں۔ ہم جیسا

دیر آشنا جو اپنے دل کے قریب بہت کم کسی کو آنے دیتا ہے۔ جتیٰ کہ حقیقی

اولاد کا بھی وہاں کم گزر ہے سلیم صدیقی صاحب کی بے لوث خدمات مخلصانہ

محبت والہانہ نے زبردستی ہمارے دل کے بہت ہی قریب اپنا مضبوط قلعہ

بنا لیا ہے۔ ہم کو اور ہمارے دل کو ان سے اتنا ربط قریب ہو گیا ہے کہ ہم

اپنی حقیقی اولاد سے کسی طرح ان کو کم نہیں سمجھتے اور صمیم قلب سے ان کے لئے

ہر قسم کی ترقیات کی دعا کرتے رہتے ہیں اُدْعُوْنِیٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یہ وعدہ الٰہی ہے جب کبھی قبولیت دعا کا اس عالم ظاہری نا سوتی میں وقت آئیگا انشا اللہ ضرور اس کا ظہور ہو کر رہے گا۔ ہم حسب وعدہ سلیم صدیقی صاحب کے گھر بخیر پہنچ گئے دیکھا کہ ماشاء اللہ کام میں منہمک ہیں اور ہماری بڑی بر قی تاریخ کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ان کارنامہ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ ہم بھی مثل اپنی اولاد و ذریت کے سمجھتے ہیں۔ صدورجہ سلیقہ شعار۔ نیک کردار۔ صابرا ور شاکر سلیم صدیقی کی اہلیہ ہیں۔ چھوٹا سا گھر سلیقہ اور پاکیزگی کی وجہ سے اچھی جنت نظر آتا ہے۔ ہم کو شیر قورمہ پلایا۔ چائے وغیرہ پیکر امام ضامن باندھکر اور پھولوں کے ہار پہنکر گھر واپس آئے۔ سلیم صدیقی صاحب نے اپنی آگے کی ڈیوٹی دریافت کی۔ کہدیا کہ اسباب جو سفر حج میں ساتھ جانے کیلئے تیار کیا ہے شام کو ہمراہ لیکر اسٹیشن آجائیے۔ یہ آپ کی خاص ڈیوٹی ہے۔

سامان سفر

اہلیہ نے جمعہ کے دن ہمارا تمام سامان جو ہمراہ جانے والا تھا مکمل اور تیار کر دیا۔ ایک اوسط اور ایک چھوٹا چمڑے کا سوٹ کیس جس میں چھ جوڑے کرتے پاجامے۔ دو جوڑے رنگین میل خورے جہاز کے لئے۔ ایک اٹاچی کیس جس میں کچھ ضروری

ادویات - ڈائری - فونٹن پن - ایک قینچی - ایک چاقو - ایک بجلی کا
مختصر سا ٹارچ - کنگھا - آئینہ - نوٹ بک وغیرہ ضروری اشیا تھیں -
ایک کیانویس کا تھیلہ یعنے گنڈ بیاگ - اس میں چترالی گرم عبا - تولیے
جلد دور نگہ معظمہ میں از حد کام آنے والی چیز مچھر دانی تھی - ایک مو ہلدا
جس میں ایک کریم نگر کا بنا ہوا سیاہ کمبل - دو رنگین سوتی چادر - ایک اونی
بڑی جائے نماز اور تکئے تھے باقی ایک ٹوکری جس میں اچار - چٹنی
ضروری ادویات تھیں - ایک لوٹا ایک جست کی پانی کی کُپی - یہ تھی تمام
کائنات ہمارے سامان سفر حجاز کی - اس سفر میں بجز ضروری اشیا کے
جو ناگزیر ہوں بے ضرورت سامان لے جانا بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سفر

"ہر منزلِ حجاز ہے اک منزلِ سلوک" (حضرت امجد اعلی اللہ مقامہٗ)

منزلِ اوّل از حیدرآباد دہلی

۲۳ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۵ آبان ۱۳۵۶ف یوم یکشنبہ اپنا مکمل سامان سفر محب صادق سلیم صدیقی صاحب کے سپرد کر کے ہم بال بچوں سمیت حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا کے ہمارے قیام خیریت آباد چلے گئے۔ بارہ بجے دن کو یتیم خانہ انیس الغربا کے یتیمی ادارہ کی روح رواں خواجہ بدرالدین صاحب کے ہم لوگوں کو رخصت کرنے ایک موٹر لاری میں معہ بینڈ کے پہونچے۔ اور ہمارے قیام سے فاصلہ پر لاری روک کر بینڈ بجاتے ہوئے ہمارے قیام پر آ کر دیر تک بینڈ نوازی کے بعد سلامی دی یتیموں کے ہمراہ ہمارے اخی روحی و قلبی حضرت امجد صاحب بھی تشریف لے آئے اور دعاء رخصت دلی رباعی مرحمت فرمائی۔

رباعی

ساقی ترے در پہ تشنہ کام آتا ہے ٭ ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آتا ہے

خسرو پہ بھی اک چشم کرم ہو جائے ٭ قدموں میں ترے ترا غلام آتا ہے

اللہ اللہ ٹوٹے ہوئے دل والے دوسرے مصرعہ پر جو واقعی ہمارے حسب حال تھا۔ ایسا تواجد ہم پہونچا کہ سبحان اللہ۔ دیر تک رقت طاری اور شدت سے اشکباری رہی۔ سلامی کے بعد نفیس الحسینی انیس العزبا نے میلاد شریف پڑھا۔ آثار مبارک کے حجرہ میں سلام پڑھنے کے بعد وہ لوگ رخصت ہوئے

حضرۃ والدہ ماجدہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جا رہی ہیں۔ اللہ اکبر، حضرۃ کی یہ ہجرت صحیح معنوں میں ہجرت اور ترک وتجرید کی بےمثال صورت ہے۔ عموماً ان حالات میں لوگ ہجرت کرتے ہیں کہ تمام اقربا ر انتقال کر جاتے ہیں۔ کوئی نام لیوا پانی دیوا نہیں ہوتا۔ اس لئے آخری وقت حرمین شریفین میں گزارنے چلے جایا کرتے ہیں ماشاء اللہ ہم چار بھائی اور تین بہنیں سب خدا کے فضل وکرم سے خوشحال اور اپنے اپنے گھروں میں آباد وشاد ہیں۔ اگر راحت

[illegible]

ساقی ترے آتش کدہ سے آیا ہے
[illegible] دل کا [illegible]

حسن و [illegible] کی [illegible]
[illegible] ترا اعلام [illegible]

از حضرت امجد

و آرام اِس ضعیفی میں جب کہ سنِ شریف ستر سال سے کم نہ ہوگا۔ اور
کمال ضعف و نخافت طاری ہے مطلوب ہوتا تو کسی صاحبزادے
یا صاحبزادی کے پاس قیام فرما ہو جاتیں۔ سر آنکھوں پر فلاح دارین
سمجھ کر خدمت ممکنہ کرتے ہوئے کمال راحت و آرام سے رکھا جاتا
مگر حضرت والدہ ماجدہ قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے جس کو
اب تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوتا ہے حضرتہ کا شدید تقاضا یہی تھا
کہ کسی طرح ان کو مدینۃ النبی۔ دیار حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں
پہونچا دیا جائے۔ جنگ کی وجہ سے حجاج کا جہاز جانا تقریباً بند
ہو گیا تھا۔ سال گذشتہ سے پھر آمد و رفت شروع ہوئی ہے۔
مَلِکُ الحِجَاز وَ النَّجد سلطان ابن سعود جس وقت حضرت والد ماجد
صاحب قبلہ تشریف لیگئے تھے تو ان سے رجوع ہو چکے تھے۔ اور
نہایت ہی پابندی سے ہر سال ایک سالہ مکمل ادویات دہلی والد
ماجد صاحب قبلہ کے یہاں سے منگواتے رہتے تھے۔ حضرت کے
وصال کے بعد چونکہ برادر معظم حکیم عبدالغفار صاحب انصاری
ساکن لاہور حضرت کے ہمراہ سفر حجاز میں تھے۔ اِس لئے ان سے

سلطان سے ربط قائم ہوگیا اور اب تک ملک صاحب برادر معظم کے یہاں سے اپنی ادویات نہایت پابندی سے منگوایا کرتے ہیں۔ بھائی صاحب قبلہ نے اس سال ملک الحجاز سے والدہ ماجدہ کی ہجرت کرکے قیام مدینہ منورہ کی بذریعہ ٹیلیگرام خصوصی اجازت حاصل کی تھی۔ ہماری تینوں بہنیں حیدرآباد ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں سے منجھلی اور چھوٹی دونوں حاملہ اور اسی علیل تھیں کہ حالت سقیم تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ شاید جانبر نہ ہو سکیں۔ مگر یہ تمام امور دنیوی والدہ ماجدہ کے عزم ہجرت میں ذرہ برابر بھی سدّ راہ نہیں ہوئے۔ حضرتہ کے ہمراہ ان کی ایک منہ بولی بہن بسم اللہ بیگم صاحبہ بھی ہجرت فرما رہی ہیں۔ جن کو ہم لوگ خالہ پکارتے ہیں بہت عالی خاندان سادات گھرانے میں سے ہیں اور ماشاء اللہ کنبہ بھرا پُرا ہوا ہے۔ کئی صاحبزادیاں اور متعدد نواسیں ہیں اور صاحبزادیوں کی شادیاں بہت اعلیٰ زمینداروں کے خاندان میں ہوئی ہیں۔ خلافت کمیٹی کے زمانہ میں شریک میدان جہاد میں نکل آئیں اور ایسی قومی و ملکی خدمات تمام

طول وعرض ہندوستان کا دورہ کرکے بجالائیں کہ بڑے بڑے
مشاہیر رہنمایان قوم وملت نے بے اختیار تحسین وآفرین کی۔
صحاح ستہ۔ احادیث شریف حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ
سے حاصل کیں۔ حد درجہ روشن دل۔ ذاکر۔ شاغل اور قلب سلیم
رکھتی ہیں۔ ہم مذاقی کی وجہ سے محض لوجہ اللہ والدہ ماجدہ سے ربط
محبت وخلوص قلبی ایسا ہو گیا کہ کئی سال سے انہوں نے اپنے تمام
اقرباء۔ بال بچوں اور کنبہ کو قطعی چھوڑ کر والدہ ماجدہ کی رفاقت قبول
کرلی اور بحمد للہ دونوں پاک دل۔ پاک روح۔ پاک باطن۔
بیبیوں میں ایسا رابطہ روحانی با ہمدگر ہو گیا کہ ایک جان دو قالب
صحیح معنوں میں کہا جا سکتا ہے۔ اس خود غرضی غلبۂ دنیوی کے زمانہ
میں جب کہ تعلقات کی بنیاد اکثر دنیا کے عارضی فوائد ہوا کرتے ہیں
ایسے اتحاد روحانی کی مثال بہت ہی شاذ و نادر ہے۔

بہر حال ذکر اس کا تھا کہ باپ کا سایۂ رحمت تو پانچ سال ہوا کہ
ہم لوگوں کے سر سے اٹھ چکا تھا۔ اب والدہ ماجدہ بھی ہجرت کرکے
مدینہ پاک جا رہی تھیں۔ بیٹوں کی بیقراری۔ گریہ وزاری اور اضطراب کا

کیا حال بیان کیا جائے۔ سامان بھی درست کیا جا رہا ہے۔ ساون بھادوں کی جھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ دہلی کی ٹرین شام کو سات بجکر بیس منٹ پر جاتی ہے۔ اسی عالم میں اسٹیشن جانے کا وقت قریب آگیا ہر طرف ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ بارے دل کڑا کر کے کسی طرح والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ کو موٹر میں سوار کیا گیا۔ موٹر میں بیٹھے اور سب کو اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ خَیْرُ الْحَافِظِیْنَ کے سپرد کر کے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ باواز بلند پڑھتے ہوئے اسٹیشن چل دیے۔ باوجودیکہ ہم نے نہ تو اخبار میں اپنے جانیکی کوئی اطلاع شائع ہونے دی تھی۔ نہ دور دراز رہنے والے احباب کو کوئی خبر کر سکے تھے۔ مگر ایک کثیر مجمع مخلص حضرات کا رخصت کرنے جمع تھا۔ اتنے زیادہ امام ضامن باندھے گئے کہ داہنا ہاتھ ہلانا مشکل تھا۔ اور اتنے زیادہ پھول کے ہار پہنائے گئے کہ کئی بار اُتار نیکے باوجود گردن کی جنبش مشکل تھی۔ باوجودیکہ پندرہ روز قبل سے زنانے اور مردانے میں سیٹیں ریزرو کروائی گئیں تھیں۔ اور

درمیان میں برابر ریلوے اسٹاف کے ملازمتیوں کو تاکید کی جاتی رہی مگر زنانہ درجہ میں جو صرف چار سیٹ کا تھا چھ مستورات اور دو وفا دمائیں بھر دی گئیں۔ آج کل ریلوے کی حالت ایسی ہی ابتر ہو رہی ہے اور سفر چاہے فرسٹ اور سکنڈ کلاس کا کیوں نہ ہو بہت ہی صبر آزما اور تکلیف دہ ہو گیا ہے۔

ٹرین وقت پر آئی اور سلیم صدیقی صاحب نے جو ملازمین کے ہمراہ ہمارا سامان اپنی تحویل میں لے آئے تھے مردانہ سکنڈ کلاس میں رکھوا دیا گیا۔ زنانہ سکنڈ میں مسز کرمانی اور اُن کی ایک اور ساتھی کوئی محترمہ ہر دو جدید فیشن کے دلدادہ بے پردہ اور بے قید ہ قسم کی تھیں زنانہ درجہ میں سامان زیادہ دیکھکر مسز کرمانی بہت خفا ہونے لگیں ہم نے ان کو بہ سہولت ٹھنڈا کیا اور سامان کا زیادہ حصہ اپنے درجہ میں لے لیا۔ اِس صبر و تحمل کو دیکھکر حضور تو خدا کے فضل سے دو ہر دو ایسی مطیع ہوئیں کہ تمام راستہ انہوں نے والدہ ماجدہ کی از حد نہ صرف خاطر و مدارات کی بلکہ ممکنہ خدمت اس طرح کرتی رہیں جیسے کہ کوئی سعادت مند بیٹی اپنی ماں کی خدمت کرے۔ واہ سبحان اللہ

"پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے"

اب ایک خاص لطیفہ سنئے۔ ہمارے درجہ میں حیدر آباد دکن کے ایک بڑے بھاری پیر و مرشد صاحب قبلہ بھی اپنے صاحبزادے اور بہو کو جونا گیور جارہے تھے رخصت کرنے سکندر آباد تک کے لئے سوار ہوئے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بہ صحرا رفت ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

یہ فیل پیکر۔ تو دہ لحمی پیر و مرشد اور ہم دونوں استاد بھائی ہیں جس زمانہ میں ہم حضرت مولانا نذیر حسن صاحب قبلہ محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی کامل کے نصاب کی آخری کتابیں پڑھ رہے تھے تو حضرت سلامتہ نے ابتدائی صرف و نحو شروع کی تھی۔ جسم کی غیر معمولی فربہی کے ساتھ عقل و ادراک بھی واجبی ہی واجبی تھا۔ حضرت استاد محترم مرحوم ازحد مغلوب الغیظ اور نازک دماغ تھے۔ پیر و مرشد صاحب سے صرف کے صیغے دریافت فرماتے۔ جب ان کے بغلیں جھانکنے پر حضرت کو طیش آنے لگتا تو ہم حضرت کے آنکھوں کی معذوری سے

فائدہ اٹھا کر فوراً کاغذ پر جواب لکھکر پیرو مرشد صاحب کو دیدیتے اور وہ سنا کر اپنی جان بچا لیتے۔ تمام ہندوستان میں یہ حد درجہ قابل اصلاح طریقہ مروج ہو چکا ہے کہ جن درگاہوں کے متعلق منقول جائدادیں ہوا کرتی ہیں گویا وہاں پیری مریدی بھی قطعی میراث پدری ہو کر رہجاتی ہیں۔ حالانکہ تمام طرق تصوف میں اجازت بیعت وخلافت ہرگز ہرگز میراث پدری نہ کبھی تھی نہ ہوسکتی ہے۔ جو شخص منزل سلوک کو طے کرلیتا تھا اس کو اجازت و خلافت مرحمت ہوا کرتی ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں دیکھئے حضرت خواجہ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز ہند الولی واتا عطائے رسول معین الدین چشتی حسن سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالانکہ متعدد صلبی اولاد تھی مگر اجازت وخلافت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو عطا ہوئی۔ اسی طرح حضرت قطب صاحب کی اولاد موجود ہوتے ہوئے خلافت حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کو مرحمت ہوئی۔ حضرت بابا صاحب کی اولاد موجود ہوتے ہوئے

خلافت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی
کو ملی۔ بہر حال سلسلہ رشد و ہدایت اور منصب عالی خلافت تصوف
ہرگز ہرگز بغیر طے سلوک و اجازت حصول بیعت میراث پدری نہیں
ہو سکتی۔ مگر ہمارے وطن حیدرآباد دکن میں ایک نہیں متعدد ایسے
پیرومرشد حضرات موجود ہیں انکے والد بہت ہی کمسنی میں فوت ہو گئے
اور انہوں نے نہ تو کسی مسلمہ شیخ طریقت سے خود بیعت کر کے سلوک
طے کیا نہ اجازت و خلافت حاصل کی۔ اور جوان ہوتے ہی جھٹ پٹ
مسند پیرومرشدی پر بیٹھکر لوگوں سے بیعت بھی لینے لگے۔ اور گھڑے
گھڑائے شاہ صاحب بادشاہ حضرت و پیرومرشد خود بخود بن بیٹھے

"او خویشتن گم است کرا رہبری کند"

اب بھولے بھالے خوش عقیدہ مریدوں کے نذرانہ اور آبا و اجداد
کی معقول جائداد پر دوکان مرشدی خوب چمک رہی ہے۔ ایک
بادشاہ صاحب سے جو بڑے کلاں پیرومرشد ہیں کسی نے ادباً
دریافت کیا کہ حضرت کو بیعت لینے کی اجازت کس کی طرف سے
ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے والد ماجد مرحوم نے جو میری کمسنی میں

فوت ہو گئے تھے۔ مجھے خواب میں اویسیہ طریقہ پر بیعت لینے کی اجازت
دے دی ہے۔ سبحان اللہ سلف سے خلف تک کہیں کسی شیخ نے
خواب کی اجازت پر سلسلہ جاری نہ کیا ہوگا۔ بہرحال تذکرہ اس بات
کا تھا کہ وہ ہمارے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی فیل پیکر اُستاد
بھائی صاحب جب سے قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّۃِ پیرو مرشد
بن بیٹھے ہیں انہوں نے بمصلحت ہم سے تناسائی رکھنا بھی کبھی
پسند و گوارہ نہ فرمایا۔ شاید اِس لئے کہ یہ رازورونِ پردہ سے آگاہ
اور پھر رندانہ ست منہ پھٹ ہے کہیں خلوت یا جلوت میں کوئی بات
ایسی نہ کہدے کہ دوکان پھیکی پڑ جائے۔ حالانکہ یہ ان کا خیال
غلط ہے۔ ہم کو کسی کے کاروبار سے کیا سروکار۔ چو احمق در
جہاں باقیست مفلس کس نمی ماند۔ زنا اور لا مذہبیت کے رجحانات
جو جدید نسل میں ایسے ہی مذہبی ٹھیکہ داروں کی بداعمالیوں سے
ترقی کر رہے ہیں تو ان کو کافی سبق پڑھا دیں گے۔

پیرو مرشد قبلہ کو اول تو اس بات پر بہت ہی تاؤ آیا اور چہرہ
سُرخ ہو گیا کہ ہر طرح کی عزت افزائی یہ تو صرف مرشدوں کا حق ہے

ایک حکیم کے لئے اتنے لوگ کیوں جمع ہوئے ہیں اور اتنے پھولوں کے ہار کیوں پہنائے جا رہے ہیں۔ مگر پیر و مرشد برجانِ درویش۔ خود ہی پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ ٹرین چلی۔ نمازِ مغرب کا وقت ہو گیا تھا حضرت پیر صاحب نے شاید روحانی طور پر حرمین شریفین میں جا کر نمازِ مغرب ادا کی ہو گی۔ مگر ہم ظاہر بیں لوگوں کو وہ نمازِ مغرب ادا کرتے مطلق نظر نہیں آئے۔ برادرم خوش اقبال صاحب سکندر آباد تک ہم کو پہونچانے آئے تھے اور وہاں بھی چند مخلصین عازمِ سفرِ حجاز کو رخصت کرنے پھولوں کے ہار لے آئے تھے۔ گیارہ بجے رات کو جب ٹرین قاضی پیٹھ پہونچی۔ برادرِ محترم سمیع اللہ شاہ صاحب ناظم تعمیرات جو ہمارے پھوپی زاد بھائی ہیں والدہ ماجدہ کو رخصت کرنے آئے ہوئے تھے۔ ہمارے مردانہ سکنڈ کا یہ حال تھا کہ صرف فلور پر پانچ آدمیوں کے بستر لگے ہوئے تھے۔ پیر و مرشد کے صاحبزادے صاحب اور اُن کے دو پوتے پوتیاں جو سب کے سب شاید فقیر و درویشی خاندان ہونے کی وجہ سے اشرفیوں کے بٹن لگائے ہوئے تھے۔ بیٹیوں پر درانہ تھے۔ جوں توں کر کے

ہم قاضی پیٹھ پر اترے۔ اور بھائی صاحب قبلہ کو لیجا کر والدہ ماجدہ سے دُور سے ملا دیا۔ پھر یہ کہہ کر جلد رخصت کر دیا کہ زیادہ ٹھیرنا بے سود ہے۔ زنانہ درجہ میں مرشد صاحب کی بہو ان کی منہ دکھا دائیں اور دوسری عورتیں بھری ہوئی ہیں۔ بات چیت نہیں ہو سکتی۔ بھائی صاحب کے تشریف لے جانیکے بعد ہم نے بارہ بجے رات کو تھوڑی سی غذا کھائی۔ بانو نے بنظر احتیاط ہمارے ہمراہ گھر سے کچھ ناشتہ کا بندوبست کر دیا تھا۔ ورنہ اگر زنانہ ڈبہ سے غذا کا انحصار ہوتا تو فاقہ کرنا پڑتا۔ کیونکہ ہماری مجھر کم پیر صاحب کی بہو اس ڈبہ میں کیا سفر فرما رہی تھیں کہ گویا پوری ٹرین پر ان ہی لوگوں کی حکومت تھی۔ باہر کئی راسخ الاعتقاد مرید پہرہ دیتے تھے اور کوئی زنانہ درجہ کے قریب پھٹک نہیں سکتا تھا۔ ریلوے نے جہاں اتنی خرابیاں لٹا کر کوئلہ پر اس زمانہ میں مہر لگائی ہیں وہاں اس کی حد درجہ تکلیف دہ مثال غسل خانہ میں تاریکی رکھنا اور روشنی بنظر کفایت غائب کر دینا ہے۔ یہ عمل مسافروں کے لئے از حد اذیت و تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

صبح ٹرین جب وارد ہا پہونچی تو ہم نے زنانہ ڈبے میں والدہ ماجدہ

کے لئے وضو کا تازہ پانی بھروا دیا۔ ناگپور پیر مرشد زادہ صاحب معہ اپنے زنانہ اور نصف درجن بچوں کے اتر گئے۔ ہم نے دوپہر کو ریلوے سفری ہوٹل سے کھانا منگوایا از حد ناقص اور خراب کھانا تھا۔ روٹی جلی ہوئی۔ سالن نہایت برے اور بقدر اشک بلبل۔ دام معقول سے بھی بہت زائد۔ اس لئے ہم نے اپنے لئے تو رات کے کھانے کا یہ بندوبست کیا کہ ہوٹل والے سے چار توس مکھن انڈے کا آملیٹ اور چائے منگوالی اور والدہ ماجدہ کے لئے تار دلوا کر اٹارسی جنکشن پر مسلم ہوٹل سے عمدہ کھانا منگوالیا تھا۔ دوسرے روز صبح سویرے جب ٹرین آگرہ پہونچی تو مسیح اللہ خالہ صاحبہ کی ایک ہمشیرہ اُن سے تقریباً بیس سال بعد ملنے تشریف لائیں والدہ ماجدہ کے اصرار پر وہ دہلی جانے ہمراہ ہو گئیں۔ ٹرین چل چھوٹ گئی تھی۔ اس لئے ہم نے متھرا جنکشن پر گارڈ کو بلا کر صورت حال بیان کی اور ٹکٹ دہلی تک بنانے کہدیا۔ اس نے ثرارتاً ڈبل چارج کرکے دہلی تک کے ساڑھے سترہ روپیہ وصول کرکے ٹکٹ بنایا۔ آجکل ریلوے والے تو خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں

اور مارشل لا کے اقتدارات گورنمنٹ نے گویا اون کو دے رکھی ہیں۔ نہ قاعدہ نہ قانون جو اُن کی مرضی میں آئے کر گذرتے ہیں۔

۲۵ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ بروز شنبہ کی دہلی اسٹیشن پر جب ٹرین پہونچی تو بڑی حد تک یقین تھا کہ معظم الاخوان حکیم عبدالحی صاحب انصاری بڑے بھائی صاحب قبلہ ضرور ہی دہلی پر والدہ ماجدہ کو لینے تشریف لائیں گے۔ مگر وہ وہاں نہیں ملے سمجھا گیا کہ ضرور بالضرور دہلی جنکشن بڑے اسٹیشن پر تشریف لائے ہوں گے۔ مگر جب ٹرین بڑے اسٹیشن پر پہونچی تو وہ وہاں بھی موجود نہ تھے۔ سناٹا آگیا مستورات کا ساتھ، سامان کا انبار، اور ہم اکیلے۔ ہم نے طے کر لیا کہ سامان تو اللہ توکل پر قلیوں کے سپرد کر دیں۔ اور مستورات کو اپنے ہمراہ لے کے اسٹیشن کے باہر آکر بھائی صاحب کو ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع دیں۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ والدہ ماجدہ ضعیفہ۔ سیڑھیاں چڑھ کر اور پل عبور کر کے باہر آنے تک نکان سے شل ہو گئیں اور نیم غشی کی حالت طاری ہونے لگی مجبوراً ہم نے فرش زمین پر اپنا حیدرآبادی رومال بچھا کر ان کو ایک گوشہ میں بٹھلا دیا

اور خود ٹیلیفون کرنے انکواٹری آفس گئے۔ اللہ اکبر ایک سے ایک بڑا چڑیا فرعون بے سامان وہاں موجود تھا۔ منت سماجت اور بہت ہی دشواری سے نصف گھنٹہ کے بعد ٹیلیفون کرنے کی اجازت ملی۔ ابھی سلسلہ قائم بھی نہ ہوا تھا کہ بڑے بھائی صاحب قبلہ آتے ہوئے نظر آئے۔ ہم لپک کر پہونچے۔ معلوم ہوا کہ ان کو کسی ریلوے والے نے کہدیا تھا کہ ٹرین دو گھنٹہ لیٹ ہے۔ حالانکہ ٹرین بالکل ٹھیک وقت پر آئی۔ پہلے وہ باطمینان ٹرین لیٹ ہونے کے خیال سے دیر سے نئی دہلی اسٹیشن گئے تھے۔ جب وہاں معلوم ہوا کہ ٹرین دیر ہوچکی دہلی جنگشن جاچکی ہے تو وہاں سے وہ بہت عجلت میں مارا مار جنگشن آسکے۔ بہرحال کافی پریشانی اور حیرانی کے بعد راحت میسر ہوئی اور ہم والدہ ماجدہ کو لیکر طیبہ منزل کناٹ پیالیس نئی دہلی جائے قیام پر موٹر میں آگئے۔ اور اس طرح منزل اول حجاز حیدرآباد تا دہلی بحمد للہ اتمام کو پہونچی۔

دہلی کی مصروفیات | جائے قیام طیبہ منزل پہونچکر غسل وغیرہ سے

فارغ ہوکر پہلا کام یہ کیا گیا کہ حضرت قبلہ مرشدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی کو ٹیلیفون کر کے ملاقات کا وقت معین کیا گیا۔ حضرت نے اول تو مغرب کے بعد کا وقت مرحمت فرمایا پھر ٹیلیفون کے ذریعہ اسکو منسوخ کر کے دوسرے روز ۲۶ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ چہارشنبہ کو گیارہ بجے دن کا وقت عنایت کیا۔ چنانچہ ہم وقت معینہ پر حضرت کے یہاں پہونچ گئے۔ زیندہ منزل میں شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ پھر حضرت ہم کو ہمراہ لیکر رضا مند ہیا ہال میں تشریف لیگئے۔ کام مسلسل جاری تھا۔ تعویذ لینے والوں۔ ملاقاتیوں۔ سفارشی لوگوں کا ہجوم تھا۔ ان سب سے نپٹتے جاتے تھے اور روزنامچہ وغیرہ بھی تحریر کروا تے جا رہے تھے۔ حضرت نے اپنی نبض دکھلا کر نسخہ تجویز کروایا۔ پھر عبداللہ سلیمان وزیر مملکت حجاز کے نام تعارفی رقعہ مرحمت فرمایا جس میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

نعمان الملک حکیم نابینا صاحب مرحوم کے فرزند حکیم خسرو شاہ نظامی حیدرآباد دکن میں میرے خلیفہ ہیں اور اعلحضرت حضور نظام کے محلات کے معالج ہیں۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ حج کیلئے آرہے ہیں۔ انکی والدہ صاحبہ ہجرت کی نیت سے تشریف لیجارہی ہیں۔ چونکہ حکیم خسرو شاہ نظامی بڑے

حاذق اور ماہر طبیب ہیں اور اپنے والد کی خاص دوائیں جانتے ہیں۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ آپ ان کے کمالات طبی سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور اس سفر میں ان کے لیے اور ان کی والدہ کے لئے راحت اور آسایش کا ایسا انتظام کردیا جائیگا جس کی مجھے آپ سے توقع ہے۔"

اس کے بعد ہم نے درگاہ معلیٰ حضرت سلطان السلاطین سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی میں حاضری دی۔ پھر حضرت قبلہ کے ہمراہ دوپہر کا کھانا کھا کر جائے قیام کو واپس آگئے۔ معلوم ہوا کہ لاہور جانے کیلئے ۲۸ شوال شب شنبہ کو جتیس فرانٹیر میل میں رزرو کردیگئی ہیں۔

آجکل نواب صاحب چھتاری سر سعید الملک صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی رؤسا کی کانفرنس میں شامل ہونے دلی آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے پرنل مددگار سلمان حسین صاحب کے ذریعہ ۲۷ شوال کو شام کا وقت مقرر کرو لیا۔ اور نظام پیالیس جا کر صدر اعظم بہادر سے شرف ملاقات حاصل کرکے اپنا عزم سفر حج بیان کرنے پر انہوں نے کمال تلطف سے فرمایا کہ۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی سے لیجائے اور سلامتی سے واپس لائے۔"

میرے لئے بھی دُعا کیجئے۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ اس لئے ہم ظاہری اسباب کے طور پر تھوڑی بہت سعی وہ بھی اہل و عیال کے لئے طوعاً و کرہاً دنیوی امور میں کر لیتے ہیں ورنہ ہمارا بھروسہ مسبب الاسباب پر ہے۔

منزل دوم سفر حجاز

از دہلی تا لاہور

تقریباً پندرہ روز پہلے سے زنانہ اور مردانہ سکنڈ میں لاہور کیلئے سیٹیں رزرو کروائی گئی تھیں۔ ہم لوگ جمعہ کا دن گذار کر شنبہ کی رات کو نو بجے دہلی جنکشن پہونچ گئے۔ حکیم عبدالحی صاحب بڑے بھائی صاحب قبلہ بہت پہلے سے سامان لیکر آگئے تھے۔ اور سامان ڈبوں میں رکھدیا گیا تھا۔ خدا کے فضل سے بہت اچھی سیٹیں میسر ہوئی ہیں۔ اس طرف طوفانی بارش کی وجہ سے ریلوے لائن خراب ہو کر اکثر میل ٹرینیں وقت سے دس بارہ گھنٹے لیٹ ہو کر چل رہی تھیں۔ مگر فرانٹیر میل اس دن ٹھیک اپنے وقت پر آیا۔ اور وقت پر دہلی سے لاہور روانہ ہو گیا۔ فرانٹیر میل کی رفتار کا کیا کہنا۔ اڑا چلا جا رہا تھا۔ دوسرے دن ۲۹ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء گیارہ بجے دن کے قریب لاہور پہونچ گئے

حکیم عبدالقادر صاحب مجھلے بھائی صاحب قبلہ اسٹیشن پر کئی موٹریں لیکر آئے ہوئے تھے سب لوگ ان کی جائے قیام نیلا گنبد انارکلی پہونچے معلوم ہوا کہ مجھلے ماموں صاحب قبلہ جو وطن یوسف پور سے لاہور والدہ ماجدہ کو رخصت کرنے آئے ہوئے تھے سخت علیل او زور دگردہ کی شدت سے فریش ہیں۔ تمام گھر میں سخت پریشانی و ہراسانی پھیلی ہوئی تھی۔ مجھلی بھابی صاحبہ محل برادر معظم حکیم عبدالقادر صاحب والدہ ماجدہ کی خدمت کے خیال سے ہم لوگوں کے ہمراہ حجاز جا رہی تھیں وہ شدید کشمکش میں مبتلا تھیں۔ ایک طرف شوہر اور خوشدامن صاحبہ کی خدمات کا خیال دوسری طرف بزرگ و محترم باپ سخت علیل و فریش۔ مگر اس امتحان میں ان کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے سفر حجاز کا عزم مصمم کر لیا۔ دوسرے روز اتوار کے دن ۷ راکتوبر کو مجھلے بھائی صاحب سامان کا اکثر حصہ اپنے ہمراہ لیکر کراچی تشریف لیگئے تاکہ وہاں جہاز وغیرہ میں نشست کا بندوبست کر کے تار کے ذریعہ لاہور مطلع کرنے پر ہم لوگ کراچی جا سکیں۔ شب شنبہ کو ان کا تار ملا کہ ۱۲ راکتوبر تک کراچی پہونچ جانا چاہیئے دہلی میں ہماری علالت کی بسم اللہ شروع ہو گئی تھی۔ ہم نے مدت العمر کبھی بناسپتی گھی استعمال نہیں کیا ہے۔ دہلی میں وہ استعمال میں آیا۔ شدید نزلہ کی تحریک

شروع ہوگئی۔ لاہور آنے کے بعد نزلہ میں شدت ہوگئی۔ یکایک غسل کی ضرورت
ہوگئی۔ تقریباً پندرہ سولہ سال کے بعد مجبوراً سرد پانی سے دو بجے رات کو مجھے
غسل کرلیا تاکہ تہجد ناغہ نہ ہو۔ پانی اس لئے گرم نہیں کروایا کہ تمام گھر کیا بچے بچے
ماموں صاحب قبلہ کی علالت سے سخت پریشان و ہراساں ہیں ایسے حالات
میں اپنے لئے کیوں زحمت دیجائے۔ سرد پانی سے پچھلی رات کو غسل کا نتیجہ ظاہر
ہوا کہ سینہ جکڑ گیا اور سخت بخار آگیا۔ ماء العسل اور جوشاندے کے استعمال سے
ان عوارضات میں قدرے تخفیف ہوئی۔ لاہور سے ۱۱ اکتوبر بروز پنجشنبہ روانگی
مقرر ہوگئی۔ اور کراچی میں سیٹیں مخصوص کرالی گئیں۔ والدہ ماجدہ و ہمشیرہ صاحبہ
اور ہمارا پاسپورٹ بھی حیدرآباد سے آگیا۔ ہمارے پاس حالت احرام میں وضو
کیلئے کوئی اونی چیز نہیں تھی۔ لاہور انارکلی میں سترہ روپیہ کو نہایت عمدہ اونی
بستر رنگ وحصہ کنٹرول نرخ پر مل گیا۔

تیسری منزل لاہور تا کراچی

یوم پنجشنبہ ۴ ذیقعدہ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو صبح ناشتہ کے بعد
والدہ ماجدہ کو پہلے درگاہ معلی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر فاتحہ کیلئے

لے گئے۔ سبحان اللہ عجب بارگاہ عالی ہے کہ فیضان لا متناہی کا طوفانی دریا موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس وجود ذی جود کے متعلق حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز سید اولی داتا خطاب رسول ارشاد فرماتے ہیں۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ان کے مرتبہ علیا کا اندازہ ہم خاک نشین پستیوں میں پڑے ہوئے بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ یہاں سے محروم کون جا سکتا ہے۔ ہمارے کاسہ گدائی میں بھی گنج بخش کے فیضان عالی کا کافی سے زیادہ بڑا ٹکڑا آپڑ گیا۔ الحمد للہ بخیریت دہلی سے سیدھے لاہور اسٹیشن پہنچے۔ کراچی میل پر اس قدر ہجوم خلائق تھا کہ معاذ اللہ کہ چند قدم آدمیوں اور سامان کی کثرت سے چلنا دشوار تھا حالانکہ کئی دن پہلے سے سیٹیں مخصوص کرائی گئی تھیں۔ اور منجھلے بھائی صاحب حکیم عبید اللہ ور صاحب کا ریلوے اسٹاف اپنے آپ کو ممنون کرم بتلاتا ہے سالہا سال سے مفت قیمتی ادویات کھا رہا ہے۔ مگر ستار عیوب قاضی الحاجات روپیہ کیسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے تعلقات، مروت، سب بالائے طاق ہو جاتے ہیں۔ کسی دہلی والے تاجر صدر بازار نے معقول رشوت دے کر جو ڈبہ

زنانہ کیلئے رزرو کرایا گیا تھا اپنے لئے حاصل کرلیا اور ہمارے زنانہ کو چار سیٹ کا ایسا ڈبہ دیا گیا جس میں دو سیٹ نیچے اور دو اوپر کی تھیں۔ اور اس میں دو انگریز عورتیں ہمسفر تھیں جن کے ہمراہ بقول جیسی روح و یسے فرشتے انکے ہم جنس دو کتے بھی ہمسفر تھے۔ ہر چند برادر معظم حکیم عبدالحی صاحب نے باصرار تمام ریلوے اسٹاف سے کہا سنا کہ گورنمنٹ نے خاص اعلان کے ذریعہ حاجیوں کو ہر طرح کی سہولت ریلوے میں بہم پہونچانے کی تاکید کی ہے۔ زنانے درجہ میں صرف دو سیٹیں نیچے کی ہیں جن پر انگریز عورتیں قابض ہیں۔ ہمارے ہمراہ دو مُسن نحیف و کمزور مستورات ہیں جو کسی طرح اوپر کی سیٹ پر چڑھ نہیں سکتی ہیں مگر توبہ کیجئے۔ فرعون بے سامان کی طرح بپھر کر اور طوطے کی طرح آنکھیں بدلکر ریلوے والے صاحب جن کو نیاز مندی کا دعویٰ تھا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر آپ کا زنانہ اوپر کی سیٹ پر نہیں جا سکتا تو اتر آئیے۔ بسفر مت کیجئے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ آخر منت سماجت سے انگریز عورتوں ہی کا دل پسیجا اور انہوں نے کہا کہ ہم ایک نیچے ایک اوپر کی سیٹ لے لیں گے۔ آپ کے دو ضعیف مستورات صرف ایک نیچے کی سیٹ پر گذر کریں۔ پھر درویش برجانِ درویش۔ ہم کو تو مقررہ تاریخ تک کراچی پہونچنا اشد ضروری تھا۔

ورنہ جہاز چھوٹ جاتا اور سفرِ حجاز سے محروم ہونا پڑتا۔

زنانے کا حال آپ نے سن لیا۔ مردانہ میں ایک سیٹ نیچے کی اور ایک اوپر کی ملی غنیمت سمجھا گیا۔ گیارہ بجے دن کو کراچی میل لاہور سے روانہ ہو گیا اور فراٹے بھرنے لگا۔ اس کی رفتار فرانٹیر یعنی سرحدی میل سے بھی زیادہ ہے۔ راستہ میں سوائے باریک ریت، شدید گرد و غبار کے کوئی سرسبزی نظر نہیں آتی۔ دوپہر کو ٹرین ملتان پہونچی۔ یہاں کے متعلق کسی نے کہا ہے ؎

چار چیز است تحفۂ ملتان
گرد و گرما گدا و گورستان

گرد و غبار لاہور کے بعد سے ہی اس شدت سے ٹرین پر محیط تھا کہ الامان والحفیظ۔ گرما کا موسم نہ تھا اس لئے اس کا تجربہ نہ ہو سکا۔ اب رہ گیا گدا تو حضرت واقعی ٹرین ملتان اسٹیشن پر پہونچتے ہی ایک گداگر عورت نے اس لیٹیرین سے ہمارا تعاقب کیا کہ کچھ دے دلا کر ہی پنڈ چھڑا سکے۔ ملتان کے اسٹیشن کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ فیروزی انامل یا کاشی کاری کے نہایت نفیس کام کے ٹائل جس کے لئے ملتان مشہور ہے اسٹیشن پر لگے ہوئے ہیں اس سے قبل تقریباً سولہ سترہ سال پہلے ایک بار دو دن کیلئے حضرت والد

ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہم ملتان ایک مریض کے معائنہ کیلئے آچکے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کی روح پر فتوح پر فاتحہ گذرانے کا شرف حاصل کیا گیا۔ شام کو بعد عصر ٹرین جب بہاولپور اسٹیشن پر پہونچی تو زبان رات نے چپکے سے سرگوشی میں ارشاد فرمایا کہ انشاءاللہ تعالیٰ اِس عباسی حکومت میں کبھی بہت ہی اہم کام کے لئے جو عالم اسلام مدینہ طیبہ اور تمہارے اقرباء کیلئے از حد مفید ہوگا۔ تم کو بہاولپور آنے پڑیگا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

اور ایک لطیفہ سنیئے صبح ساڑھے سات بجے ٹرین حیدرآباد سندھ کے اسٹیشن پر پہونچی عجیب بات ہے۔ حیدرآباد دکن سے دہلی کی گرانڈ ٹرنک اکسپرس ساڑھے سات بجے شام کو روانہ ہوتی ہے اور حیدرآباد سندھ پر کراچی میل ساڑھے سات بجے صبح کو پہونچتا ہے۔ دونوں شہروں کے نام بالکل ایک ہیں۔ دونوں بھی اسلامی ریاستوں کے پایۂ تخت ہیں۔ مگر دونوں میں اتنا ہی بڑا تفاوت اور فرق ہے جتنا کہ صبح و شام میں۔ کہاں حیدرآباد دکن کا پرشکوہ عظیم الشان پایۂ تخت اسلامی جس کی شوکت و شان سیاحوں سے خراج تحسین وصول کرتی ہے۔ کہاں حیدرآباد سندھ جو باوجود برقی روشنی کے شاید ہمارے صوبوں کے منفقر سے گیا گذرا ہوا ہے۔ کہاں راجہ بھوج۔ کہاں لنگڑا تیلی۔ ۱۲ر اکتوبر جمعہ کے دن

گیارہ بجے کراچی بخیریت تمام پہونچ گئے۔ اسٹیشن پر حکیم عبدالغفار منجھلے بھائی صاحب ہمارے کراچی کے میزبان سر عبداللہ ہارون کے صاحبزادے یوسف ہارون کی موٹر لئے ہوئے تشریف لائے تھے۔ سر عبداللہ ہارون مرحوم کی کوٹھی پر قیام کیا گیا چونکہ سر عبداللہ والد ماجد قبلہ کے اشد معتقد اور قدیم مخلص دوست تھے۔ اس لئے لیڈی ہارون صاحبہ اور ان کے صاحبزادوں نے ہم لوگوں کی بہت آؤ بھگت کی معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کو جہاز رضوانی پر جگہ ملی ہے جو دوسرے دن ۱۳ ر اکتوبر یوم شنبہ کو جدّہ جا رہا ہے اور ہم لوگوں کو صبح سویرے آٹھ بجے تک بندرگاہ پورٹ پر پہونچ جانا چاہیئے۔ کراچی میں صرف نصف دن اور ایک شب قیام رہا۔ اس لئے وہاں کے کوئی حالات ضبطِ تحریر میں نہیں آ سکتے صرف اتنا دیکھا کہ ہمارے میزبان تباشہ رو تر الکشن کی تیاری میں مجنونانہ جوش و خروش سے ایسے منہمک تھے کہ سر و پا کا ہوش نہ تھا۔

منزل چہارم از کراچی تا جدہ

جہاز رضوانی | اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا فضل یہ بھی ہوا کہ مغل لائن کے فی الحال بہترین جہاز رضوانی پر ہم کو جگہ ملی ۔ ۲۳ر اکتوبر یوم شنبہ صبح سویرے ہم نے نماز از حد خشوع و خضوع سے پڑھائی ۔ ہر دو بڑے بھائی صاحبان مقتدی تھے ۔ یہ نماز گویا خشکی اور ساحل ہندوستان پر ہماری فی الحال آخری نماز تھی ۔ اس کے بعد سے تو جہاز اور بحر حجاز میں نماز ادا ہوگی ۔ نو بجے دن کو پورٹ پر پہونچ گئے ۔ سامان پہلے سے اونٹ گاڑی پر آگیا تھا ۔ کراچی میں ربڑ ٹائیر اونٹ گاڑی کا بہت رواج ہے ۔ اور ایسے ٹھیلا گاڑیوں میں اس قدر زیادہ سامان کا انبار لیکر بے تکان اونٹ کھینچتے ہیں کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے ۔ اتنا زیادہ سامان اتنی آسانی سے کھینچنے کی صرف دو وجوہات ہیں ۔ ایک تو کراچی کی سڑکیں بہترین تارکول کی پختہ بنی ہوئی ہیں دوسرے تمام ٹھیلے ربڑ ٹائر ہوتے ہیں ۔ سامان ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک کپورتھلہ ٹیلرنگ فرم لاہور کی تحویل میں تھا جو برادر محترم حکیم عبدالقادر صاحب کے مخلص دوست اور سفر حجاز میں ساتھی

ہیں۔ پورٹ پر پہونچ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ برادر مکرم سمیع اللہ شاہ صاحب ناظم تعمیرات کے قدیم دوست مسٹر گزدر سابق وزیر سندھ اور صدر مسلم لیگ کے ایما پر حج کمیٹی کراچی اور محافظ حجاج صاحب نے حکیم عبد القادر منجھلے بھائی صاحب قبلہ کو جہاز رضوانی کا امیر الحج مقرر کیا ہے۔ چنانچہ امیر الحج کا بیاج ان کو مل گیا۔ اور انہوں نے بازو پر باندھ لیا۔ جہاز رضوانی پر صرف ایک ہزار حجاج کی گنجائش ہے۔ مگر اس میں پندرہ سو سے زیادہ حاجی روانہ کئے جا رہے ہیں۔ اول مرحلہ بحری چنگی والوں سے سامان کے پاس کرانے کا تھا۔ ہر جگہ کے چنگی والے اپنے سخت برتاؤ اور دار و گیر کے لئے مشہور و معروف ہیں۔ مگر یہ مرحلہ از حد آسانی سے طے ہو گیا۔ لاہور سے کراچی آتے وقت کراچی میل میں ہمارے سکنڈ کلاس میں ایک چنگی کے افسر مسٹر دت صاحب از حد شریف نوجوان ہمسفر تھے۔ انہوں نے ہم لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ پورٹ پر مجھے دریافت کر کے اپنا سامان مجھ سے پاس کروا لیجئے گا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے مسٹر دت کو تکلیف دی۔ اور اس شریف انسان نے چند منٹ میں سرسری طور پر بغیر دیکھے بھالے یا پوچھ گچھ کئے تمام سامان پاس کر دیا۔ ملک الحجاج سلطان ابن سعود کے لئے خاص طور سے بھائی صاحب نے

گورنمنٹ آف انڈیا سے ادویات کا پرمٹ حاصل کرلیا تھا۔ دوسرا مرحلہ ڈاکٹری معائنہ کا تھا بمبئی میں یہ مرحلہ از حد سخت ہوا کرتا ہے اور وہاں کافی دیر میں ڈاکٹر معائنہ کرنے کے علاوہ چیچک کے ٹیکہ کا نشان دیکھتا ہے اور سرٹیفکیٹ کے باوجود ذرا شک ہو جانے پر دوسرا ٹیکہ دیدیا جاتا ہے۔ جو جہاز پر پک کر حجاج کیلئے بڑی اذیت کا باعث ہو جاتا ہے۔ مگر کراچی کے ڈاکٹر نے ہر حاجی کا معائنہ بلا مبالغہ نصف منٹ میں ختم کردیا اور ٹکٹ پر مہر کردی گئی۔

اِس مرحلے کے بعد اختتام پر جہاز میں سوار ہونے کا سب سے زیادہ سخت اور از حد دشوار و کٹھن ایسا مرحلہ ہے کہ بڑے بڑے جی دار لوگوں کے اس موقعہ پر حواس باختہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ صرف ایک زینہ لگایا جاتا ہے اور بے حد تنگ و طویل کٹہرے کے پل صراط سے پندرہ سو حجاج گزرنے کے بعد زینہ سے چڑھکر جہاز میں جاتے ہیں جو ریل پیل۔ دھکم دھکا مشتی۔ نفسا نفسی اس موقعہ پر ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ تصور سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بہر حال جہاز میں سوار ہونے سے قبل باہم رخصتی کا ایک دردناک منظر تھا۔ بڑے بھائی حکیم عبدالحی صاحب قبلہ والدہ ماجدہ سے باچشم گریاں و دل بریاں رخصت ہوئے

دودھ بخشوایا۔ پھر ہم دونوں بھائیوں سے ملے۔ ہم نے عرض کر دیا کہ اگر
ہم سفر حجاز سے واپس نہ آسکے تو خدا را میرے معصوم چھوٹے چھوٹے بچوں کی
تعلیم اور پرورش کا خیال رکھئے گا۔ ان لوگوں کا بظاہر کوئی وسیلہ سوائے
آپ کے نہیں رہے گا۔ جہاز پر چڑھنے کے قریب گئے تو بہت دردناک
منظر دیکھا کہ پولیس افسر غریب حاجیوں کو بلا وجہ و سبب بھی قریب آجانے کے
باوجود جہاز پر چڑھنے دینے کی بجائے درندوں کی طرح پیچھے کی طرف دھکیل
رہے تھے اور بلا وجہ و سبب نہ معلوم کس قصور کی پاداش میں تھوڑی تھوڑی
دیر سے پولیس کو اشارہ کر کے غریب ڈک والے مسافروں پر چھڑیاں برسوا
رہے تھے۔ پولیس افسروں کو یہ جتلانے پر کہ فرسٹ کلاس کے کمزور اور نحیف
مسافر ہیں۔ اگر فوراً راستہ نہ دیا گیا تو بلا وجہ روکنے پر معاملہ افسران اعلیٰ کے
پاس پیش کر دیا جائے گا۔ ہم لوگوں کو فوراً راستہ مل گیا۔ اور ہم ایک بغل میں
والدہ ماجدہ کی تلاوت کا ایک طویل و ضخیم کلام پاک لئے ہوئے دوسرے
بازو سے ضعیف والدہ کو سہارا دیئے ہوئے جہاز پر چڑھ گئے۔ دس اور گیارہ نمبر کا
فرسٹ کلاس کیبن والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ صاحبہ کو ملا تھا۔ منجھلی بھابی
صاحبہ دوسرے کیبن میں ایک فیض آبادی بیگم صاحبہ کے ہمراہ تھیں۔

ڈک کے کچھ حالات ہم نے سفر رنگون کے زمانہ میں بیس سال قبل بچشم خود دیکھے تھے جب کہ ہم کو ایک کروڑپتی بابو ولی محمد نظامی نے دو ماہ کے لئے روزانہ سو روپیہ فیس دے کر رنگون بلوایا تھا۔ کچھ متعدد بار سفرِ حج کئے ہوئے حاجی صاحبان کے زبانی سنتے تھے اور ہمارے عدو مبین دشمن جانی نفس خبیث و لعین نے سب سے زیادہ ڈک کے اذیت دہ سفر سے ڈرایا تھا۔ حتیٰ کہ جان تلف ہونے کا خوف تک دلایا تھا۔ مگر قربان جاؤں میرے ارحم الراحمین کے بے نہایت فضل و عطا کے واقعی اس پر جو کامل و مکمل بھروسہ کر کے مذہب تفویض کاملہ اختیار کر لیتا ہے وہ کبھی کسی حال میں محروم نہیں رہتے۔ ہم کو ڈک پر اتنی اعلیٰ درجہ کی آرام دہ ہوادار جگہ ملی کہ اس سے زیادہ ہر نقطۂ نظر سے بہتر کوئی جگہ ڈک پر مل ہی نہیں سکتی تھی۔ مالک کے فضل نے اس کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ ہمارے ہمسفر ماسٹر محمد رمضان صاحب پورٹ پولیس کے انسپکٹر کے نام ان کے ایک دوست کا رقعہ لاہور سے لائے تھے۔ ان انسپکٹر صاحب نے جو جہاز کے چپہ چپہ سے واقف و آگاہ تھے بہترین حصہ ڈک کا تین آدمیوں کے لئے تجویز کر کے سامان وہاں رکھوا کر اس جگہ ہم لوگوں کے آنے تک پولیس کا تحت پہرہ لگوا دیا کہ کوئی دوسرا مسافر اس حصہ پر قابض نہ ہو سکے۔ وہ جگہ بجد ہوادار ہونے کے علاوہ غسل خانہ، بیت الخلاء،

پاتی کابل، سب چند قدم کے فاصلہ پر تھے۔ اور سب سے زیادہ آرام وہ بات یہ تھی کہ وہ حصہ خاص طور سے روزانہ صبح کے وقت دھویا نہیں جاتا تھا ورنہ اور تمام حصے بالائی ڈیک ہونے کی وجہ سے صبح کی نماز کے فوراً بعد دھوئے جاتے تھے اور حاجیوں کو سامان وغیرہ ہٹانے میں ہر روز کافی سر دردی کرنی پڑتی تھی اس کے علاوہ ہمارے پڑوسی بھی بہت اچھے لوگ تھے۔ ایک طرف پہلو میں چار سیلون کے حاجی مع ایک اُن کے خاص معلم کے تھے۔ سامنے کی جانب چند سرحدی جاگیرداروں کے پٹھان لوگوں نے اپنے کیمپ کارٹ بچھا رکھے تھے اُن میں سے ایک ادھیڑ عمر سکنڈ کلاس سردار اور جاگیردار پٹھان ان لوگوں میں زیادہ شائستہ اور تعلیم یافتہ بھی تھے۔ سرحدی لوگ جیسے آتش مزاج اور سریع الاشتعال ہوتے ہیں۔ دنیا کو معلوم ہے اور حاجیوں کا ذرا ذرا ہی بات پر یہ لوگ سر توڑنے آمادہ ہو جانے تھے۔ مگر ہم لوگوں کے حُسنِ سلوک اور عُمدہ برتاؤ سے یہ حضرات بھی ایک ہی دن میں شیشہ میں اتر گئے اور خوب میل جول ہو گیا۔ شائستہ تعلیم یافتہ پٹھان نے اول ہی دن کمال غیظ و غضب سے پورٹ کے ڈاکٹر اور پولیس والوں کو خوب تیزیاں سنائیں۔ ڈاکٹری معائنہ کے لئے کہا کہ پاجی ڈاکٹر فرسٹ کلاس والوں کی صرف نبض دیکھتا تھا اور ڈیک والوں کا پیٹ کھول کر

کیوں دیکھتا تھا۔ ہمارا پیٹ اُس نے دیکھا تو ہم اُس سے بولا کہ ذرا اور
نیچے کی طرف بھی دیکھو اُدھر بھی دیکھنے کا زبردست چیز ہے۔ ہم نے بہت
نرمی سے سمجھایا کہ خان صاحب اب آپ اور ہم حج کے لئے جا رہے ہیں اور
نصِ قطعی کلام پاک کی ہے کہ لَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ اس لئے
اب فحش باتیں بھول کر بھی ہم کو نہیں کرنا چاہیے اور جتنا موقع مل سکے اور جس
جس طرح بھی ہو ذکر کرنا اور کلام مجید کی تلاوت کرنا چاہیئے۔ بارے
خاں صاحب کی سمجھ میں ہماری بات آگئی۔ اور الحمدللہ انہوں نے اس کے
بعد سے قطعاً کوئی فحش کلامی نہیں کی اور ہماری امامت میں پنجوقتہ جو جماعت
ہوتی تھی اس میں پابندی سے شامل ہوتے رہے اور اکثر اوقات اپنے
کیمپ کارٹ پر تلاوت میں بھی مصروف نظر آتے تھے۔

برکاتِ حج کا ظہورِ اول | برکات حج میں سے جہاز میں سوار ہوتے ہی
پہلی چیز جو ظاہر ہوئی وہ وحدت نام تھی۔ جہاز کے تمام مسافروں کو جہاز کے
ملازم ایک اور صرف ایک ہی نام سے پکارتے تھے اور وہ نام حاجی صاحب
تھا۔ بظاہر یہ بات بہت معمولی اور ایسی معمولی معلوم ہوتی ہے کہ شاید
کوئی اس کی طرف خیال تک نہیں کرتا۔ مگر جب ہم نے جہاز میں ہر سمت اور ہر طرف

ہر مسافر کو ایک ہی نام حاجی صاحب سے موسوم کرتے سنا تو ہم کو وجد طاری ہوگیا۔ سبحان اللہ مذہب توحید کا مل اسلام کے تمام ارکان تعینات وتشخصات کو محو کرکے وحدت اور صرف وحدت ہی باقی رکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا کلمہ ایک۔ کعبہ ایک۔ رسول ایک اور خدا ایک۔

جہازی زندگی کے اور حالات | جہاز کے سب سے اوپر کی منزل عرشہ جہاز پر کپتان کا کیبن ہے اور اسی کے متصل ایک کیبن کسی خصوصی مسافر کو جو بہت معزز ہو دیا جاتا ہے چنانچہ جہاز رضوانی کے اس خصوصی کیبن میں کمشنر صاحب لاہور نواب زادہ سعید اللہ خاں جو سردار امیر ایوب خاں سابق والی افغانستان کے قریبی رشتہ دار ہیں ٹھیرائے گئے تھے۔ وہ بند ڈبوں کا دودھ چونکہ استعمال نہیں کرتے تھے اس لئے اُن کے لئے ایک خاص بربری بکری بھی جہاز میں دودھ کے لئے رکھی گئی تھی۔ برادر معظم حکیم عبدالغفار صاحب انصاری امیر الحج نے کپتان جہاز سے اصرار کرکے عرشہ کا تمام ٹرک حاصل کرکے مسجد بنالیا۔ اور الحمدللہ پنجوقتہ اذاں ہوکر باقاعدہ کثیر جماعت سے عرشہ پر نماز ہوتی رہی۔ عرشہ سے نیچے دو جانب فرسٹ کلاس کے کیبن اور اُس کے متصل تھوڑی نہایت ہوادار جگہ ڈک کے مسافروں کے لئے اور

پھر بیت الخلا، و غسل خانے تھے۔ ڈک کے مسافروں سے پٹی پڑی تھی جس جہاز میں صرف ایک ہزار مسافروں کی گنجائش ہو اور اس میں پندرہ سو سے زیادہ مسافر ٹھونس دیے گئے ہوں تو جو کشمکش اور جگہ کی انتہائی تنگی ہوگی ظاہر ہے۔ گزرگاہیں آنے جانے کے تمام راستے سامان اور انسان سے بھرے ہوئے تھے۔ نہایت دشواری سے نقل و حرکت کی جا سکتی اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ دقت تمام کوئی چل پھر سکتا تھا۔ اور جیسے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ہم تینوں ڈک کے مسافروں کو الحمدللہ کافی ہوادار جگہ مل گئی تھی مگر اور ڈک کے مسافر خصوصاً نیچے کے طبقات تیسری اور چوتھی منزل والے بڑی گھٹن اور تکلیف میں تھے۔

سفر حج کی مشکلات | سفر حج میں مشکلات گویا تزکیہ نفس کے لئے مسہل کا بلکہ قائم مقام ہیں۔ مصائب اور تکالیف کا یہ نشتر نفس میں یا تو فضل رب سے تسلی شکستگی پیدا کر دیتا ہے، ورنہ بصورت دیگر معاذ اللہ نفس پلید کا مار سیاہ زخمی ہو کر اور بے قابو اور سرکش ہو جاتا ہے جو اہل ہمت موفق من اللہ اس راستہ میں نفس کو پوری طرح کچل کر اور مُوا کر دینے میں تو پھر مدت العمر یہ خبیث کبھی دوبارہ سر نہیں اٹھاتا۔ اس کے برعکس جو لوگ

عنان خود کو چھوڑ بیٹھتے اور نفس کو آزاد چھوڑ کر اور سرکشی کرنے دیتے ہیں
حج ہو یا انت سے واپس ہونے بعد لوگ ان کے سخت تشاکی پائے جاتے ہیں
شخص یا نسب اور بجائے حاجی ہونے کے پاجی ہو کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے
فضل و کرم سے تمام عازمین حج کو نفس امارہ کی شرارتوں سے محفوظ اور
اپنے حبیب اکرمؐ کے طفیل اس کی سرکشی سے مامون رکھے۔ آمین۔
ایک نازک اور اہم بات جس سے بالعموم زائرین حج تقریباً غافل اور
اس بارہ میں سخت غیر محتاط نظر آتے ہیں وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا
مسئلہ ہے۔ حج مبرور سے بیشک وہ تمام گناہ صغیرہ وکبیرہ جو حقوق اللہ کے
متعلق سے ہوئے ہوں سب معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر حقوق العباد والامانات
وغیرہ نازک ہے اس کے متعلق تو مصنف تحقیق یہ فرماتا ہے کہ جس کا حق تلف
ہوا ہو جب تک وہ خود معاف نہ کر دے ہرگز حق العباد معاف نہیں ہوتا
اور ہم لوگوں کی غفلت و لاعلمی کا یہ حال ہے کہ روانگی سفر حج سے دوسروں کا
حق غصب کر لینے کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ ریل میں دوسروں کی نہ تو آسائش کا
خیال ہوتا ہے جگہ زیادہ گھیر کر دوسروں کو تکلیف میں ڈالنے کی پرواہ ہوتی۔
اس سے زیادہ خراب مناظر جہازمیں دیکھنے میں آئے ہیں۔ ہمارے جہازمیں

اور مسافروں کی سخت شکایت پر برادر معظم لیبر انچارج صاحب نے خود جاکر معائنہ
کیا کہ بعض سرحدی پٹھانوں نے جن کی تعداد چار پانچ نفر سے زیادہ نہ تھی ۔
چادریں اور کپڑے باندھ کر تقریباً بیس سے زیادہ آدمیوں کی جگہ گھیر لی ہے
اور دوسرے مسافروں کو اس میں آنے نہیں دیتے ۔ ہر چند ان لوگوں کو سمجھایا
گیا کہ جہاز میں مسافر بہت زیادہ ہیں آپ لوگوں نے اتنی زیادہ جگہ گھیر لی ہے
یہ دوسروں کی حق تلفی ہے ۔ مگر پنچوں کی رائے سر پر ۔ پرنالہ وہیں رہیگا ۔ وہ
سرحدی کسی طرح نہ مانے ۔ لڑنے مرنے آمادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم کو
سمندر میں پھینک دو ہم جگہ نہیں دیں گے نعوذ باللہ من شرور انفسنا
ومن سیئات اعمالنا ۔

ایک سرحدی پیر صاحب سرحدیوں کے ایک پیر صاحب بھی جہاز پر تھے ۔
بارہ بجے رات کو چند مشٹنڈے پٹھان پہنچے اور انہوں نے لیبر انچارج صاحب کو
جگا دیا ۔ فرمائش یہ کہ ہمارے پیر صاحب جہاز میں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں ۔
لوگوں اور مسافروں کو ہٹا کر ان کے لئے کافی کشادہ جگہ دی جائے تاکہ اطراف
چادریں باندھ کر حجرہ بنا کر ان کو معتکف کیا جائے اور اس کام کے لئے ہم
جہاز والوں کو ساٹھ روپیہ دیں گے ورنہ دنگا فساد کیا جائیگا لا الہ الا اللہ

بہت کچھ منت و سماجت سے اُن کو رات کو ٹھا لاگیا ۔ صبح پھر مسلط ہو گئے۔ مسلمان نائب کپتان کو سخت طیش آیا اور اس نے کہا کہ یہ لوگ بو لگا و فساد کی دھمکی دیتے ہیں کیا کریں ہم سخت مجبور ہیں کہ یہ لوگ حج کے لیئے جا رہے ہیں ورنہ عام مسافر ہوتے تو ہم بلا تکلف ایسی دھمکی پر اُن کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتے ۔ یہ خود اپنی جگہ خالی کر کے چادریں باندھ کر اپنے پیر صاحب کو اعتکاف میں بٹھائیں ۔ ہم دوسرے مسافر کو اٹھا نہیں سکتے۔ اس فیصلہ پر طوعًا و کرہًا ہر حدی حاجیوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑا ۔ اور چادروں کے احاطہ میں پیر جی صاحب معتکف ہوئے ۔ اب حضرت پیر جی صاحب جو نوجوان تھے کی نے پینے کا حال سنئے ۔ حضرت صاحب ایسا زہد و ہمت ترک حیوانات جلالی و جمالی فرماتے تھے کہ اولین و آخرین میں سے شاید ہی کسی نے نفس امارہ کو مطیع کرنے ایسا ترک و تجرید و تقلیل غذا فرمائی ہو۔ یادگاری چیز ہے ۔ سنئے اور لطف اٹھائیے۔ صبح سویرے نہایت اہتمام سے نصف سیر مغز بادام مقشر علاوہ اور خشک مغزیات کے پیا کر اس کا کئی سیر خالص تین شیرہ نوش جان فرماتے تھے ۔ دوپہر کو ایک درجن گھی سے تر بتر پراٹھے اور مرغ کا نہایت ہی مرغن سالن ۔ غریب مریدوں کی شومئی قسمت کہ انہیں سے کچھ بچا کچا التش یا پس خوردہ ان غریبوں کو نہیں ملتا تھا ۔ بھلا پیروں کے

پس خوردہ روحانیت سے طبیب غذا کو دوسرے کیا سمجھا سکتے
رات کو بھی ایک مرغ مسلم کا قورمہ اور روغنی ایک درجن پر اٹھے
اُٹھ کا اثر تو آیا۔ "پیراں چنیں کنند"۔ اب فرمایے کہ نوجوان تعلیم یافتہ
فرد جو مسموم تعلیم سے متاثر ہو چکا ہے پیشوائی کے مدعی۔ پیر و ن فقیروں کی
ایسی حرکت نفسی معائنہ کرکے اُن کا معتقد ہوگا یا متنفر اور بیزار ہے گا۔ قلت طعام
قلت کلام۔ قلت منام۔ یہ درویشانہ ومقامات سہ گانہ بزرگوں کا دویہ
تھا۔ مگر افسوس کہ آج سے چار سو سال پہلے بھی حق گو نے لکھ دیا تھا کہ۔

سد۔ مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب

اب تو حالت اس سے بدتر ہے اور واقعہ یہی ہے کہ گوشت خوری
اور فراسی گوشت تراشی کی مسلمانی ہم میں رہگئی ہے باقی اللہ اللہ خیر سلا۔
اب تو ایک ہمہ گیر زبردست آتشیں انقلاب ہی عالم اسلام کی کایا پلٹ
کر سکتا ہے ورنہ اس لکڑی کو تو ایسا گھن کھا چکا کہ اور طرح اصلاح
ممکن نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ ایسے ایسے معائب شدیدہ کا مجموعہ
ہو کر رہ گئے ہیں کہ ایک ایک عیب کی پاداش میں اُمم سابقہ حرف غلط کی
طرح سے صفحہ عالم سے محو کر دیگئی تھی۔ مگر چونکہ امت مرحومہ ہیں سے ہیں۔

اور عالمین کی رحمت جد کونین کی روح سرورِ کائنات اَرْوَاحُنَا فِدَاہُ

سے ایک نسبت رکھتے ہیں اس لئے دھیل دی گئی ہے ورنہ

سے "بے حیا زیست سے اچھے جو بھی جاتے ہیں"۔

واقعہ یہ ہے کہ غلامی اور ماندگی، نکبت و ذلت کی زندگی بھی کوئی

زندگی ہے۔

امیر الحج صاحب | ایک لطیفہ اور شیئے چوب نرم را کرم میخورد"

ہمارے بہادر معظم جو امیر الحج ہیں۔ چونکہ از حد نرم مزاج۔ جھگڑے وفساد

سے کوسوں دور بھاگنے والے امن پسند اور ذی مروت انسان ہیں

انتظامی امور میں مروت کا اگر ذرا عمل دخل ہو کر اس کے تلخ نتیجے

ظاہر ہوتے ہیں۔ انتظامی امور تو ذرا سختی اور بے مروتی کے طالب ہوتے

ہیں۔ بہرحال چونکہ ہمارا جہاز [illegible] بیٹھ ہوا تھا۔ افغانی

سلیمانی۔ سرحدی۔ پنجابی۔ سندھی۔ بنگالی سے لیکر روسی۔ چینی۔

ترکستان تک کے حاجی اس میں موجود تھے۔ شرانگیز عناصر نے نرم مزاج

پا کر امیر الحج صاحب کا ناک میں دم کر دیا۔ صبح نماز کے بعد سے لے کر

بارہ بجے شب تک مہلت نہیں لینے دیتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر جا شکایات کا

ایثار لگا رہتے ۔ حصول ثواب کیلئے تمام تراشی تک میں نہیں چوکتے ۔ اور
یہاں تک کہہ ڈالا کہ امیر الحج معطل لائن کا تنخواہ یاب ملازم ہے ۔ ایک
شرافت کا نمونہ دیکھیے اور لطف اٹھائیے ۔ ایک صاحب تشریف لاکر
فرماتے ہیں کہ کیوں جناب امیر الحج صاحب یہ سامنے کی طرف جو وضو کی
اور بیت الخلا کی جگہ بنی ہوئی ہے یہ عورتوں کے لئے ہے یا مردوں کے لئے
کہا گیا کہ جناب وہ مستورات کیلئے مخصوص ہے ۔ فرماتے ہیں کہ پھر آپ کیا
انتظام کرتے ہیں وہاں تو مرد بھی بیٹھکر وضو کر لیتے ہیں ۔ عرض کیا گیا کہ
پھر کیا کیا جائے آپ ہی فرمائیے ۔ ارشاد ہوا کہ نوٹس لکھکر لگا دیجئے
کہ وہ جگہ صرف عورتوں کی ہے مرد وہاں وضو نہ کریں ۔ تو کہا گیا کہ اولاً
یہاں تو سب لوگ پڑھے لکھے نہیں ۔ دوسرے نہایت واضح اور صاف
شرعی ساتر کی عورتوں کی تصویر وہاں بنائی ہوئی ہے اور تصویر دیکھکر
جاہل سے جاہل شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ جگہ مستورات کیلئے ہے ۔ اس پر
جب لوگ نہیں مانتے تو اس کے انتظام کی صرف یہی صورت ہے کہ براہ نوازش
آپ رضاکار ہی کو بیت الخلا پر پہرا دیجئے اور مرد آنے جانے والوں
کو روکئے ۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ مردانہ وضو کے مقام پر مجمع میں بیٹھکر

سندھی لوگ بے تکلف اپنے آپ کو جنگل میں تصور کرتے ہوئے استنجا دھڑکا دیتے ہیں۔ ہر چند باتیں ہائیں کہیں منع کریں۔ سمجھائیں کہ اول تو یہ جگہ وضو کی ہے۔ دوسرے سخت بے حیائی ہے کہ عام مجمع میں ایسا کیا جائے۔ مگر وہ لوگ باز نہیں آتے۔ تو پس کھٹکھٹانے سے کیا نفع ہوگا۔ برادر معظم امیر الحج صاحب نے واقعی صحیح معنوں میں خدمت خلق کا خوب ثواب حاصل کیا اور ہر طرح جہاز رفعوانی کے حاجیوں کی شبانہ روز خدمت ممکنہ کی۔

تعلیم توحید حضرت والدہ ماجدہ کی کیفیات روحانی اور مرتبہ علیا کا کیا بیان کیا جائے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ پچاس سال سے زائد کا عرصہ طویل ہوگیا ان کی نماز تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔ تمام اوقات صبح سے رات تک از حد محو۔ ذکر شغل کے علاوہ تلاوت کلام مجید۔ اور اوراد وظائف میں بیشتر وقت صرف ہوتا ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جو شاید تمام عالم اسلام میں حافظ صحاح ستہ ہونیکی وجہ سے منفرد اور مرتبہ قطبیت پر فائز اور دربار نبوی کے خاص حاضر باشوں میں سے تھے۔ ان کے توجہات روحانی نے حضرت والدہ ماجدہ کے تمام جواہر روحانی کو جگمگا دیا تھا۔ بہرحال تذکرہ اس کا تقاضا ایک دن ہم نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے کیبن سے چند

قدم کے فاصلہ پر ایک کھڑکی ہے۔ جہاز کی تمام مشین نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت نے دیکھا ہم نے عرض کیا کیسی مشین تمام جہاز کو چلارہی ہے کیا خوب ارشاد ہوا کہ دل پر ضرب کی طرح جا لگا۔ اور آنکھیں کھل گئیں کہ مشین کی کیا ہستی ہے۔ ارے میاں تمہارا کیا خیال ہے یاد رکھو کہ اللہ جہاز کو چلا رہا ہے اور ہر چیز اسی کے ید قدرت میں ہے۔" سبحان اللہ کیا اچھی تعلیم توحید ہے۔

آثار و تعینات چوں یافت سکے ٭ کثرت ہمہ وحدت است بے شبہ و شکے

بیشک جن کے رگ و پے میں انفس و آفاق میں اللہ ہی اللہ سمایا ہوا ہو تو عالم اسباب میں کسی سبب ظاہر کو نہیں دیکھتے نہ خیال میں لاتے بس وہی مسبب الاسباب ان کی نظروں میں سمایا ہوا ہوتا ہے۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

ہم جو غدر کے مارے پیر جی گمیار ہے اپنے کو بڑا عالم فاضل ہمہ دان ہزارہا مریدوں کا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ اس نماز تعلیم توحید سے ہماری غفلت ہم پر کھل گئی۔ واقعی مشین یا اس کے بنانیوالے ادنیٰ انسان کی کیا مجال کہ اس بے پایاں سمندر میں جس پر آنا پڑا دس ہزار ٹن کا جہاز ایک ادنیٰ تنکا نظر آتا ہے

بغیر فضل رب کے سلامتی سے کنارے پہونچ سکے۔ اس کا فضل بیڑا پار کرتا ہے۔ اس
تمام کائنات کی مشنری کے تمام کل پرزے صرف اسی ایک مالک کی مرضی
اور قوت و حول سے چل رہے ہیں۔ اور جب تک اس کی مرضی پر چلتے رہیں گے۔

اکڑ فوں جنگ | جہاز کے مسافروں میں چند حضرات جن میں ایک مشہور رئیس
خاں بہادر صاحب کے صاحبزادے اور ان کے اقربا بھی اٹھائی فرسٹ کلاس کے
کیبن انہوں نے کرایہ لئے ہیں کہ تختہ جہاز پر گویا قدم ہی نہیں رکھتے۔ سر پر غرور ہیں اس وجہ
ہوائے نخوت و تکبر سمائی ہوئی ہے کہ ڈک کے مسافروں کو دیکھتے ہی تنفر سے منہ پھیر کر
تیوریاں چڑھ جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو اس درجہ ارفع تصور کئے ہوئے ہیں کہ اگر
بھولے بھٹکے بھی وہ لوگ ہوں کوئی ڈک کا مسافر پہنچ جاتا ہے تو فوراً اعلانیہ
تنفر کا عجیب طرح اظہار کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ [illegible]
یہ جہاز بیت اللہ شریف - مدینہ طیبہ - اور حصول ثواب میں اس درجہ [illegible]
کوشاں ہیں کہ حضرات نے کپتان جہاز سے مل کر پوری سعی کی کہ عرشہ جہاز پر ڈک
پر نماز باجماعت کیلئے تیسرے درجہ کے مسافر آنے پائیں۔ استدلال یہ ہے کہ عرشہ
کا ڈک فرسٹ کلاس والوں کی تفریح کے لئے ہے۔ مگر ایک تو کپتان جہاز باوجود انگریز
ہونے کے گرگ باراں دیدہ اور عرصہ طویل سے حاجیوں ہی کے جہاز پر مامور تھا۔

دوسرے برادرِ معظم حکیم عبدالقادر صاحب امیرالحج نے کپتان کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر آپ نے عرشۂ جہاز پر تیسرے درجہ والوں کی نماز باجماعت کو روکنا چاہا تو اس جہاز میں سندھی افغانی اور سرحدی پٹھان بکثرت ہیں وہ بالکل بے قابو ہو جائیں گے۔ جب یہ کپتان نمازِ جمعہ و نماز باجماعت کو روکنے کی کامیاب نہ ہو سکی تو یہ بات کپتان جہاز سے منوا لی کہ اوقاتِ نماز کے علاوہ تیسرے درجہ والے عرشہ پر ہرگز نہ آئیں نہ وہاں ٹھہر سکیں۔ ان کی ان حرکاتِ مذمومہ کی وجہ سے ایک عام تنفر حاجیوں میں پھیل گیا تھا۔ مقامِ عبرت ہے۔ اسی جہاز رضوانی میں تقریباً بیس بائیس اور فرسٹ کلاس کے مسافر مقابل کے کیبنوں میں مقیم تھے۔ جن میں ایک لاہور کے نواب بہادر بھی تھے۔ مگر خان بہادر زادے دہلوی کے برخلاف وہ لوگ ماشاء اللہ صحیح معنوں میں عازمِ حج و زیارت معلوم ہوتے تھے۔ اُن لوگوں نے اپنی طرف کے فرسٹ کلاس کا کتب خانہ اور تفریح کے کمرہ کا فرنیچر بالکل خالی کروا کے وہاں قرآن مجید کا ختم کروانا شروع کیا۔ اور دس روزہ جہازی مسافرت میں ماشاء اللہ کئی ختم قرآن پاک کے کروائے۔ اور ہر ختم پر دل کھول کر نان قتائی وغیرہ کا تبرک تقسیم کیا۔ سچ ہے ہر جگہ نور و ظلمت اور باہمی اضداد کی جلوہ گری اس لئے نظر آتی ہے کہ یہی راستہ عرفان اتیاز کا ہے اگر بدی نہ ہو تو نیکی کو کون پہچان سکے۔ فرسٹ کلاس کے تمام تر مسافر اسلامی ہوٹل سے کھانا کھاتے ہیں اور خان بہادر زادوں نے انگریزی ہوٹل سے کھانا کھانے کا بندوبست

کیا ہے۔ اور ڈائننگ سیلون میں کانٹے چھری سے مٹن چاپ پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا۔

سفرنامہ ہذا کے ناظرین کو فطرتاً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اس قدر بدبین کیوں واقع ہوا ہے۔ کہ لوگوں کی عیب جوئی اور عیب چینی پر ہر وقت کمربستہ نظر آتا ہے اور ہجو کرنے میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ مگر راقم ہذا اس تحریر کے وقت حرم محترم بیت اللہ شریف میں بیٹھا ہوا ہے اور جو جسم و مکان سے پاک و منزہ ہے اس کا گھر کعبۃ اللہ روبرو اور سامنے ہے۔ اس علیم بذات الصدور دلوں کے تمام رازوں سے آگاہ کو شاہد و گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہرگز ہرگز لوگوں کی عیب جوئی اور بدگوئی اور بیجا ہجو کرنا نہیں ہے محض عبرت بصیرت اور اصلاح کے خیال سے بعض لوگوں کے ساتھ ساتھ یہ چند خارجی مصلحتاً لگا دیئے ہیں۔ تاکہ مغز کے ساتھ چند استخوان بھی رہیں۔ اب جس کا جی چاہے میٹھے کو ہڑپ ہپ کرلے اور کڑوے کو تھو تھو۔ اس سے زیادہ میں اور کوئی صفائی کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس کی ضرورت سمجھتا۔ ہاں اور اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ عبرت ایسے ہی حالات کی ہجو کہنے لگی ہے۔

جو طریقت، شریعت کے نقطۂ نظر سے درحقیقت مذموم ہیں۔ اور ایک بات بھی یہاں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے اشارہ غیبی کے تحت اس سفرنامہ کو لکھنا شروع کیا ہے۔ اور اس میں میرا قلم امور سے آئندہ خاص مقامات کے خاص احوال و کیفیات بحیثیت تحدیث یا نعمت کے طور پر بلا تامل بیان کر دیے گئے ہیں اس کے عام ملاحظہ فرمانے والوں سے میری التماس ہے کہ

اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را

اگر بعض حالات و کیفیات آپ کے فہم مبارک میں نہ آئیں تو خذا ظن المؤمنین خیرا کو کام میں لا کر بدگمانی کے لوث سے اپنے کو محفوظ رکھیے۔ اور مجذوب کی بڑ یا شطحیات پر اس کو محمول فرمائیے۔ جو شرط بلاغ تھی وہ پوری کر دی گئی آئندہ آپ کی مرضی۔

کامران | ہمارا جہاز صفوانی کراچی سے ۶ ذیقعدہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۳ اکتوبر یوم شنبہ دو پہر کو روانہ ہوا تھا۔ اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد روز شنبہ ۲۰ اکتوبر کو پچھلی شب میں جزیرہ کامران کے قریب رک گیا۔ تہجد کے وقت ہم نے غسل کر کے احرام باندھ لیا۔ عجیب و غریب آثار

ظاہر و مشہود ہونے لگے۔ ہم نے عرصہ تک قریباً حجرہ میں بند ہو کر جہاں ہوا اور روشنی کا گذر مطلق نہ تھا شغل میت بس سال تک کیا تھا غسل کے بعد یہ سمجھ کر احرام پوش ہو گئے تھے کہ میت کو کفنا دیا گیا ہے۔ اب اطراف و جوانب سے قطعی بیگانہ ہو جانا چاہیے اور ہو سکے تو وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ۝ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ کی حالت و کیفیت طاری کر لینا چاہیے ورنہ کم از کم ایک لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ تحمل شاد و مدار صبر سے کو کیا مارتے۔ احرام پوشی نے شغل میت کی عادت سے موافقت کر لی بَیْنَ النَّوْمِ وَالْیَقْظَۃِ دو مشاہدات ہوئے اول یہ کہ دیکھا حضرت قطب وقت و الد ماجد قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ عمامہ سر مبارک پر باندھے ہوئے عرشہ جہاز کے بلند ترین مقام پر استادہ ہیں۔ اور اس طرح کھڑے ہوئے ہیں جیسے جہاز کا ناخدا جہاز چلانے کھڑا ہوتا ہے۔ دیر تک ہماری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جب متوجہ ہوئے تو عرض کیا گیا کہ کدھر کا عزم مبارک ہے۔ ارشاد ہوا کہ عبدالسلام کے کام کے لئے مکہ شریف جا رہا ہوں۔ دریافت کیا گیا کہ کیا کام۔ بس مزاج اقدس سخت برہم ہو گیا اور بہت غصہ سے ارشاد ہوا کہ تم کو کوئی

پوچھنے کی نہیں ہے۔ ہم دم بخود ہو گئے۔

پھر ایک اور نظارہ چشم روحانی کے سامنے آیا۔ پوری حالت وکیفیت تو ناقابلِ بیان ہے مگر صرف اتنا ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کی رحمت نے جو گالیاں سن کر دشمنوں کو دعائیں دیتا تھا۔ اس جب کونین کی روح نے اُن پہ جان ودل ہزار بار تصدق ہو جائیں جب پتھروں کی بوچھار کی تو اول پہ جواب میں رحمت بے پایاں کی موسلا دھار بارش کر دی۔ بھلا وہ اپنے پیچھے سب کچھ صحیح معنوں میں قربان کر دینے والوں کو کب محروم کرنے لگے تھے۔ ہم نے بھی تھوڑی سی عمر میں کافی سیاحت کی ہے۔ کلکتہ۔ بمبئی۔ پونہ۔ شولاپور۔ دہلی نہ معلوم کہاں کہاں نہ پہنچے پیشہ طبابت کی وجہ سے ہر طرح ہر قسم ہر مزاج اور ہر طور وطریق کے لوگوں سے ملتے جلتے۔ مگر اس زمانہ میں ہم نے محض اللہ ورسول کی محبت میں باہمی اخلاص کامل سے سچی دلی دوستی اور محبت کا ایسا مضبوط رشتہ قائم کرتے ہوئے جو دوسرے جہاں میں بھی شکستہ نہ ہو سکے کہیں نہیں دیکھا یہ رشتہ ہماری والدہ ماجدہ مدظلہا اور مجاہد فی سبیل اللہ سیدہ وسیم اللہ بیگم صاحبہ کا ہے۔ سیدہ وسیم اللہ بیگم صاحبہ سادات گرامی قدر کا صحیح وسچا نمونہ ہیں۔ ربع صدی بیس سال کے طویل

عرصہ تک انہوں نے سرزمین بہار کو نعرۂ اسلامی سے ہرا بھرا کرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر ڈالا۔ جہان آباد۔ پٹنہ میں انہوں نے تبلیغ اسلامی کے لئے ایک انجمن قائم کرکے ایک دو نہیں ہزارہا خواتین کو اسلامی خدمات کیلئے مستعد و مکمل رضاکار بنا ڈالا۔ ایک ایسا جوش عمل پیدا کر دیا جو صدیوں سے دیکھنے میں نہ آیا تھا نیم مسلمان بہاریوں کے گھروں سے مشرکانہ رسوم مٹا ڈالا۔ بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی عملاً ترویج کی۔ اپنے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہر طرح پوری کرنے میں شدید جفا وخفا برداشت کی۔ گالیاں اور فحش گالیاں سنیں اور گالی دینے والوں کو گلے سے لگا کر رام کر لیا۔ ان کے حالات زندگی جو مسلم خواتین کے لئے اس زمانہ میں واقعی مشعل ہدایت ہیں۔ انشاءاللہ لکھے جائیں گے۔ والدہ ماجدہ سے انہوں نے ایسا رشتہ موافقات باہمی باندھا کہ اب دونوں سگی بہنوں سے زیادہ رابطہ روحانی میں منسلک ہو کر ہجرت مدینہ طیبہ کے لئے ساتھ جا رہی ہیں۔ ذکر اس بات کا تھا کہ ان لوگوں کی حالت جو کہ اس شعر کی مصداق ہے۔

رشتہ ترا سر سے طے کیا ہے ہم نے
سب کچھ تری راہ میں دے دیا ہے ہم نے

بھلا وہ ذرّہ نواز۔ عالمین کی رحمت۔ گنبدِ خضرا کے مکین۔ سرکارِ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار اپنے دربار میں دو سچے دل سے آنے والیوں ایک اپنی جگر گوشہ سیدہ اور دوسری اپنی جاں نثار انصاریہ کو کیسے بے پایاں نوازشات سے نہ نوازتے کیسے فراموش کر دیتے۔ اللہ اکبر نقیب ختم پیغمبر، عاشقانِ نبوی کے امام زبدۂ عشاق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص امور خانگی نبوی اور وفود کی مہمانی و سرکاری کرنے والے جلیل القدر صحابی کو حکم صادر ہوا کہ "ہمارے دونوں مہمانوں کی مہمانی تمہارے سپرد ہے"۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

جس دربارِ رسالت نبی کریم کے مہمانوں کے میزبان حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے جلیل الشان فرد ہوں اُن کی خوش بختی اور خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ یہ دو شاہدات جزیرۂ کامران کے قریب میں جو نصیب ہوئے وہ ہمارے بخت و رسا کی کامرانی کی دلیل واضح و مبرہن ہیں۔

یہ تو داخلی اور روحانی احوال ہوا۔ اب ذرا عالم ناسوت ظاہری کی طرف آئیے۔ دن نکلا۔ سورج چمکا تو جہاز بھی کھسکا اور سرکتا ہوا ساحل سے کچھ اور قریب آگیا۔ تب بھی داخلی سمندری چٹانوں اور پہاڑوں کے خوف سے

کافی دُور تھا۔ جہاز کو ہر طرف سے غوطہ خوروں اور کشتیوں نے گھیر لیا۔ غوطہ خور ہر سن و عمر کے تھے لوگ اوپر سے دو اَنّی چوّنی اور اکنّی پھینکتے تھے اور وہ سمندر کی تہ میں جاتے جیسے قبل اس کو لپک لیتے تھے۔ ایسے تیرتے تھے جیسے کوئی بحری مخلوق ہو۔ کشتیوں میں مرغی۔ انڈا۔ گھونگے صدف وغیرہ بیچنے والے تھے اوپر سے پہلے معاملات طے ہو جاتے تو کشتی والے بہت تیار رسّی اور پھرتی سے رسی ادھر پھینکتے اوپر والے رسی تھام لیتے۔ اور کھینچتے تو زنبیل آتی۔ اس میں قیمت اتیار ڈال کر لٹکاتے۔ اور مرغی یا انڈے اسی طرح سے حاصل کر لیتے۔ ہم کو اس پر ایک روحانی مثال نظر یاد آتی ہے کہ اگر حاجت مند لپک کر استواری سے حَبْلِ اللّٰہِ الْمَتِین کا سرا تھام لیں تو ضرور اُن کی حاجت روائی کے لئے رحمت باری کی زنبیل آئے گی اس میں نیازمندی اور اخلاص کے سکّے ڈال دیں۔ جتنے کھرے اور جس تعداد میں سکّے ہوں گے اسی نسبت سے دامانِ ہوس بھی مالامال کر دیا جائیگا۔

ہمارے مرغی خور صدی پیر صاحب کے مریدانِ باصفا نے ایک درجن سے زائد مرغیاں ان کے روزانہ دو وقتہ آزوقہ کیلئے خرید کر لیں۔ موٹی بوٹیاں

ساحل سے سیول سرجن اور پورٹ پولس آئی اور اُن لوگوں نے جہاز کا تمام مسافروں کا اور رکھا نے کا بہت غور سے معائنہ کیا۔ پہلے کامران میں تمام حاجیوں کو بلا استثنار اتار دیا جاتا تھا اور بھاپ دیتے غسل کرنے کے کئی ازحد تکلیف دہ مرحلوں سے گذر کر ایک شبانہ روز کامران میں ٹھیرنا پڑتا تھا۔ بار بار حج کمیٹی کے سخت اصرار پر کہ یہ کامرانی قرنطینہ حاجیوں کے لئے بیحد اذیت کا باعث ہے۔ قرنطینہ بند کر دیا گیا۔ صرف معائنہ باقی رہا۔ ایک کشتی میں ڈاک والے بھی آئے تھے یہ لوگ پہلے سے خطوط لکھکر حوالہ کرنے تیار تھے۔ مگر کثرت ہجوم کے باعث خط ڈاک والوں تک پہونچا سکنا ایک مُہم سر کرنا تھا۔ اس لئے کہ تقریباً ایک ہزار حاجی خطوط بدست ڈاک والوں پر یورش کئے ہوئے تھے۔ ہم نے تو ایک خط اور ایک تار امیرالحج صاحب برادر معظم کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور انہوں نے بہ سہولت اپنے عہدہ کے باعث ڈاک والوں کو دے دیا۔ بھائی صاحب نے عبداللہ سلیمان صاحب وزیر مملکت حجاز کے نام تار ارسال کیا کہ ہم لوگ آ رہے ہیں براہ نوازش انتظام کر دیجئے۔ تقریباً دو پہر تک جہاز کامران پر ٹھیرا۔ پھر اس نے لنگر اٹھا دیا۔

سمندری مچھلیاں کراچی سے جدہ تک جہاز دس گیارہ روز میں پہونچتا ہے ہر طرف بحیرے پایاں سمندر اور آسمان کے کوئی دوسری چیز نہیں نظر آتی۔ کبھی

دُور سے کوئی ساحلی مقام یا سمندری چٹان نظر آجاتی ہے تو بہت اشتیاق سے لوگ دیکھنے لگتے ہیں۔ درحقیقت اسی گوناگونی میں ساری دلچسپیاں منحصر ہیں۔ ایک ہی نظارہ سے عموماً لوگ اُکتا سے جاتے ہیں خلیفۃ اللہ انسان میں بہت سی حضرت ذات عزّ اسمہٗ کے صفات کی جھلکیاں ہیں جب وہ خود ہر یوم ایک نئی شان میں جلوہ فرما ہوتا ہے تو انسان بھلا ایک حال اور ایک کیفیت میں کس طرح گزار سکتا ہے اُڑنے والی مچھلیوں کا جھنڈ تو روزانہ کا معمولی نظارہ ہے۔ مگر جیلی فش دیکھکر احسن الخالقین کے حسنِ صنعت پر طبیعت لوٹ ہو جاتی ہے۔ مدوّر ازحد شفاف گول مٹول جسم میں سے گلابی رنگ کی ایسی نفیس نمود نظر آتی ہے کہ سبحان اللہ۔ یہ مچھلی چونکہ اکثر وسطی حصّوں میں سمندر کے پائی جاتی ہے۔ اسلئے غالباً اس کا حاصل کرنا ازحد دشوار ہوگا۔ مچھلیوں کا ایک عجائب خانہ مدراس میں ہے جس میں ازحد حسین جمیل رنگتوں اور محیر العقول شکل وشباہت کی مچھلیاں دیکھنے میں آئیں۔ مگر جیلی فش ہم نے وہاں بھی نہیں دیکھی۔ جدہ پہونچنے سے دو دن قبل ایک بہت بڑا سمندری جنگی بیڑا جدہ و ینبوع کی طرف سے جاتا ہوا نظر آیا۔ جس میں ڈریڈ ناٹ۔ کروزر۔ سُرنگ صاف کرنیوالے اور بہت سے تحت البحر

سب میں سب اقسام کے ہتھیار تھے۔ یا تو یہ بیڑا بحیرہ عرب کی عام نگہبانی کے لئے گشت لگانیوالا ہوگا اور یا مشرق اقصیٰ جاپان جارہا ہوگا۔ بہرحال ہمیں اس کی منزل مقصود سے کیا سروکار ہمارے لئے تو اس کا نظارہ ہی دلچسپ تھا۔

رفیق سفر ہمارے ڈیک کے ہمسفر برادر معظم کے دوست ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک کپورتھلہ پبلشنگ فرم لاہور اس قدر نیک خصلت۔ نیک سیرت خلوص ومحبت کاملہ سے بھرپور انسان ہیں کہ ان کی صحبت کو بھی ہم نے مالکِ حقیقی کا ایک فضل خاص سمجھا تیس سال سے زیادہ یہ مہاراجہ کپورتھلہ کے مصاحب خاص رہ چکے ہیں۔ بہت شائستہ اطوار ہیں۔ ہردم ہر مسافر اور حاجی کی خدمت کرنے کے لئے تیار ومستعد رہتے تھے۔ ایثار کا یہ عالم کہ کبھی تنہا کھانا کھاتے ہم نے ان کو نہیں دیکھا۔ ضرور کسی نہ کسی کو کھانے میں شریک کر لیتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ سچے اور پکے مسلمان اور ایمان کاملہ کے نور سے بھرپور دل پایا ہے اور روح اسلام سے اس طرح واقف ہیں کہ کسی ظاہر پرست فروعات میں الجھانے والے ملا یا مولوی کے دام میں نہیں آسکتے۔ فقراء سے بیحد عقیدت رکھتے ہیں۔

منزل جدّہ تا مکّہ معظمہ

جدّہ | نماز صبح کے بعد سے ہر طرف جہاز میں ایک ہماہمی اور سرگرمی نظر آرہی ہے۔ حجاج اپنا سامان باندھ رہے ہیں۔ ہر سمت میں اِس قدر شور و غوغا ہے کہ کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ بتاریخ ۱۵ ذیقعدہ مطابق ۲۲ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء یوم دوشنبہ طلوع صبح کے بعد جہاز رضوانی نے جدّہ کی بندرگاہ کے قریب اپنا لنگر ڈال دیا۔ اور دس روز تک مسلسل متحرک جہاز ساکن ہو گیا۔ صبح کی روشنی میں دور سے جدّہ کی پہاڑیوں پر نظر پڑتا تھا کہ دل کی حالت غیر ہو گئی۔ سینہ میں مچلنے اور تڑپنے دھڑکنے لگا کہ وہ دیکھو ساحلِ حجاز مقدس نظروں کے سامنے آہی گیا۔ ان ہی پہاڑیوں کے پیچھے بیت اللہ شریف مکہ معظمہ میں ہے اور دور پیچھے اور دور وہ جگہ ہے جو عرش اعظم سے افضل و برتر ہے۔ وہ گنبد خضرائے مدینہ ہے جس کے ارد گرد ہر لحظہ و ہر آن ہزارہا فرشتے پروانہ وار تصدق ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہاں وہ جگہ ہے جہاں حبیب کونین کی

روح باعث تخلیق جملہ کائنات نفس نفیس تشریف فرما ہیں۔ بظاہر پرست
عرش اعظم سے افضل جگہ پھر کوئی نہیں۔ بیشک یہ حقیقت نفس الامری ہے
عرش اعظم بھی تو نور محمدی ارواحنا فداہ کا ایک پرتو اور کرن ہے۔ معراج
میں جب وہ لولاک لما خلقت الخلق کے مصداق ا ہے عاشق
رب العالمین کے بلاوے پر مقامات قرب طے فرماتے ہوئے عرش اعظم
تشریف فرما ہوئے تو آپ اپنے پیشرو بھائی اور رسول حضرت موسیٰ
کلیم اللہ علیہ السلام کے خیال سے ان کے نعلین وادی مقدس طویٰ میں
اتروا لیے گئے تھے۔ اپنے نعلین مبارک چھوڑ دیے۔ عرش اعظم میں زلزلہ
آیا۔ وہ ہلنے لگا ملائکہ حاملان عرش ایسی جنبش سے گھبرا اٹھے۔ عرش اعظم
نے زبان عشق سے فریاد کی کہ اے محبوب رب المشرقین والمغربین آپ کو
اپنی قرابت واحد آپ کے شیفتہ و عاشق کا واسطہ جس نے آپ ہی کے نور
سے تمام کائنات اور مجھے بھی بنایا ہے نعلین سمیت مجھ پر آجائیے کہ میں آپ کے
نعلین کے اشتیاق میں جھوم رہا ہوں اور جنبش کر رہا ہوں۔ اللہ اللہ۔

توبہ ایں جمال دختی سر طور گذشتی
ای بگو یا کس کہ گفت لن ترانی ۔۔

تجھے کیا کہتا تھا" اور ذکر کیا کرتا تھا کہ جذبۂ بے اختیار شوق مجھے کدھر سے کدھر لے
اڑا۔" تذکرہ تو جدہ کے ساحل کا ہے کہ اس کی پہاڑیوں پر نظر پڑتے ہی دل کی
دنیا میں ہل چل مچ گئی۔ ذرا سی دیر میں ہر طرف سے بڑی بڑی بادبانی کشتیوں
نے جہاز کو گھیر لیا۔ اور گرانڈیل دیو ہیکل قلی آتش مزاج عرب بدو وغیرہ آنے
لگے۔ اور حجاج کا سامان اٹھانے لگے۔ ہمارے جدہ کے وکیل صالح بیونی نے
ایک موٹر بوٹ برادر معظم کے لئے روانہ کر دی تھی۔ ہمارا تمام سامان بھی
بہ سہولت رکھ دیا گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل خاص ہی تھا کہ موٹر بوٹ
ہمارے لئے آ گیا ورنہ کشتی والے عربوں کے تشدد اور سختی کے واقعات جو
سنے گئے تھے وہ ناگفتہ بہ تھے یقین کرنا کہ وہ لوگ قساوت سے بلا تامل
حجاج کا ذرا سی تکرار پر سر پھاڑ دیتے ہیں۔

ہم نے ہر طرف جو سامان کے اٹھانے اور انتشار کی حالت چیخ پکار
کی کیفیت دیکھی تو اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھئے اس عالم اصغر جہاز کی آج عارضی
قیامت کا دن ہے کہ اس کے مکین آج اس کو چھوڑ رہے اور وداع کر رہے
ہیں تو ہر طرف کیا تہلکہ سا مچا ہوا ہے۔ اصلی قیامت کا دن کیا ہوگا جب کہ
پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اللہ اکبر۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ

اَلسَّاعَۃَ لَشَیْءٌ عَظِیْمٌ ۔

کشتیوں میں سیڑھی سے اتر کر سوار ہونا بھی ایک بڑا مرحلہ اور نازک مرحلہ
ہے۔ اول تو ایک تنگ سیڑھی ہے پندرہ سو حجاج کا نزول پھر کشتیاں اور سیڑھی
سے دور اچھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ذرا چوکے اور قدم سرکا تو سیدھے سمندر میں
پہونچے۔ الحمدللہ یہ مرحلہ بھی از حد آسانی سے طے ہو گیا۔ والدہ ماجدہ۔ زنانہ
اور ہم سب لوگ بہ سہولت سے موٹر بوٹ تک پہونچکر بیٹھ گئے اور موٹر بوٹ
چلا۔ مسافروں میں سے بھلا ایسی جزئیات کو کون خیال میں لاتا ہے۔ مگر ہمارا
مذاق کہئے یا جنون۔ ہم ذرا ذرا سی باتیں حد درجہ اشتیاق نظر اور غور سے دیکھنے
کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے دور رس نتائج بحمد اللہ اس میں سے
اخذ بھی کر لیتے ہیں۔ جس وقت ہماری بوٹ کچھ دور سمندر میں نکل آئی اور جہاز
رضوانی نظر آنے لگا۔ تو ہم نے ہمراہیوں سے کہا کہ جس وقت روح جسم سے
مفارقت کرتی ہے تو اسی طرح علیحدہ ہو کر اپنی عارضی قیام گاہ جسم کو دیکھتی ہے
جیسے ہم لوگ اپنی دس روزہ قیامگاہ جہاز کو اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ
رکتی نہیں۔ جیسے موٹر بوٹ اپنی منزل مقصود جدہ کی طرف اڑا جا رہا ہے ایسی
ہی روح حسب مراتب اپنے مقام علیین یا سجین کی طرف فوراً جسد کو سرسری

طور پر کھینچی ہوئی چل رہی ہے۔ یہ قدرا ذرا سے انحوجمن کی طرف ہزاریں سے ایک بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ دیدۂ عبرت نگاہ کیلئے سامان بصیرت ہیں۔ دس روز تک جہاز میں رہے۔ سمندر کے سب رنگ دیکھے۔ مگر ساحل حجاز یا جدہ کے قریب جو ازحد دلفریب سبز رنگ سمندر کا تھا وہ تمام بحیرۂ عرب میں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جدہ کے ساحل کے قریب ایک ازحد عبرت کا سامان وہ بدنصیب فرانسیسی جہاز بھی ہے جو بارہ سال قبل مع حاجیوں کے جل گیا تھا۔ اور اب ایک کروٹ پر سمندر میں پڑا ہوا ہے۔ جدہ کسی طرح واقعی ایسا بندرگاہ جس میں جہاز آ سکیں۔ اس لئے نہیں بن سکتا کہ قدم قدم پر زبردست بحری چٹانیں مونگے کے کیڑوں کی بنائی ہوئی زمین ہر طرف سے مزاحم ہے۔ جابجا امریکن کمپنیوں کے تیل کے چشموں پر لگائے ہوئے آہنی مینار نظر آ رہے تھے۔ الحمدللہ جہاز صحواتی کے ہم لوگ سب سے پہلے سافر تھے۔ جو موٹر بوٹ کی وجہ سے ساحل جدہ پر پہونچ گئے۔ ورنہ اگر بحری کشتیوں میں ہجوم کے ہمراہ آتے تو ساحل پر خوب گت بن جاتی۔ تقریباً چھ یا سات مقامات پر ایسے آہنی دروازے بنائے گئے ہیں کہ صرف ایک آدمی آہستہ سے گذر سکتا ہے۔ مع چند دانہ دیگر چکیر و نکیر کی طرح حجازی لوگ اور عسکری

کھڑے رہتے ہیں۔ قبر میں منکر و نکیر من ربک کا سوال کریں گے۔ دروازہ پر یہ حضرات دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا معلم کون ہے۔ پھر آگے جانے دیتے ہیں۔ ہجوم نہ ہونے سے ہم لوگ الحمدللہ ان دروازوں سے بآسانی جواب دیتے ہوئے گذر گئے۔ ورنہ پندرہ سو حجاج کے ہجوم میں اگر پھنس گئے ہوتے تو جو درگت بنتی ظاہر ہے۔ عبداللہ سلیمان صاحب وزیر مملکت حجاز آجکل جدہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا ایک خاص نمائندہ شیخ المطوفین علی جمیع مظہر کو ساحل پر استقبال کیلئے روانہ کیا۔ وہ برادر مظہر سے ملے اور کہا کہ وزیر صاحب نے آپ کو جو ضرورت ہو اس میں سہولت پیدا کرنے کا حکم دے کر روانہ کیا ہے اور آپ کے آنے سے پہلے احکام جاری ہو چکے ہیں کہ کسٹم یا چنگی خانہ کے معائنہ سے آپ کا نام مستثنیٰ ہے۔ پھر والدہ ماجدہ اور زنانے لیکر اپنے وکیل صالح بسیونی صاحب کے مکان پر موٹر میں پہنچ گئے۔

جدہ | جدہ کے مکانات عموماً پانچ اور سات منزلہ ہوتے ہیں۔ اور قاہرہ۔ مصری طرز پر ہر منزل میں بہت خوشنما اور ہوادار منقش برآمدے اچھا منظر پیش کرتے ہیں۔ اور اسلامی کلچر کی نمائندگی ہوتی ہے۔ چونکہ جدہ میں تقریباً تمام آزاد ممالک کے سفراء اور ان کے سفارت خانے

موجود ہیں اور امریکنوں کو حجاز میں پٹرول نکالنے کا اجازہ مل گیا ہے
اس لئے یورپین تمدن کے جلی اثرات ہر طرف نظر آتے ہیں۔ جرمن ٹائپ
اور یوروپین ٹائپ کی نہایت ہی خوش منظر اور خوشنما سمنٹ کی عمارات
بہت سی بن چکی ہیں اور بہت ساری زیر تعمیر ہیں۔ ہر طرف ہر سمت میں
امریکن موٹر ٹرکس و چھیں موٹریں رواں دواں نظر آتی ہیں۔

ہم لوگوں کا قیام تیسری منزل پر وکیل بسیونی کے مکان میں ہوا۔ دو
نہایت آراستہ اور قالینوں سے پٹے ہوئے کمرے ہم لوگوں کو دیئے گئے
ہر طرف برامدے اور کھڑکیاں تھیں اس لئے دونوں کمرے بہت ہوادار تھے

ہماری علالت | دہلی سے ہم کو نزلہ کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ لاہور میں
سرد پانی سے پچھلی شب میں غسل کرنے کی وجہ سے اس میں زیادتی ہوئی۔ جہاز
میں نزلے نے ضیق النفس جیسی شکل اختیار کر لی تھی جس وقت جدہ میں اترے
تو تمام جسم کی رنگت زرد ہو گئی تھی۔ اور ہتھیلیاں جو ہمیشہ سرخ رہتی تھیں
عمر میں پہلی بار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے ان پر ہلدی لگا دی ہے
جدہ پہونچنے کے بعد نزلہ اور ضیق النفس نے بھی شدت اختیار کی۔ چلنا
پھرنا دشوار ہو گیا۔ ہم نے شہد استعمال کیا۔ واقعی شہد بھی عجیب و غریب بہا

چیز ہے۔ اس کے متعلق کلام پاک کی نص قطعی ہے کہ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ
اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے میری امت کی بیماریاں صدقہ اور شہد سے
دور ہوں گی شہد استعمال کرنے سے پچھلی شب کو سخت بلغم میں نفخ پیدا ہو کر
رقیق ہو گیا پانچ چھ دن سکون کے گذرے۔ پھر مکہ معظمہ میں ہم اسقدر علیل ہوئے
کہ اگرچہ تربیت بظاہر منقطع ہو گئی تھی۔ نزلہ نے ڈبل نمونیا کی شکل اختیار کر لی
اور ایک سو پانچ ڈگری بخار اس پر مستزاد تقریباً بارہ روز فریش رہے اور
حرم شریف میں جا کر باجماعت نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ صرف دو وجوہات
سے بحمد اللہ ہم کو صحت ہو گئی۔ ایک قوی وجہ حضرتہ والدہ ماجدہ کی اضطرار
کاملہ سے بار بار ہماری صحت کیلئے دعا حضرتہ بیقرار ہو ہو کر دعائیں کرتی تھیں
اور کہتی تھیں کہ اگر خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میں اس کے بال بچوں کو کیا جواب
دونگی میرے اصرار پر یہ میرے ہمراہ آیا ہے۔ دوسری ایک وجہ یہ تھی کہ
ایک شب جب کہ ایک سکنڈ کیلئے ہم کو نیند شدت کرب و بخار سے نہ آسکی
تھی صبح کے قریب ہم نے بمصداق ؎

"با خدا دیوانہ باش"

اس رگ جان سے زیادہ قریب رہنے والے کو مخاطب کر کے یہ دعا کی کہ

الٰہ العالمین تجھے خوب معلوم ہے کہ ہم صرف تیرے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے دیار مدینہ پاک کے اشتیاق میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تیرے حوالے کرکے
گھر سے نکل پڑے اور درحقیقت عازم مدینہ طیبہ تھے۔ بڑی غلطی ہوئی کہ آپ
کے پاس بھی آگئے اب آپ ہم کو مارنے ہی پر تلے ہوئے ہیں تو اتنا کرم اور فرمایئے
کہ ہم کو مدینہ پاک تک پہونچ جانے دیجئے تاکہ ہم کو جنت البقیع میں جگہ مل
جائے۔ ہم کو جنت المعلٰی میں سونا منظور نہیں ہے۔ واہ خوب ہم نے نفس کو
اچھی طرح کچل ڈالا۔ آپ کے گھر کے قریب معطاف میں جان بوجھ کر اس لئے
صف نعال میں بیٹھے کہ آنے جانیوالوں کی ٹھوکریں کھائیں۔ خودی کو پیر دل
تلے پامال کر ڈالا۔ اپنے کو ایسا مٹایا کہ ہوٹل والے میں نظر نہیں آتے۔ صرف
آپ ہی آپ ہیں۔ پھر ہمارے غریب جسد کی آپ نے تو اچھی مہمانی فرمائی
کہ نمونیا اور بخار کو مسلط کر کے ہماری رگ رگ کو ہلا ڈالا۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا۔
آپ سے نہ کہیں تو کس سے کہیں۔ آپ سے گلہ نہ کریں تو کس سے کریں۔
آپ کا گنہگار بندہ آپ سے خفا نہ ہو تو ہمارے کون۔ آپ جو چاہتے ہیں
کرتے ہیں۔ ہر چیز پر قادر مطلق ہیں۔ ہماری ہستی آپ ہی کے ید قدرت میں
ہے سنئے ہم یہاں ہرگز مرنے کے نہیں۔ مارنا ہے تو دیار حبیب پاک میں مارے۔

پھر ایک جوش و خروش دریائے عنایت میں ہوا اور بلند موجیں اس میں سے اٹھنے لگیں۔ دیکھتے دیکھتے دریا نے طوفانی سمندر کی شکل اختیار کرلی۔ عاجزی اور منت سے اس شدید گستاخی کی معافی مانگی۔ اور جبینِ نیاز کو دربارِ بے نیاز میں جھکا دیا۔ عرض کیا کہ جو تیری مرضی، یہی تیری مرضی۔ یہ بھی ایک بشریت کا اقتضاء۔ ایک لوث۔ ایک خود مطلبی کی بیجا شکایت تھی۔ ہماری کیا مجال۔ کیا طاقت اور کیا ہستی۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا فوراً منظر تبدیل ہو گیا۔ گنبدِ خضرا مدینہ نظر آنے لگا۔ یہ شعر جن پر مسلسل چار گھنٹہ شدید وجد میں ایک بار حیدرآباد دکن میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی تلمیذ خاص حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فائز مقام صدیقیت کے ہمراہ مجلس سماع میں رقص کرتے رہے تھے یاد آیا۔

تمنا ہے کہ جس دم جان میری جسم سے نکلے
تو جا کر صدقے ہوجائے نبی جی کے کلس پر سے

عقب میں مینارہ بلال رضی اللہ عنہ تھا۔ اور اس پر بلال اور دو جگہ اور ستارے ضو فشانی کر رہے تھے۔ کسی نے انتہائی رأفت اور

کمال رحمت سے کان میں سرگوشی فرمائی اور جسم میں گویا دوبارہ جان آگئی کہ
تم الفری کا مشاہدہ مقام جلال ربانی ہے۔ اس کی تمثال چند روز دوپہر میں
چمکتے ہوئے ادھر اُدھر برسائے پڑتے ہیں دیکھی جا سکتی ہے۔ ممکن نہیں کہ سورج کی
شعاعیں جیسے تم ہو وہاں کے رو برو رنگ و روشنی میں سرایت
کر کے گزر جاتی ہیں۔ اور انہیں اسلام تک تیرہ سال تک جس کے
لیے تمام کائنات کی تخلیق کی گئی ان کو کبھی کبھی اذیت کبھی تکلیف نہ
کہ معلوم ہیں اٹھانی پڑی۔ اور سیدہ محبوبہ جہاں کے تصدق سے تم لگے ہو ان
رحمت کا ہے۔ وہاں کا ذرہ ذرہ بے پایاں رحمت سے انور اور یقیناً نور ہے
اس کی تمثال چودھویں رات کے بدر کامل کی سی ہے جو شدید گرما کے موسم میں
پیش کیا جاتا ہے سے تشریف ٹھنڈی بڑی پھیلا رہا ہے۔ لیکن روح قلب
کو یا خوشنما ہوا ہو۔ تم سخت علالت سے گھبرا اٹھے۔ یہی تمہارے لئے ایک
مشکل ترین گھڑی تھا۔ لو اٹھو بیٹھو اب تم تندرست ہو گئے۔ حکم دیا جاتا ہے۔ اٹھو
وضو کر کے لکھنا آغاز کر دو۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ مسلسل تین روز کا تقریباً
فاقہ۔ کمال ضعف طاری۔ ایک سو پانچ ڈگری بخار زائل ہو چکا تھا۔ اور
ایک تحت ڈبل نمونیا کا اثر محیر العقول طریقے سے زائل ہو گیا تھا۔ صدائے غیبی و

باطنی کیونکر ہم کیسا سمجھتے کہ ان کے قلب تیغ تیز ہی سے نفس امارہ کے
کاٹنے لگ گئے جو ظاہر خوردہ سا معلوم ہوتا تھا اپنا سر اٹھایا اور پھیلا کر بیٹھ
اور سو یا تھے جیں دم ہی میں جسم ہی خون میں میں بیٹھے ہی آ ہی نہیں اور لگتے تھے
احکام جاری ہو رہے ہیں۔ اگر تم نے اس کی تعمیل کی تو یقین ہے تو کہ حرکت قلب
یکایک رک جائیگی اور چند سکنڈ ہی میں تمہارا خاتمہ ہو جائیگا۔ نفس پلید کی ان
دھمکیاں ہو تو نے ہمارے تن بدن میں آگ سی لگا دی اور ایک شیر کا کام کیا
ہم تڑپ کر اٹھ بیٹھے اور ہم نے کہا کہ ملعون تیری اس بکواس سے سمجھا تو اب
ہمارا فرض عین ہو گیا کہ حکم کی تعمیل ہم کریں گے اور ضرور لکھیں گے۔

چنانچہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۴۵ء یوم یکشنبہ کو
ہم نے اس سفرنامہ کی تحریر کا آغاز کر دیا۔ اور اس تفصیل کا مجمل حال تمہید میں
بھی لکھ دیا ہے۔ ہم اپنے محترم ناظرین کا اب زیادہ وقت یا تکلیف اپنے
ذاتی حالات علالت بیان کرنے میں ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ صرف رحیم الرحیم
کے بے پایاں فضل کے کرشموں کی عکاسی کرنا اور یہ بتلانا مقصود تھا کہ فَاِذَا
مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ جب میں علیل ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا مرحمت
فرماتا ہے۔ آمدم برسر مطلب۔

جدہ سے روانگی | جدہ میں ہم لوگوں کا قیام ڈیڑھ دن اور ایک رات رہا۔ برادر معظم حکیم عبداللہ انصاری صاحب انصاری نے وزیر مملکت حجاز عبداللہ سلیمان صاحب سے ملاقات کی۔ اور انہوں نے ایک ٹورنگ موٹر کار والدہ ماجدہ کی سواری کے لئے اور ایک موٹر لاری سامان اور ہمراہیوں کے لئے مرحمت کی۔ چنانچہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء یوم سہ شنبہ بعد نماز ظہر ہم حضرت والدہ ماجدہ۔ بیگم اشتد خالہ صاحبہ۔ اور بھابی صاحبہ کے ہمراہ ٹورنگ موٹر پر جدہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ جدہ سے باہر نکلتے ہی دو راستے نظر آئے۔ ایک پختہ نہایت عمدہ تارکول کی بہترین سڑک جو سیاہ لکیر کی طرح حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سڑک پر اِلیٰ مَکَّۃَ الْمُعَظَّمَۃ کے جلی حرفوں کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اور ایک سڑک بالکل کچی پگڈنڈی کی طرح کی تھی اس پر اِلیٰ مَدِیْنَۃِ الْمُنَوَّرَہ لکھا ہوا تھا۔ دل تو تڑپ رہا اور مچل رہا تھا کہ فوراً کچی سڑک پر چل دیں۔ مگر اول مکہ معظمہ کی حاضری تکمیل حج کیلئے ضروری تھی۔ اس لئے کو شان دکھلا کر ہمارے ڈرائیور ابراہیم تاجی نے سیاہ تارکول ڈامبری پختہ سڑک پر ٹورنگ موٹر کو ہوائی رفتار سے اڑانا شروع کر دیا۔ بھلا مانس سائبہ اور سہ میل سے

کم پڑ چلاتا ہی نہیں تھا۔ موٹر کیونکہ پختہ تھی۔ کوئی دھچکا یا غیر معمولی بات سواریوں کو محسوس نہیں ہوئی۔ ہم کو ایک اور چیز پر جس کی طرف کسی کا خیال ہی نہیں جاتا وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ موٹر والوں کی باہمی آواز تمیناً تھی۔ یعنے سیدھی جانب سے موٹر چلاؤ۔ حجاز میں ہندوستان اور یورپ کے برخلاف تمام سواریاں اور موٹریں ہمیشہ سیدھی جانب سے چلتے ہیں۔ اور قرآن پاک میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال کا بہت واضح بیان اور ہر دو کا تفاوت کامل صاف صاف بیان فرمادیا گیا ہے۔ سیدھی طرف سے سواریوں کے گزرنیکا نظارہ بہت بھلا معلوم ہوا۔ اور تمیناً کی سیدھی طرف چلو کی صدا نے تو وجد ہیں پہونچا دیا۔ راستہ میں ایک جگہ ٹیوب خراب ہو جانے پر موٹر روک کر ابراہیم ڈرائیور نے شاقہ محنت سے دوسرا ٹیوب تبدیل کیا۔ اس نے ایک بڑا سا را پتھر لا کر اس پر موٹر کا پہیہ نکالکر جب رکھا تو ہم نے دیکھا کہ وہ پتھر خالص سماق تھا۔ کیا خدا کی شان ہے عرب کی پہاڑیاں تک سماق جیسے بے بہا پتھر کی ہیں۔ جس کے کھرل بن کر چھوٹے سے چھوٹے کھرل بھی سینکڑوں روپے ہندوستان میں قیمت پاتے ہیں۔ اگر نکروبی اور حبشی عرب والوں کو جو معمولی مزدوری اور

خیرات پر گزر بسر کر رہے ہیں۔ کھدر کی تراشی کی تعلیم دے کے کوئی سماق
کے کھدر لے جا کر ہندوستان روانہ کرنے لگے تو کس قدر نفع بخش یہ کاروبار
ہو سکتا ہے اور اس میں کسی نقصان کا تو کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔
دھوپ ڈھل کر موٹر پھر دوڑنے لگی۔ مغرب کی نماز کے لیے راستہ
میں رکنا پڑا۔ ہم لوگوں نے قریب ایک چشمہ پر نماز ادا کی۔ سڑک کا
[illegible]
[illegible]
[illegible]
سفید ہے اَسْوَد اَبْیَض۔ سیاہ و سفید کا امتزاج خوبصورت
امتزاج دکھلا رہے تھے۔ سیاہ پتھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر
[illegible] سے کہ خط [illegible] دکھلائی دے رہے [illegible] لگی ہوئی تھیں۔
کہ منظر کے قریب ایک کوئی زبردست پہاڑی [illegible] آیا تھا۔ جس سے
رنگ برنگ کے [illegible] سڑک کے کنارے جا بجا [illegible] جمع ہو گئے
[illegible] ان میں [illegible] بعض جگہ
[illegible] لوگ

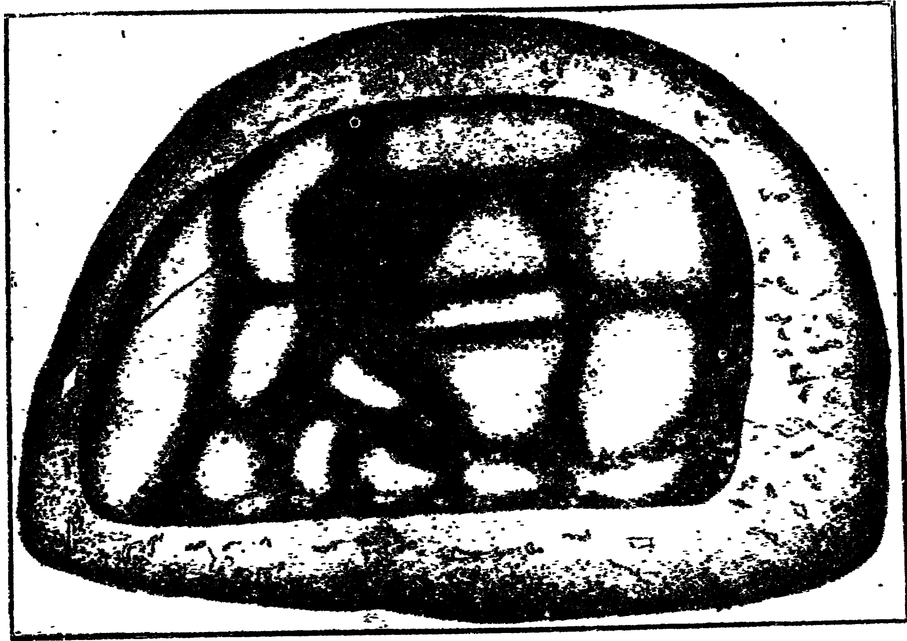
الحمدللہ لبیک لبیک پکارتے ہوئے ام القریٰ مکہ معظمہ میں
داخل ہو گئے اور اپنے معلم عبدالرحمٰن صاحب کے مکان پر فروکش
ہو گئے۔ دل بیقرار تھا اور مچل رہا تھا کہ جلد سے جلد بیت اللہ شریف
قبلہ و کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں۔ مگر برادر معظم کا انتظار تھا
جو ہمارے ان کے ہمراہ لاری میں آ رہے تھے۔ ہم لوگ تکان کے باعث
سو گئے تو وہ بارہ بجے رات کو تشریف لائے۔
[illegible]
معلوم ہوا کہ بھائی صاحب تنہا پچھلی شب کو حرم شریف [illegible]
طواف عمرہ و سعی سے فارغ بھی ہو کر آ گئے ہیں۔ تقاضائے بشریت
کی وجہ سے ہم کو اس تنہا فراغت کو معلوم کر کے بہت رنج و تکلیف
ہوئی اور شاید مسلسل علالت کی وجہ سے معمولی سی بات اہم معلوم ہوئی
ہو۔ بہرحال کھانے کو مطلق جی نہ چاہتا تھا طوعاً و کرہاً ناشتہ کر لیا
کمال ضعف کے باعث چونکہ ہم زیادہ چل پھر نہ سکتے تھے۔ اس لئے
جانے کے لئے ٹیکسی دس ریال کرایہ طے کر کے منگوائی گئی۔ اور
جتنے بھی ہم چار تو نہیں دو منٹ سے جیسی اونٹ کو [illegible] کے [illegible]

سوار ہو کر حرم محترم کی طرف چلے۔ بازار میں سے گزرنے لگے تو از حد حیا و شرم محسوس ہونے لگی کہ ایک ٹھگنا سا پیٹ جس کا چار گز کا لپیٹ جھنگے جھنگے کو آدمیوں کے سروں پر سوار دیکھ کر لوگ کیا کہتے ہوں گے۔ اتنے میں حرم محترم کے دروازہ باب السلام پر پہونچ گئے۔ ہم نے ہر چند شبری والوں کو آواز دی کہ رک جاؤ۔ ہم کو اتر جانے دو۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ سیڑھیوں تک سے آ کر حرم میں داخل گئے۔ بیت اقدس شریف پر جونہی نظر پڑی۔ اللہ اللہ اس کی حالت و کیفیت کو کیا بیان کیا جائے۔ بے اختیار اپنی روحی حضرت اعلیٰ حضرت اعلی اللہ مقامہ کی یہ رباعی یاد آگئی۔

جو پاک ہے جسم اور مکاں سے
لو دیکھو لو یہ اسی کا گھر ہے
یہ قصر سیاہ غلاف والا
اسلام کا نقطۂ نظر ہے

سبحان اللہ نقطۂ نظر میں کیا باریک نقطہ بیان کر گئے ہیں۔
بہر حال کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی ہم نے سب سے پہلی دعا حسنِ خاتمہ

حجرِ اسود جس پر جھگڑا تھا اور محمدؐ رسول اللہ نے جھگڑا مٹا دیا



کے لئے کی۔ دل سینہ سے نکلا جارہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ شبری سے کود کر دوڑ کر بے ادبانہ فوراً جا کر کعبہ محترم سے لپٹ جائیں ایسے لپٹ جائیں جیسے ہزار ہا سال سے باہم بچھڑے ہوئے ملتے ہونگے مجبوراً ضبط ہو کر شبری اتروائی اور باب السلام سے معلم صاحب کے بھائی کے ہمراہ داخل ہو کر حجر اسود کے سامنے پہونچے۔

حجر اسود حجر اسود کو جو یمین اللہ بمنزلہ خدا کے داہنے ہاتھ کے ہے۔ دیکھا اور چوما۔ ہم کو پہلے سے اس کی خاص تاثیر معلوم تھی کہ جس طرح کیمرے کے لنس کے سامنے آتے ہی پلیٹ میں جو شکل و شباہت لنس کے روبرو ہو۔ بعینہٖ ہمیشہ کیلئے مرتسم ہو جاتی ہے اور فوٹو کہلاتی ہے۔ حجر اسود بھی جو باطنی کیفیات اور حالات لیکر اس کے سامنے جائیں۔ اس کو اپنی خاص تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راسخ اور مرتسم اور مثل نقش کا لحجر کے کر دیا کرتا ہے اور ھُوَ الْبَاطِنُ کے تمام نقوش اندرونی ھُوَ الظَّاھِرُ میں آجاتے اور بہت ابھر جایا کرتے ہیں۔ ہم تو

"تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا"

یہی اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ

"ہمان نقش درونی گشت بیرون"

ہوگیا ہو یا نفس کی خباثتیں اور اجاگر ہو کر حاجی اور پاجی
ہوگئے ہوں۔ بہرحال ذکر اس کا تھا کہ معلم صاحب کے ہمراہ طواف
عمرہ کے ساتوں چکر پورے کر کے ملتزم پر بطور خود دعا کی گئی اور
مقام ابراہیم پر نماز واجب الطواف ادا کی۔ معلم صاحب سے
بھائی نے ملتزم پر کوئی دعا پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائی اور نہ مقام
ابراہیم پر نماز کے بعد مخصوص دعا پڑھائی۔ ہم نے اسی وقت یہ فیصلہ
کر لیا کہ اب کبھی طواف و عمرہ معلم یا ان کے حواریوں کے ہمراہ نہیں
کریں گے۔ ہمارے پاس طواف کی ادعیہ، ملتزم و مقام ابراہیم کی
خاص دعائیں موجود ہیں بطور خود پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں
قیام کے دوران میں ہم اس عہد پر قائم رہے اور بطور خود طواف کر لیتے
تھے۔ طواف کے بعد ہم چاہ زمزم پر گئے۔ زمزمی نے بہت بڑے
ڈول سے تازہ زمزم نکال کر دیا اور ڈول سر پر انڈیل دیا۔ شرابور ہو گئے
ایسا ہی ہر مرتبہ ہوا کرتا تھا۔ ایک عرصہ صفا سے میدان کرنے کے بعد طاقت
جواب دینے لگی اور مجبوراً ہم نے شبری میں چکر پورے کئے۔ پھر اسے

لانبے سر کے بالوں کو جو کانوں سے نیچے تک تھے ۔ قصر کرا کے کانوں تک کروا لیا ۔
جدید نقش کی آراستہ دوکان یا ہیر کٹنگ سیلون جائے ہوئے حجام یا بربر صاحب
نے از راہِ نوازش کلمہ کی انگلی کا ناخن تراشتے ہوئے اپنی یادگار میں کچا ناخن
تراش کر انگلی زخمی کر دی ۔

"ایں چہ راحت یادگار ناوکِ پیکانِ دوست"

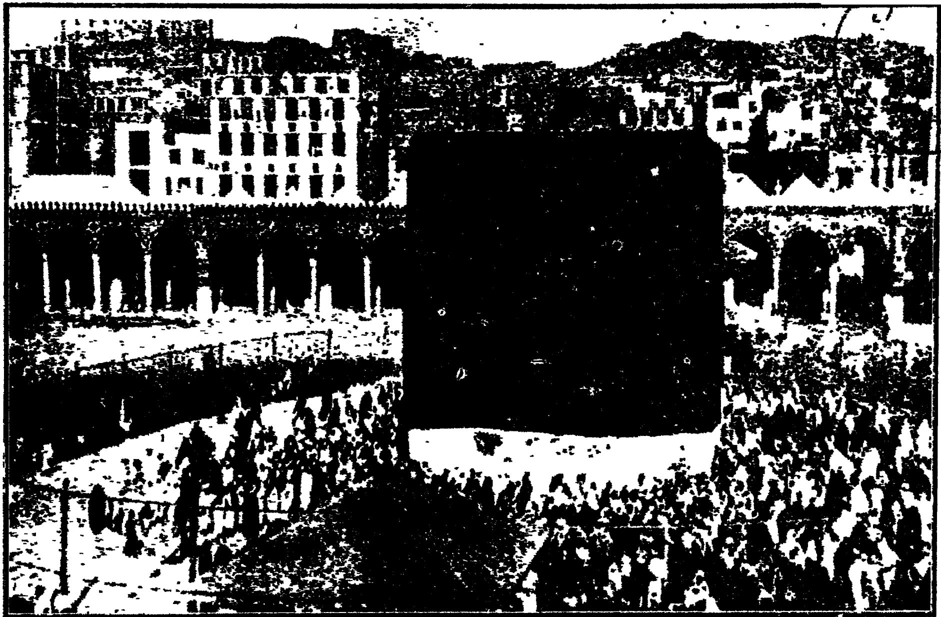
جی سے تو حقیقت کے ایک جم تھے شہری و [illegible] کرایہ کے اندر
ایک [illegible] قیام [illegible] کیا ۔ [illegible] تمام صاحب کے
مکان میں [illegible] کے احترام آنا کر لباس بدل ڈالا ۔ حلق ختم ہو گیا ۔

مکہ معظمہ میں قیام | معلم صاحب عبدالرحمن مکی کے یہاں ہمارا قیام ایک
شب اور نصف دن رہا ۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء
روز چہار شنبہ برادرِ معظم نے دو حجرے باب الوداع حرم شریف کے متصل مبلغ
ایک ہزار روپیہ کرایہ پر لئے اور تمام سامان اس میں منتقل ہو جانے کے بعد ہم لوگ
عصر کے وقت اس میں آگئے جس مکان کے یہ حجرے ہیں وہ مکان سلطان سلیم
عثمانی جس نے حرم اور بیت اللہ شریف کی از سر نو تعمیر کی تھی اسی عہد کا اور
اسی سلطان کا قائم حرم کیلئے بنوایا ہوا ہے پہلے شریف حسین صاحب کے بھائی

اس میں رہتے تھے۔ انقلاب حکومت کے بعد وہ مصر بھاگ گئے اور اب اُن کے وکیل اس مکان کے حجرے کرایہ سے چلاتے اور کرایہ ان کو مصر روانہ کر دیتے ہیں۔ بہت مستحکم پختہ مکان ہے۔ جو حجرے ہم لوگوں نے لئے ہیں اگرچہ کہ وہ بہت چھوٹے چھوٹے ہیں مگر اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک برآمدہ حرم شریف کی طرف ہے۔ اس کی کشادہ کھڑکیوں سے بیت اللہ شریف بالکل رو برو نظر آتا ہے اور برآمدے میں کھڑے ہو کر نماز باجماعت حرم شریف میں پوری طرح شرکت کی جا سکتی ہے۔ حضرت والدہ ماجدہ کمال ضعف و نقاہت کی وجہ سے چونکہ بار بار حرم شریف میں نہیں جا سکتیں۔ اس لئے وہ اور بسم اللہ خالہ صاحبہ پنجوقتہ نماز اسی برآمدے میں جماعت کے ساتھ پڑھتی ہیں اور شبانہ روز خانہ کعبہ کے روبرو دونوں روحانی بہنیں رات دن اسی برآمدے میں رہتی سہتی ہیں یہ بھی ایک فضل باری تعالیٰ عز اسمہٗ ہے کہ ضعفاء کے لئے ایسا سہل سامان مہیا فرما دیا۔

کعبۂ محترم | وہ کعبۂ محترم ہر وقت ہم لوگوں کے نظروں کے سامنے رہتا ہے جو عالمین کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ جس میں آیات بینات ہیں جس میں مقام ابراہیم ہے۔ جس کو صرف دیکھتے رہنے سے بیس رحمتیں نصیب

یہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل اک معمار تھا جس بِنا کا



ہوتی ہیں۔ جس کے ارد گرد ایک مجمع عشاق جو دور و دراز کے منازل قطع و طے کر کے آیا ہوا ہے۔ پروانہ وار ہر لمحہ و آن صدقہ و تصدق ہوتا رہتا ہے۔ سوائے اوقات نماز کے کبھی مطاف طواف کرنیوالوں سے خالی نہیں دیکھا گیا۔ تیرہ سو سال سے زیادہ ہو گئے اس کی یہ شان اور یہی کیفیت ہے جب کہ عالمین کی رحمت روح جسد کونین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باتباع حکم الٰہی فَطَهِّرَا بَيْتِيَ الْعَاكِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ میرے گھر کو اعتکاف کرنیوالوں۔ قیام و رکوع و سجود کرنیوالوں کے لئے پاک کردو۔ اپنے اس بھائی کو جس کے لئے ارشاد ہوا تھا کہ لَحْمُكَ لَحْمِيْ وَدَمُكَ دَمِيْ۔ دوش مبارک پر سوار فرمایا جو اولین و آخرین میں پہلے انسان تھے کہ خانہ کعبہ کے اندر تولد ہوئے۔ آنکھ کھول کر اس چہرہ زیبا اس روئے منور کو دیکھا جس کی قسم مالک نے وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰى فرما کر کھائی ہے۔ اس چہرہ اقدس و انور کی ضو فشانیاں ان کے رگ و ریشہ میں سمائیں۔ جس کا عاشق خود خالق اکبر ہے۔ پہلی چیز جو شکم مبارک میں گئی وہ لعاب دہن حضرت رسالت پناہی تھا۔ یعنے اِمَامُ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ اَسَدُ اللّٰهِ الْغَالِبُ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ ہیں سرکار عالم

وہاں بتان تھے اُن کو اپنے دوشِ مبارک پر چڑھا کر خانہ کعبہ کے تمام داخلی و خارجی بتوں کو صرف اشارہ کر کے معجزہ سے منہدم کروا کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر کے رجس و ناپاکی کو دور فرما دیا۔ اور بیت اللہ شریف کی تقدیس تا ہمیشہ کے لئے پاک صاف ہو گیا۔ آج تیرہ سو سال کے عرصہ طویل سے اس کے ارد گرد گنبد و قبہ ... ہوا۔ ہر وقت طواف میں پروانہ وار جہاں کا ... رہتے ہیں۔ اور جب تک روئے زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا انشاء اللہ تمام ہونے والا باقی رہے گا طواف بھی جاری و ساری رہے گا۔ ہاں جب کہ تمام وہ لوگ جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا قرب قیامت میں ایک ہوا کے چلنے سے عالم بالا کو سدھار جائیں گے تو حبشی کافر خانہ کعبہ کو منہدم کر ڈالیں گے۔

آیاتِ بیّنات قطع نظر تقدس مذہبی کے حرم مبارک بیت اللہ شریف میں ظاہر بین نظروں کے لئے بھی ایسی قدرتی ظاہرہ معجزنما آیاتِ بینات ہیں کہ بڑے بڑے متشکک و متعصب لوگوں کو ان آیاتِ بینات کا مشاہدہ کر کے تازگی ایمان و پختگی عقیدت میسر ہو جاتی ہے۔ حرم پاک میں ایک دو نہیں کم از کم پندرہ بیس ہزار سے زائد جنگلی کبوتر رات دن رہتے سہتے ہیں۔ یہ ان خوش نصیب کبوتروں کی نسل سے ہیں جن کے جوڑے نے غارِ ثور پر انڈے

دستگیر شہنشاہ و سلطان کو جو سرور عالم و عالمیان کی تلاش میں وہاں تک آ گئے تھے نہیں دیا تھا۔ ایک نوک قدم پر زور ادھر [illegible] شریعت ہرگز نہیں ہے چاہئے تو یہ تھا کہ [illegible] کو تیروں کی [illegible] ال و بیشتر [illegible] محترم [illegible] سے بچ جاتا اور اگر کعبہ علاوہ [illegible] حق پاک میں [illegible] ہے۔ [illegible] سے تمام [illegible] اور [illegible] شریف کعبہ بیت [illegible] اوپر سے چیل وغیرہ کوئی پرندہ نہیں اڑتا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ خانہ کعبہ کے اوپر ساتوں آسمانوں اور تحت میں ساتوں زمینوں میں ایسا ہی خانہ کعبہ موجود ہے۔ جس کے اطراف ہر لمحہ طواف جاری و ساری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان پر جو کعبہ ہے وہ بیت المعمور کہلاتا ہے اور وہاں ملائکہ عظام وارواح طیبات اس کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ بیت المعمور سے اوپر بیت العزت اور لامکان وہ مقام ہے جہاں شب اسریٰ کو جانیوالے مسافر جلیل القدر مقامات قرب کو طے فرماتے ہوئے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کے منازل سے گزر کر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی حالت پر فائز ہوئے تھے۔

"وصلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا"

دوسری بین آیت جس نے بڑے بڑے عقلا کی عقل کو حیران و متحیر کر دیا ہے اور کوئی توجیہہ اس کی ظاہری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ یہ کہ ایام حج میں تقریباً دو لاکھ سے زائد حاجیوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کے اطراف کا مطاف جس میں طواف کیا جاتا ہے۔ ایک محدود مقام ہے۔ کس طرح لاکھوں بندگانِ خدا حالت طواف میں اس مطاف کے اندر حیرت انگیز طور پر سما جاتے ہیں اور طواف پورا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر فہم بشری سے یہ خرقِ عادت بہت بلند و ارفع ہے اور کعبہ محترم کے آیات بینات میں سے ہے۔

رموز طواف | بتاریخ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ بعد نماز ظہر القا ہوا طواف کعبہ میں ہر قدم پر گناہ دھلتے اور صاف ہوتے ہیں۔ مولانائے روم فرماتے ہیں ؎

حج زیارت کردنِ کعبہ بود

حج رب البیت مردانہ بود

اور خود میاں ارشاد فرماتے ہیں فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ

اس گھر کے مالک کی عبادت کرو توجہ رب البیت درحقیقت کیا ہے سنو سنو۔ جو رب البیت اپنے بطون میں غوطہ زن ہو کر وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کی حقیقت میں مستغرق ہو کر حقیقی کعبۃ اللہ یعنے قلب میں جمال یار کا مشاہدہ کر کے اس کے اردگرد پروانہ وار صدقے اور بار بار بیشمار مرتبہ اس کے تصدق ہونے کا نام ہے۔ ہر ذرہ وجود دیکھو کہ ہر لحظہ و ہر آن طواف ہی میں مصروف مشغوف ہے۔ دیکھو ذرا غور سے دیکھو تم جس کو گردش خون سمجھتے ہو۔ وہ درحقیقت طواف کا دورہ ہے آلودگیوں سے۔ کثافتوں سے غلطتوں سے بھرا ہوا سیاہی مائل خون دوڑا دوڑا کعبہ قلب کی طرف آکر شش یعنے پھیپھڑے کے مطاف میں ہو کر طواف کرتا اور اس کے صدقے ہوتا ہے۔ کعبہ قلب اس کے طواف کو قبول کر کے اس کی کثافتوں کو دور کر دیتا اور اس کی سیاہی کو زائل کر کے سرخ روئی بخشدیتا ہے۔ اس عروج کے بعد پھر خون نزول کرتا ہے۔ گردش کرتا تنزلات کے دور سے گزرتا سیاہ ہو کر دوڑا ہوا آتا اور پھر طواف قلب کرتا ہے۔ بقول ؎

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ؎ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ۔

یہ طوف پتھر سے خون کو سُرخ و صاف کر دیتا ہے۔

داخلہ بیت شریف | کعبۂ محترم و معظم کو اپنی روحی حضرت اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے اسلام کا نقطۂ نظر کہا کیا خوب اجمال میں تفصیل کے دریا بہا دیئے ہیں۔ ہر مسلمان کی دو انتہائی آرزو ہوا کرتی ہے۔ درجۂ اول میں تو زیارت مدینہ منورہ اور گنبد خضرا کے نیچے دل و جان کو قربان کرنا۔ دوسرے زیارت بیت اللہ شریف کسی مسلمان کی یہ انتہائی پہنچ اور حد کی رسائی ہے۔ کہ وہ اللہ کے گھر تک پہونچ جائے۔ اس کو دیکھے۔ اس کے ارد گرد صدقہ ہو جائے سات چکر طواف کے لگائے اور مقامات مقدسہ پر قربان ہو جائیں۔ ساتوں پردے اٹھ جائیں اور وہ اس حدیث صحیح کا مستحق ہو جائے کہ طواف کرنے والا ابھی اپنا پہلا قدم اٹھاتا ہے کہ اس کے تمام گناہ معاف ہو کر بے شمار حسنات اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیئے جاتے اور ساتھ خصوصی رحمتوں کا وہ مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس گھر کے باہر کا حال تھا۔ اللہ اللہ جن خوش بخت اور خوش نصیب انسانوں کو خانہ کعبہ کے اندر داخلہ میسر ہو جائے ان کے بخت رسا کی بلندیوں۔ ان کی قسمت کی کامگاریوں کا کیا ہی کہنا ہے۔ مالک کے بے نہایت فضل نے ہم کو یہ زندگی کا سب سے کامیاب موقع مرحمت فرما دیا۔ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

روز پنجشنبہ کو میرا و مولانا نے شیبی صاحب کلید بردار خانہ کعبہ سے ملاقات کر کے
ہم سب لوگوں کے لئے داخلۂ کعبۂ محترم کا پروانہ اور تحریری اجازت نامہ حاصل
کر لیا تھا۔ شب جمعہ کو ہم پچھلی رات تک حرم شریف ہی میں رہے۔ اور اندر
داخلہ کا انتظار کرتے رہے۔ دوسرے دن جمعہ کو نماز صبح کے بعد حضرت والد ماجد
کو لے کر حرم شریف ہی میں گئے۔ اور مقام ابراہیم پر پہنچ کر دو رکعت تحیۃ
پڑھے۔ مقررہ وقت کے دو گھنٹے بعد یعنی ساڑھے آٹھ بجے صبح کو خانہ کعبہ
کا دروازہ کھلا اور سیڑھی لگائی گئی۔ حالانکہ ہم لوگ دروازہ کھلنے سے پہلے
سیڑھی کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے۔ مگر ہجوم کا یہ حال تھا کہ ہر وقت
اور اس درجہ کی کشمکش تھی کہ الامان والحفیظ۔ ہر طرف ہر سمت سے لوگ
عشق سے بیتاب جوش و شوق سے باہر کھلے دروازہ کو دیکھ کر جنون سے سرشار ہو کر
پوری طاقت سے اپنے اطراف والوں کو دبا رہے تھے۔ کھینچ رہے تھے
جیسی کہ تو کسی طرح نہیں ہے۔ سانس دشواری سے لیا جا سکتی تھی۔ ہم لوگوں
کو اپنی تکلیف کی پروا نہیں تھی۔ مگر حضرت والد ماجد کی سلامتی کا
خیال تھا۔ اس لئے ان کے اطراف حلقہ سا بنا کر ان کی حفاظت کیا ہی تھی
بارے نزع کی سی کشمکش کے بعد سیڑھی کے ذریعہ ہم لوگ اوپر پہنچے۔

دیکھو یے پڑھتے جس طرح جنت میں جانے سے پہلے پُل صراط سے گزرنا لازمی ہے۔

اسی طرح داخلی خانہ کعبہ سے پہلے سیڑھی گویا ایک پُل صراط ہے۔ کوئی سہارا نہیں۔ کوئی پکڑ سکنے کی جگہ نہیں اور پیر جمانا بڑی سخت مشکل کہ نہ معلوم کس مصلحت سے سیڑھی کے زینے بجائے سیدھے ہونے کے ترچھے بنائے ہوئے ہیں۔ آخری سیڑھی پر ہم قریب تھا کہ پھسل کر نیچے جا پڑتے۔ اور ہجوم کے قدموں میں کچلے جا کر کیا پتہ کیا ہوجاتے کہ اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت سے اُن کو سرفراز فرمائے محترم حقانی صاحب نے ہاتھ کا سہارا دے دیا اور ہم اوپر آسکے سخت شدید کشاکش کے بعد داخلی خانہ کعبہ سب کو الحمدللہ نصیب ہوگئی۔ وہاں کی حالت کیا کہی جائے۔ خوش بختی، کامگاری اور عالم ناسوت ظاہری میں عروج کی یہ انتہائی حد ہے۔ عجب حال طاری ہوگیا۔ عجب طوفان گریہ امنڈا۔ دریائے رحمت خاص جوش و خروش میں تھا۔ طوفانی سمندر کی طرح قطرات اشک برس رہے تھے اور دل کی کھیتی کو سرسبز کر رہے تھے۔ ہمارے طریق میں احوال خاص کا بیان علانیۃً ممنوع ہے۔ مگر تحدیث بالنعمت کا بھی چونکہ حکم ہے۔ اس لئے باتباع حکم صرف چند

اشارات کئے جا سکتے ہیں۔ رازوں کا بیان نا اہلوں کے سامنے کرنا رازوں کو کھونا، اور خدانخواستہ اگر وہ نافہمی سے اس کا انکار کر دیں تو اُن کو ڈبونا ہے، تاہم سہ

"اے جیبیرا کرامن معذور دار مارا"

<u>فتوحاتِ مکیہ</u> داخلی کے دروازے کے سامنے والی دیوار کے پاس جب دو رکعت نماز ادا کی تو حجابات مرتفع ہو کر تمام عالم اور جو کچھ اس میں ہے ہر تفصیل کے ساتھ اس طرح سامنے آیا جیسے ہم ہتھیلی پہ رکھی ہوئی کسی چھوٹی سی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ روئے اور سجدہ کر کے عرض کیا کہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہ آفاق کی آیات ہیں جو ہمت دکھلائے ہے۔ طے سلوک کے وقت ہم نے بے شمار عوالم اور نورانی حجابات دیکھے ہیں اور خوب سیر کی ہے۔ ہم پر رحم فرمایئے اور ذرہ سا پردۂ رخسار سرکا دیجئے۔ جب ثانی ہمت میں جو بہر تحیت میں میزاب رحمت اور اسی طرف مدینۂ پاک ہے۔ رخ کر کے دو رکعت نماز انتہائی طوفان گریہ و زاری میں بمشکل ادا کی۔ کیا کہیں کہ کیا دیکھا۔ کیا سنا۔ وہ خود فرماتا ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس رہتا ہوں۔ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ۔ حضرتِ امجد کے اکثر یہ الفاظ شعر کی صحیح

تصویر سامنے آگئی ہے

دل کی شگفتگی نے آج جوڑ دیا کسی کے ساتھ
دیکھ لیا رنج نے بھی اس دریتیم باز سے

کچھ کہہ ڈالوں ہے

سر کشم تا نہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

بجلیاں کوندیں۔ تجلیات لامتناہی کا بے پایاں سمندر اس زور و شور سے متلاطم ہوا کہ چشم روحانی بھی چکا چوندی ہو گئی۔ کچھ نظر جمی۔ ٹھہری تو کچھ دیکھا وہ حسن وہ جمال وہ حالت۔ وہ چشم سرمگیں کی برق آسا چوٹ کہ واللہ بالکل طاقت بشری سے خارج ہے کہ ایک شمہ اس کا کسی طرح بھی بیان کر سکے۔ ہے

اے مثل تو در حسن بشر خوش بشرے نیست
اے بے ہمہ و باہمہ واللہ بشرے نیست

بشر کی شکل مگر بشر ہرگز نہیں من رانی فقد رای الحق کے مصداق عجب کرشمہ و ناز ہے

زہے تراوشِ جوشِ شیونِ احسانی
ظہورِ خاص کو خوش آئی وضعِ انسانی

ذاتی قمر بار اپنی پرچیں کا حسن و جمال ناقابلِ بیان ہے۔ شوریدہ صفوفتاں
بائیں پر چاند کی لمعاتی نور سے بکھرے ہوئے ہر جُز پر اس قدر حسین و جمیل
آنکھیں کہ ہر آنکھ پر دل چاہے کہ ہزار بار تصدق ہوتا ہوں۔ اب معلوم نہیں یہ
احد ہے یا احد تمثال سے عربی حد تمثال بن آگیا تھا۔ عاقبت آں۔
شکلِ عرب دار برآمد" کہلانے والے ہر ادیت جمال سَم بر انی کی جلوہ گری
تھی معلوم نہیں معلوم نہ کر سکے۔ معلوم نہ کرایا گیا۔ بہرحال بیخودی کا عالم سرشاری
کمال میں عالمِ ناسوت کے چند سکنڈ کے اندر جو لاہوت و جبروت کے سالہا
سال کے برابر طویل تھے نہ معلوم ہم نے کتنے روحانی سجدے کر ڈالے ؎

اُس پائے نازنیں پہ جبینِ نیاز تھی
واللہ کیا نماز ہماری نماز تھی

کیسے کیسے پروانہ وار تصدق و قربان ہوئے۔ نشانی ہاتھوں سے اس رُخ کے
منور اور پیارے مکھڑے کی بلائیں لیتا تھا کہ سورج ایک نقطہ میں سما گیا۔
تجلیاں جو لامتناہی زمان و مکان کی قیود سے مبرا و منزہ ہیں روح کو نواز رہی

تھیں سمٹیں۔ اور آور ہمارے کعبۂ قلبی دل جلوہ گاہ خاص میں سماگئیں۔

ہم نے سمجھا ؎

کن روزِ ازل نعرۂ مستانۂ دل تھا
نقشِ دو جہاں گردشِ پیمانۂ دل تھا

واللہ کیا قلب کی بھی سمائی ہے۔ کیا قلب کی بھی رسائی ہے۔

آج اور صرف آج صحیح معنوں میں ہمارا دل کعبۃ اللہ ہو گیا۔ ہم کعبہ میں کیا داخل ہوئے کہ کعبہ والا ہمارے دل میں سما گیا اور دو ستونوں میں بھی حسب معمول نمازیں پڑھیں۔ مگر کیا پڑھیں کس طرح پڑھیں عالم مدہوشی اور انتہائے بیخودی سے کچھ یاد نہیں۔ کچھ خیال نہیں۔ آفاق کے بعد انفس میں آیات کے مشاہدہ نے ایسا سرشار کر دیا کہ ما حول گم تھا۔ ہوش جب درست ہوئے کہ جناب محترم شیلی صاحب کلید بردار کعبۃ اللہ ہمارے سر پر کلید کعبہ رکھ کر دعا گو تھے۔ ہم تھے۔ اور نے بوقت کمال لطف سے یادگار دی تھی کعبہ ایک چاندی کی انگوٹھی مرحمت ہوئی جو ہم نے دائیں ہاتھ میں پہن لی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جسم اور واح اس درجہ سبک ہو گئے ہیں کہ جیسے شکم مادر سے ابھی دوبارہ تولد ہوئے ہیں۔

اے خدا قربانِ احسانت شوم

دوگانہ شکرانہ داخلی کعبۃ اللہ شریف حطیم میں ادا کیا گیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم

کچھ اور سرفرازیاں | ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ یوم یکشنبہ کے کچھ حالات سنیئے۔ میرے ارحم الراحمین کے لاانتہائی فضلِ خاص کی سرفرازیاں تمام سفرِ حج کے ہر ہر مرحلہ پر محیر العقول طریقوں سے ایسے مبرہن طور پر ظاہر ہوتی رہیں جس کا کوئی حد و شمار نہیں ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ہر دشواری انتہائی سہولت کی شکل میں مبدل ہوتی رہی۔ اور میرے اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم مالک نے اپنے گنہگار نابکار ادنیٰ سے ادنیٰ بندے کو اپنے کرم سے ایسا نوازا کہ میرا کوئی لمحہ ادائے شکر گزاری سے شاید ہی خالی گزرا ہو۔ چونکہ اس نے فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (تم شکر کروگے تو میں اور زیادہ رحمت کروں گا۔) عملاً ہر قدم پر ازدیادِ نعمت مشاہدہ میں آ رہا ہے۔ صرف آج کے نمازِ ظہر کی واردات سنیئے۔ طوافِ عمرہ و سعی ختم کرنے کے بعد گزشتہ چہارشنبہ کو لباس معمولی تبدیل کیا تھا۔ [illegible] لباس میں آج [illegible] داخلی خانہ کعبہ [illegible]

کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ اس کو تبدیل کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ظاہر ہے
کہ مرکز نشیب و فراز تھا۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے حرم محترم میں
الحمد للہ ادا ہو رہا تھی۔ نماز ظہر کے وقت جیاد امنگیر ہوئی کہ اس وقت
کیفیت پیدا ہو کیا جماعت میں شامل ہوں۔ اور جماعت میں بھی کیسی
بلا مبالغہ تقریباً ایک لاکھ نفوس کا اجتماع۔ کسی نے کان میں کہہ دیا۔ یوں
تعبیر فرما لیجئے کہ نفس فلکی تھا کہ داخلی کعبہ کے ساتھ ہی کعبہ والا بھی تو آپ کے
حریم دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلوہ فگن ہو چکا ہے۔ دل میں آ گیا ہے
وہ صرف بطون کو دیکھتا ہے ظاہر کو نہیں۔ یہ سنتے ہی جائے نماز جس پر ہمیشہ
اپنے مطب میں سالہا سال سے مغرب کی نماز جماعت سے پڑھا کرتے
تھے۔ لئے ہوئے حرم شریف میں جا کر بیٹھے ہی تھے کہ عقب میں ایک زمزمی
کمسن یتیم بچے کی زمزمی ٹوٹی اور ہم زمزم میں نہا گئے۔ دل کی کلی خوشی
میں کھل اٹھی اور باغ باغ ہو کر زمین پر بہتے ہوئے زمزم میں اپنی
جائے نماز کو حصول برکت کیلئے حرم شریف میں لے جایا کرتے تھے تر بتر
کر لیا۔ ؎

خلعت زمزمی ملا اس کے حریم پاک سے

زمزم والا تعجب سے رونے لگا کہ اس کی صراحی شکستہ ہو گئی۔ پھر تو اس کو
ایک پیالہ دے دیا۔ شراب بنتے لگے تو جو صراحی ٹوٹی تھی تجھے کیا خبر اس
پردے میں کس پر کیا۔ ... ہوئی۔ کم از جاے ... زمزم ...
ہو گئی وہ تو اپنے عروج کمال سے بلیت مجود عبودیت کو پہنچ گئی۔ یا ...
ہم ہمارا نفس نجس تو ایسا تھی اشد ... یہ پہلے سے کہ ظاہر نفس سے
مس نہیں ہوتا۔ شاید اس کے لئے ہوں "یہ شعر ارشاد" کہا گیا ہوگا۔
البتہ روح و کسی پر تو جمال سے جگمگا رہی ہے۔ اور قلب دل صحیح معنوں
میں کعبہ اللہ بن چکا ہے۔ غرض کہ مجموعہ اضداد جمع ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ
فضلِ ربی سے مجالست کے باعث روح و قلب کا پر تو نفسِ خبیث پر بھی پڑ جائے
اور لوامہ سے ہمیشہ کیلئے عروج حاصل کرکے وہ مطمئنہ بن جائے۔ یوں تو اکثر وہ
مطمئنہ بھی ہو جایا کرتا ہے مگر اس حالت کو ثبات نہیں ہے۔ مستقل ثبات کیلئے
عرض کی۔ آواز آئی کہ بہت حرص نہ کرو۔ اب پاؤں پھیلانے لگے۔ پیغمبرانِ
اُولوالعزم تک نے جب یہ کہدیا لَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَ
مَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ تمہاری کیا ہستی اور کیا طاقت ہے۔ مکروہات
دنیاوی کے کیچڑ میں گلے تک تو دھنسے ہوئے ہو اور ہر لحظہ یکساں مطمئنہ رہنے دا

نفس بھی چاہتے ہو۔ یہ کشاکش، یہ باہمی جدل، یہ کھینچا تانی جو نفس،
قلب اور روح میں ہوتی رہتی ہے یہ خاص ہماری مشیت ہے۔ ہماری
یہی مرضی ہے۔ ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ ہاں مرنے سے پہلے تمہارا رب
تمہارے نفس کو جو کامل اور اکمل مطمئنہ ہو چکا ہوگا اپنی طرف بُلا لیگا۔
اور اپنے خاص بندوں اور اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ اُس وقت
تم کو ندا آئے گی یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ
رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔
بشرطیکہ استقامت سے تمہارے قدم نہ ڈگمگا جائیں۔ روح عبادت
خدمت خلق کو سمجھ کی طرح سمجھ کر اُس پر عمل پیرا رہو۔ محبت کی سرشاریوں
میں جیسے ڈوبے ہوئے ہو اور ڈوب جاؤ اور گہرائیوں میں اتر جاؤ۔ ورنہ
ٹھہر دا سمجھ لو کہ موجودہ حالات و احوال ایک لمحہ میں سلب بھی کر لیئے جا سکتے
ہیں۔ یہ تنبیہہ یہ سرزنش سنکر ہم ہوش میں ہوگئے اور سمجھ میں آگیا کہ
اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اور یہ کہ وہ ذات تعالیٰ بے نیاز
اور غنی عن العالمین ہے۔

یَا خَالِقَ الْاَکْوَانِ بِالْلُطْفِ عَامِلْنِیْ ، لَیْسَ الْعَمَلُ یُوَفِّیْكَ اَنْتَ الْغَنِیُّ عَنِّیْ

ہمارے لئے تو بس ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ شیوۂ عاجزی و خستگی نہ چھوڑنا اور عبدیت کے بے نہایت رشتہ کو استواری سے پکڑے ہوئے رہنا ہے کہ مقام عبدیت سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے اسی میں سب کچھ تھا اور سب کچھ ہے۔ بقول حضرت اصغرؔ ہے

رشتۂ عبدیت نہ توڑ شیوۂ بندگی نہ چھوڑ

خادم کتب | جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود خادم اسلام کی ایسی منفرد ہستی اور مایۂ صد نازش و افتخار ہیں جو صدیوں میں کبھی کبھی مرضی باری تعالیٰ سے اقوام عالم کی نشاۃ ثانیہ کیلئے منصۂ شہود پر ظہور کرتی ہیں۔ ان کے تمام حالات زندگی خوارق عادات سے مملو اور محیرالعقول کارناموں سے مزین ہیں۔ آپ کی غیر معمولی بسالت شجاعت اور تہور کے حالات قرن اول کی یاد دلاتے اور خالد ابن ولید سیف اللہ کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ نے صرف چالیس مجاہدین کی مختصر جماعت سے جدوجہد کا آغاز فرمایا تھا۔ عقل ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتی ہے کہ آپ نے صرف دس نفوس کی ہمراہی میں اپنے قدیم آبائی پائے تخت ریاض پر قبضہ فرما لیا تھا۔ اس درجہ مدبر۔ دور اندیش۔ غیر معمولی فہم و فراست کے حامل

اور مکارم اخلاق سے قرآنہ ترہیں۔ میرا اتفاق ہے کہ عالم اسلام کی زندگی جدید کے
دور سعودی حکومت کا آغاز ہی شمار ہوتا ہے۔ وہ جس کی جھلکیاں مملکت عربیہ کے
اندر ہر طرف نظر آرہی ہیں جلالۃ الملک سلطان ابن سعود کا بہت نمایاں مقام
ہونے والا ہے۔ سلطان کو خدا کے فضل سے وہ بینائی ملی ہے جس سے ایمان ایسے
غیر معمولی صحیح الفطرت عالی شان انسان ملے ہیں جن کو تفصیل اشکال و عدیم النظیر
کہا جا سکتا ہے تو بھی بیجا نہ ہوگا۔ سفر نامہ کے ترجمہ ناظرین کو یہ ملحوظ رہے کہ فقیر دعا گو کو
سلطان ابن سعود یا ان کی مملکت سے کوئی ذاتی تعلق یا ان سے کوئی شخصی ذاتی
مفاد نہیں ہے کہ یہ گمان کیا جا سکے کہ ان کی تعریف و توصیف کی جا رہی ہے
میرا قلم حقیقت نفس الامر کو لکھ رہا ہے۔ میں جماعت اہل حدیث میں سے بھی نہیں ہوں
کہ یہ تعریف کے پل باندھ دوں جس کو ابتدا ہی سے حضرات کے طعن و تشنیع کا نشانہ
ہونے والے حضرات صوفیائے کرام کا نام لیوا ہوں۔ یہ حال اب اصل خادم کعبہ
کی خدمت کا حال بھی سن لیجئے۔ ذوالحجہ کی رات تاریخ کو حرم شریف میں تشریف
لائے۔ زائرین کے بہت ہونے سے شدت ہوئی بڑی سیڑھی جو چاہ زمزم کے حجرہ کے
قریب رکھی ہے لگائی گئی۔ اس سیڑھی کے ذریعہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔
تقریباً چالیس پچاس چھوٹی قد و قامت کی جھاڑو جن کو ایک جگہ باندھ دیا گیا تھا۔

مالی امداد ان کو پیش کی گئی اور انہوں نے داخلۂ کعبہ اقدس میں تیسری بار اپنے ہاتھ سے خود
جاروب کشی کی۔ بعد ازاں زمزم کے کنویں میں گلاب مشک و عنبر اور
زعفران گھلا ہوا تھا اس سے بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ کو انہوں نے
خود غسل دیا اور ان خدمات کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ چونکہ ناظم الاخوان
حکیم عبدالقادر صاحب انصاری جلالت الملک کے معالج خاص ہیں۔ اس لئے ایک
جاروب اور غسل کا پانی ان کو تبرکاً عطا ہوا۔ اور انہوں نے از راہ عنایت
مجھے دے دیا۔

تبدیلی تاریخ کر دی گئی | آج خطبہ میں معلوم ہوا کہ عید الفطر بجائے منگل کے دوشنبہ کو
ہوئی ہے۔ اس لئے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ پنجشنبہ کو مطابق ۷ نومبر ۱۹۳۵ء
یہاں قرار پائی۔ اس طرح عرفہ یا یوم الحج چہارشنبہ کو معین ہو گیا۔ یعنی ساتویں
تاریخ سے پہلے اور موتمر کے لئے وزیر صاحب مملکت حجاز کے یہاں برابر وعدہ
وعید ہو رہے تھے اور انہوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا مگر وہ حسب وعدہ پورا نہ
کر سکے اور سخت مجبور تھے۔ اس لئے تحریک وحدت عربیہ کے بعد سے حجاز
اور مصر کے تعلقات بیش از بیش استوار اور باہمی ربط بہت ہی قریب ہوتا
جا رہا تھا۔ شاہ فاروق والی مصر نے پہلے اقدام کیا اور حجاز آ کر ملک ابن سعود

سے ملے۔ پھر ملک صاحب قاہرہ جانے والے تھے۔ حج کی وجہ سے رک گئے
مصر سے اس سال نہایت سربرآوردہ ارکین حکومت حج کے لئے آئے ہوئے تھے
اور عام مصری حجاج بھی اور سالوں سے زیادہ آئے ہوئے تھے۔ ایک تو مصری
معزز حجاج کے لئے حکومت کی سب موٹریں وقف تہیں۔ اور دوسرے
اس سال نجد سے بکثرت مسلح فوجیں آئی تھیں۔ ٹرکس اور لاریوں میں بھری
ہوئی یہ مختلف فوجیں آرہی تہیں۔ اور ہر طرف فوجی نقل وحرکت کے غیر معمولی مناظر
نظر آرہے تھے اور زبردست حربی مظاہرہ میکانک فوجوں مشین گنوں
اور جدید آلات حرب کا مکہ معظمہ منیٰ اور عرفات وغیرہ میں کیا گیا تھا۔
انہیں غیر معمولی فوجی مظاہرکی۔ صرف دو وجوہات بادی النظر میں سمجھ میں
آتی ہیں۔ ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب معمول سالانہ ۸ ذی الحجہ کو
سربرآوردہ ممالک اسلامیہ کے ایک ہزار منتخب حجاج کو ملک ابن سعود
والیٔ حجاز نے اپنے محل میں مدعو کیا تھا۔

دعوت سلطانی منتخب دعوتیوں کو مخصوص کارڈ بھیجے گئے تھے۔ سب
دعوتی ایک بہت بڑے ہال میں جس میں ایک وضع قطع کی تقریباً ڈیڑھ ہزار
کرسیاں بچھی ہوئی تھیں بٹھلائے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک عربی نقیب نے

بلند آواز سے کہا۔ جلالت الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود اور ملک صاحب برآمد ہوئے۔ معمولی سرخ عربی رومال اور عقال سر پر تھا اور بادامی رنگ کا اوسط قسم کا عبا جسم پر۔ غیر معمولی طویل القامت ہیں۔ نہایت لحیم و شحیم۔ عقابی ناک۔ ایک آنکھ میں نقص ہے دوسری آنکھ اس قدر تیز کہ مخاطب کے دل و دماغ کی خبر لیتی ہے۔ ملک صاحب نے سلام میں تقدیم کی اور حضار مجلس کو السلام علیکم کہا۔ پھر اپنی خاص کرسی پر متمکن ہوئے۔ ملک صاحب کے ایک جانب مولانا ئے تونس اور دوسری جانب مصری پاشاہ تھے۔ حضار مجلس پر گلاب چھڑکا گیا۔ پھر بازو کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اندر ہر طرف کھانوں کی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ملک صاحب اٹھے اور مہمانوں کو لے کر کھانے کی میز پر تشریف لیگئے۔ کھانے کی میز پر بڑے بڑے طباق میں سالم بھنا ہوا دنبہ جس کا نام عرب میں کوزی مشہور ہے رکھا ہوا تھا۔ طباق کے اطراف خیبرٹ پلاؤ اور ٹماٹر پلاؤ تھا۔ میوے اور ایک دو طرح کے عربی سالن بھی تھے۔ کئی اقسام کی روٹیاں تھیں۔ کھانا کھلانیوالے خدام بڑے بڑے چھرے لیے ہوئے مسلم دنبے کو کاٹ کر مہمانوں کو پیش کر رہے تھے۔ عرب حضرات تو اس طرح بے تحاشہ گوشت کے

تکے اڑ رہے تھے کہ ہم ہند وستانی کم خوراکوں کو دیکھکر تعجب و حسرت ہوتی تھی ۔ بہرکیف کھانا ختم ہوا ۔ بعد طعام ملک الحجاز سلطان ابن سعود کا ایک معمول یہ بھی ہے کہ تقریر کیا کرتے ہیں ۔ اس سال ان کی تقریر از حد پُرجوش اور بعید دور رس نتائج کی حامل تھی ۔

تقریر سلطانی انہوں نے کہا کہ اقوام جو ہری بم کی ایجاد کے بعد سے از حد نخوت و تکبر سے چور ہو گئے ہیں اور ہم کو مسلمانوں کو ۔ جوہری بم کی تخریبی اور فنا کرنیوالی قوت سے ڈرانا اور مرعوب کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ سن لیں کہ ہم مسلمان ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ اگر ان کے پاس جوہری بم ہے تو ہمارے لئے ہمارا ایک واحد خدائے قہار کافی ہے ۔ وہ خدائے قہار جس نے ناچیز ابابیل کے ذریعہ چھوٹی کنکری سے اصحاب فیل کو دیکھتے دیکھتے ملیا میٹ کر ڈالا ۔ ہاں ہمارے لئے ہمارا اکیلا خدا کافی ہے ۔ اس پر توکل ہمارے لئے کفایت کرتا ہے ۔ اتحادی اقوام کان کھول کر سن لیں کہ اگر انہوں نے فلسطین کے معاملہ میں اپنی ناجائز کارروائی ختم نہ کی اور اسی طرح قوت کے بل پر وہ یہودیوں کا وہاں عمل دخل کرواتے رہے تو میں جہاد کا اعلان کر دوں گا ۔ میری تمام مملکت ۔ تمام

حجاز۔ میرے سب بال بچے اعلائے کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کے حقوق کے لئے راہِ خدا میں
شہید ہو جائیں گے۔ جوہری بم سے اتحادی کس کو ڈرانا چاہتے ہیں مسلمانوں کو جو موت کو
کھیل سمجھتے ہیں۔ جو شہادت کی موت کیلئے ہر وقت بیقرار اور اس کی دعا کرتے رہتے
ہیں۔ ہم مسلمان نہ موت سے ڈرتے ہیں اور نہ مادی ہتھیاروں سے کبھی خوف زدہ ہوتے
ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں تقریر کے شاید عملی مظاہرے کے لئے ملک الحجاز والنجد نے اپنی
فوج معہ در موج جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح اور لیس طلب کر کے اس کا مظاہرہ کروایا
تھا یا ممکن ہے کہ مصری سربراہ وہ حجاج کو اپنی حربی طاقت بھی دکھلا دینا چاہتے ہوں۔
بہت سی نجدی گھوڑے سوار افواج منیٰ اور عرفات کے راستہ میں حج سے پہلے احرام
پوش ہو چکنے باوجود کمر پر اُلقل اور سینہ پر کارتوس کی پیٹیاں باندھے ہوئے لانبے
کندھوں تک گھنگریالے بال ننگے سر گھوڑوں پر سوار بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔

بہر حال تذکرہ اس بات کا تھا کہ باوجود وعدہ کرنے کے اشتد شدید جد و جہد کے بعد
وزیر صاحب ایک موٹر بس جس کو عرب میں بکس کہتے ہیں سات نشستی عنایت کی اور
تباریخ ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ یوم شنبہ ظہر کے وقت ہم لوگ مکہ معظمہ سے روانہ ہو گئے۔ اور
بعد عصر جگہ منیٰ پہونچ گئے۔ معلم صاحب نے ایک ایسا خانہ ٹھیرنے کے لئے تجویز کیا
جس میں صرف ایک نہایت تنگ حجرہ تھا۔ اور نہ اس میں صحن۔ حالت اس قدر تعظیم تھی کہ

صحن کی چھت جا بجا سے منہدم ہو گئی تھی اور شگاف پڑ گئے تھے اور
بالاخانے کے حجرے کی چھت اس حال میں تھی کہ جہاں ذرہ بھی زور سے
قدم رکھا جاتا تھا تو دہل جاتی تھی۔ اور کرایہ تین سو روپیہ اس کو
ناقابل قیام سمجھ کر مجبوراً ایک رات کیلئے ایک دوسرے دہرے
کمرے میں ہم لوگ منتقل ہو گئے۔ آجکل حجاز میں ہندوستان کی طرح
حد سے سوا گرانی ہے۔ اور اشیاء کی قیمتیں کئی سو گنا زائد ہو گئی
ہیں۔ اور چونکہ کئی سال کے بعد ہندوستان سے حجاج آسکے ہیں۔
اس لئے ملکی عرب تہیہ کئے بیٹھے ہیں کہ ہو سکے تو جسم کے کپڑے تک
اتروا لیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کی گذر بسر بھی
صرف حجاج کی آمد پر منحصر ہے۔ مگر نفع ستانی کی بھی ایک حد ہوا کرتی ہے
اس سال تو اس کی کوئی حد معلوم نہیں ہوتی۔ پہلے کبھی ایسا بالاخانہ
جو قریب الانہدام ہو اس میں غریب غربا چند ریال دے کر ٹھہر جاتے
تھے۔ اب اس کا کرایہ تین سو کر دیا گیا ہے۔ اور مرمت جس چیز کا نام
ہے شاید مالک مکان اس کو جانتے تک بھی نہیں۔ بہرحال ایک
رات دوسرے دہرے حجرہ میں جس کو واپسی عرفات کے بعد ٹھہرنے

کے لئے مصریوں نے ایک ہزار روپیہ میں لے لیا تھا۔ گزارکر ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد بس میں عرفات روانہ ہو گئے۔

عرفات | وقوف عرفات ہی حج کی اصل روح رواں ہے۔ اور فرائض حج میں سب سے اہم اور ایسا اہم فرض ہے کہ اگر خدانخواستہ فوت ہو جائے تو حج نہیں ہوتا۔ حج کے فقہ حنفیہ میں تین فرائض ہیں ایک احرام۔ دوسرے تو تاریخ ذالحجہ کو وقوف عرفات۔ اور تیسرے طواف زیارت وسعی فضل ربانی کے بے نہایت کرم نے ہم کو یہ زندگی کی کمال کامرانی کا دن دکھلایا کہ ہم بھی لبیک لبیک لا شریک لبیک کہتے ہوئے میدان عرفات میں جا پہونچے والدہ ماجدہ نے آج باوجود ہم سب لوگوں کے منت وسماجت منع کرنے کے یہ فرما کر روزہ رکھ لیا کہ میں نے منت مانی تھی۔ ایک تمبو خیمہ معلم صاحب نے لگایا تھا اس میں زنانہ ٹھہر گیا۔ باہر ایک بڑا خیمہ شامیانے کی طرح عام حجاج کے لئے معلم صاحب نے لگوا دیا ہم بھی ہیں ٹھیرے رہے۔ ہر انسان کے داہنے اور بائیں جانب دو غیر مرئی مخلوق مشیت ایزدی سے جنیک وہ تقید حیات رہے

علاوہ کراماً کاتبین کے جن کا کام نامۂ اعمال کا لکھنا ہے رہتی سہتی ہیں۔ بائیں طرف والی مخلوق ناری ہے اور نوع شیاطین ہیں سے ہے۔ اِس کا نام خناس ہے اور وہ مدام وسوسے ڈالنے اور بُرائی کی طرف رغبت دلاتے رہنے کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ اور جانب یمین یا داہنی طرف کی مخلوق قطعی نوری اور ملائکہ کی جنس سے ہے۔ اُن کا نام نفس فلکی سمجھ لیجئے۔ وہ ہمیشہ خنّاس کے وسوسوں کا توڑ کرتے رہتے اور انسان کو نیکی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے نفس فلکی کو تقویت ہوتی رہتی ہے اور خناس مضمحل ہوتا جاتا ہے اور جو غافلین ارحم الراحمین کے ذکر سے اعتراض کرتے ہیں تو خناس مضبوط ہوتا جاتا قریب سے قریب تر ہوتا جاتا اور بالآخر نعوذباللہ انسان پر بالکلیہ مسلط ہو کر اپنی من مانی کروانے لگتا ہے۔ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَهُ قَرِينٌ نص قطعی کلام پاک کی ہے۔ میرے بائیں طرف والے نے سفرنامہ ہذا کے متعلق اپنی یہ رائے پیش کی کہ اس کتاب میں بجز بر خویش خود بینی۔

خودستائی اور بر غیر بدبینی و عیب گوئی کے اور دھرا ہی کیا ہے۔ نہایت لغو تحریر ہے۔ نور نفس فلکی نے آواز بلند ہر دو بات کاٹ کر کہا کہ یہ تبصرہ

عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْر۔ صرف نیت اور اخلاص کو دیکھتا ہے۔ تمام اعمال کی بنیاد اصلی اور حقیقی محض نیت ہے۔ آپ کی نیت خود ستائی و خود نمائی کی نہیں ہے۔ اور جس چیز کو بہ بدگوئی اور ہجو گوئی سے تعبیر کر کے لغو بتلا رہا ہے۔ وہ تو اصلاحی نشتر ہے۔ تاکہ اس سے برستے اور بہتے ہوئے ناسور اور زخم برہنہ ہو کر سامنے آنے کے علاوہ قلم کا نشتر مواد فاسد کو خارج کرا دے۔ میں آپکو تاکید کرتا ہوں اور جتلا دیتا ہوں جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ آپ یہ سفرنامہ کے لکھنے پر مامور کیئے گئے ہیں۔ اور آپ کو من و عن حالات کیفیات۔ مشاہدات۔ اور انعام جو فضلِ ربانی سے بہ سفر حرمین شریفین میں عطا ہوں وہ سب لکھنا چاہیئے اور ضرور لکھنا چاہیئے اس داخلی گفتنا و تنقید کے بعد میرا قلم اب آزاد ہے اور میں بعونِ اللہ تعالیٰ اپنے مالک میرے ارحم الراحمین کے جملہ انعامات کو نہایت آزادی و بیباکی سے قلمبند کر دوں گا۔ مجھے اس بات کا ذرہ برابر کوئی خیال نہیں ہے کہ اگر یہ سفرنامہ شائع ہو گیا تو اس کے محترم ناظرین اسکے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ خناس کی ہمنوائی کی جائیگی یا نفس قلبی کی ندا

توافق ہوگا۔ مجھے تو بس ایک کی رضا اور ایک ہی کی خوشنودی درکار ہے

میری سانس نند یا پھری تو پھری
مجھ سے پھر کیوں نہ جائے سبھی گاؤں رے
ایک تو نہ پھرے مجھ سے او ساؤں رے
میرے بیاں پکڑنے کی لاج ہے

آمدم بر سر مطلب تذکرہ میدان عرفات کا تھا۔ عرفات پہاڑیوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے۔ جو یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ کو ایک لباس ایک ہی صدا لبیک لگانیوالوں۔ عاشقان سوختہ دل اور سوختہ جانوں سے پٹ جاتا ہے۔ دیکھو اللہ میاں کا میلہ دیکھو۔ وہاں حد نظر تک ہر طرف خیمے اور طرح طرح کی رنگ برنگ علموں کی جھنڈیاں نظر آتی ہیں۔ کوئی کھانے پکانے میں مصروف نظر آتا ہے۔ کوئی تسبیح پھیر رہا ہے کوئی اوراد پڑھتا ہے اور کوئی کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ یوم الحج میں اس گدائے بینوا خسرو شاہ پر جو غیر معمولی فضل ربانی ہوا۔ اور جن نوازشات بے پایاں سے سرفرازی بخشی گئی وہ کما حقہ' ناقابل بیان ہے مگر کچھ تھوڑی سی کیفیت دو وجوہات سے عرض کیجاتی ہے۔ ایک تو بالکلیہ

عرفات جہاں حاجی خطبہ سنتے ہیں



بڑی حد تک ہم سے مرتفع فرما دیا تھا اور صفات تکوینی کا اشتد ظہور ہو رہا تھا۔ نہ حوائج بشری کا کوئی ذرہ برابر احساس تھا نہ بھوک پیاس تھی۔ بس اس کا ذکر پیہم مسلسل و ہر سانس کی آمد و شد میں جاری و ساری تھا۔
عصر سے پہلے دوران اوراد خوانی میں یکایک ایک خاص حالت و کیفیت ہم پر طاری ہوئی۔ ہم نے کامل اتحاد قلب و روح و زبان سے لبیک لبیک لاشریک لک لبیک تلبیہ ادا ہی کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ ہر ذرۂ ریگ صحرائے عرفات میں گویا لوڈ اسپیکر لگ گیا ہے۔ اور تحت و فوق یمین و یسار ہی نہیں ذرہ ذرہ سے ایک ندا۔ اے جان نواز بہ ہزاراں انداز محبوبی آنے لگی۔

کہ میرے بندے میں بھی حاضر ہیں۔ حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔
تو صرف حاضری ہوا ہے۔ میں تو حاضر ہی ہوں۔ اور ناظر بھی ہوں۔ تو نے صحف نعال اور نہ معلوم کتنی دشوار گھاٹیوں کو میرے لئے طے کیا ہے۔ نہ بہشت کچھ میرے لئے چھوڑ دیا ہے تو میری طرف ما سوا سے منہ موڑ کر آیا ہے۔ صرف میرے لئے آیا ہے میں جو محیط بالکل ہوں۔"

کچھ اور رُونمائی دے رہا تھا مگر یہاں تاب کہاں تھی کہ دو رُسن سکتے۔ رواں رواں رقص کناں وجد کاں ہوگیا۔ دل چاہا کہ تورا نہ حریت بجامۂ احترام بلکہ جامۂ ہستی کو اسی دم چاک چاک کرکے پرچے اُڑا دوں اور نذرانۂ جان اس جان نواز کے قدموں پر پیش کرکے جسم و جسمانیات سے تعینات و تشخصات سے یہ کہتا ہوا الگ ہوجاؤں کہ ؎

"قدموں میں تیرے جان دیئے جارہا ہوں میں"

مگر کسی نے فوراً دامانِ ہوش تھام کر تنبیہ کی کہ خبردار! ادب سے سنبھلے ہوئے رہو۔ فوراً سنبھل جاؤ۔ عنانِ ضبط جو ہاتھوں سے نکلی جارہی تھی تھام کر عرض کی کہ اپنے روئے زیبائی قسم ذرا سا نقاب بھی تو سرکا دیجئے۔ میرے روح کے دیدۂ دیدار طلب نے کیا قصور کیا ہے وہ بھی مشتاق جمال بے مثال ہے۔ پھر ہدایت ہوئی کہ ایسی بیجا درخواست نہ کرو۔ آج کے دن ایک خاص شان ہے اس کی تاب دید باوجود حد مثال میں آکر جلوہ نمائی کے بھی کوئی بشر نہیں لا سکتا۔ آج ایک خاص شان ستاری و غفاری کا ایسا اتم ظہور ہے کہ اگر ایک شمہ اس کا بشر بے پردہ دیکھ لے تو گناہ کرنے میں دلیر ہوکر بالکل گمراہ ہوجائیگا۔ اس گفتگو، تنبیہ اور فہمائش سے ہوش ٹھکانے آگئے۔

مگر بچھر ول میا یا کیا بک آہ پُر سوز سینہ پُر درد سے کھینچوں۔ پھر کوئی اندیشہ ہوا اور کہا کہ یہ بھی نہ کرو۔ یہ مقام افشائے راز کے لیے نہیں ہے جیسے

گھٹ کے مرجائیں یہ مرضی میرے صیاد کی تھی

تعمیل حکم کیگئی۔ تمام جسم پسینہ میں غرق ہوگیا۔

عصر کی نماز کے بعد جیسے ہی دن ڈھلا ویسے ہی سینے میں دل بھی ڈھلنے لگے۔ ہر طرف سے گریہ وزاری اور آواز بلند دعاؤں کی صدا آنے لگی معلم صاحب نے اپنے حجاج کو دعائیں پڑھائیں۔ یہ خاص الخاص وقت ہوا کرتا ہے۔ اسی وقت خاص کے لیے مصیبتیں سہتے۔ معقول خرچ کرتے حجاج دور دراز سے میدان عرفات میں جمع ہوا کرتے ہیں۔ تجلی رحمت، تجلی نور پر حجاج کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ آنکھیں آنسوؤں کا مینہ برسا رہی تھیں اور زبانیں مصروف استغفار بخشائش گناہ و حصول مقاصد دارین تھیں۔ حد نظر تک تمام عرفات میدان میں ہر حاجی مصروف گریہ وزاری نظر آتا تھا۔ عجب حضوری حسب مراتب حاصل تھی۔ عجیب کیفیات کا ظہور تھا۔ اِدھر سے مانگ تھی اُدھر سے کمال رحمت کاملہ سے مانگنے اور طلب کرنے سے بھی بہت زیادہ مل رہا تھا۔ مدت العمر کے صغیرہ اور

کبیرہ گناہ ایسے معاف کر دیئے جا رہے تھے جیسے شکم مادری سے اس کے بندے پھر بے ہم ہو کر تولد پیدا ہو رہے ہیں ۔ دعاؤں کے اختتام پر باہمی مبارک باد اور دعا تقبلہ کا سلسلہ شروع ہوا ہم بھی زنانہ خیمہ میں گئے ۔ وہاں ہماری والدہ ماجدہ ہماری ربیبہ وہ جن کے مبارک قدموں کے نیچے ہماری جنت ہے غشی کی حالت میں روزے اور تکان کے باعث چٹائی پر لیٹی ہوئی تھیں ۔ ہم بے اختیار ان کے مبارک قدموں پر گر پڑے اور زار و قطار رونے لگے غشی سے ان کو ہوش آ گیا ۔ ہم سب نے ایک دوسرے سے خطائیں معاف کرائیں ۔ سورج اور نیچے ہونے لگے ۔ غروب سے ذرا پہلے بس میں سوار ہو کر ہم لوگ مزدلفہ چل دیئے ۔

وحشی عربی ڈرائیور اللہ اکبر ۔ شاید یورپ و امریکہ کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی شہر حتیٰ کہ بمبئی ، کلکتہ میں بھی اب کثرت سے ہر قسم اور ہر ماڈل کی نہ تو بیشمار موٹر کاریں ہونگی نہ دنیا کے کسی خطہ کے ایسے بے باک اور جری ڈرائیور ہوں گے محض حافظ حقیقی کا فضل اپنے بندوں اپنے حجاج مہمانوں کو بچا لیتا ہے ۔ ورنہ وحشی نیم مجنون عربی ڈرائیور حضرات تو موٹروں کو باہم ٹکرا کر ٹکرا کر مسابقت کر کے آگے نکل ہی جائیگی کوشش میں شاید ٹکرے ٹکڑے

کر ڈالیں۔ سڑک کی تمام وسعت کے علاوہ ہر جانب جہاں کوئی سڑک نہیں ہے۔ اور گڑھوں سے بھری ہوئی پتھریلی اور ناہموار زمین ہے۔ ہزارہا ہر طرح کی موٹریں مزدلفہ کی طرف رواں دواں تھیں۔ ہمارا ڈرائیور بھی بدقسمتی سے سخت وحشی تھا۔ ہاں ہاں کہنے پر بھی سڑک چھوڑ کر سخت ناہموار زمین پر ہولیا۔ بیسیوں دیوہیکل عظیم الجثہ فوجی ٹرکس تو ٹر سے ٹکر ہوتے بعض اوقات صرف انچوں کے فاصلہ سے بال بال بچ گئے۔ رواں دواں تھوڑی دیر میں مزدلفہ پہونچ گئے اور مشعر الحرام کے قریب ہی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ تاخیر سے مغرب و عشاء کی ہر دو نمازیں یکجا ادا کی گئیں۔

<u>مزدلفہ</u>: مزدلفہ کی یہ شب بھی عجیب ہوتی ہے۔ لق و دق سنسان میدان دیکھتے دیکھتے انسانوں سے معمور اور بھرپور ہو جاتا ہے گدھے خچر، گھوڑے، اونٹ، ہر طرح کی موٹریں سب گڈ مڈ کھچڑی بن کر جہاں جگہ مل سکے بک جاتی ہیں۔ عرفات اور خصوصاً مزدلفہ ہر دو جگہ اگر کوئی اپنے پڑاؤ سے ذرا بھی بھٹک جائے تو پھر ساتھیوں کا پتہ چلنا امر محال ہو جاتا ہے۔ اس رات کی بڑی فضیلت ہے۔ بزرگوں نے

اس کو شب قدر کے مماثل کہا ہے۔ اس لئے تمام رات ایک لمحہ کے لئے
بھی نہ سوئے اور اوراد و اذکار کا سلسلہ جاری رہا۔ محترمہ بھابی صاحبہ نے اسپرٹ
کے چولھے پر کئی بار گرما گرم چائے بنا کر ہم سب لوگوں اور پڑوسیوں کو پلائی
ذکر الٰہی کی سرگرمیاں گرمائی پہونچنے سے اور بڑھ گئیں۔ کھلا ہوا میدان
ہونے کی وجہ سے مزدلفہ میں کافی خنکی تھی۔ مگر سے

گرم فرماد رکھا شکل پنہانی نے ہمیں
تب ماں ابھر میں دی بر دلیانی نے ہمیں

نماز صبح سے پہلے موٹر بس اس لئے منگوائی تھی کہ منیٰ جا کر سویرے
سویرے بڑے شیطان کو کنکریاں مار کر فارغ ہو جائیں۔ مگر توبہ کیجئے
سخت وشدید وحشی ڈرائیور شاید اپنے بڑے بھائی کو کنکریاں مارنے کا
نام سن کر بھڑک اٹھا۔ بس میں بٹھلا کر سیدھے مزدلفہ سے منیٰ کو جائے
قیام پہ لا کر موٹر روک دی اور سواریاں اتار دیں۔ ہر چند سمجھایا۔ خوشامد
کی منت سماجت کی۔ کافی سے زیادہ لالچ دیا کہ بعض سواریاں کمزور
اور ضعیف ہیں پیدل رمی جمار کے مقام تک نہیں جا سکتے۔ مگر توبہ کیجئے۔
چھوٹے بھائی صاحب نے بھی وفاداری اپنے بڑے بھائی شیطان کا پورا

ادا کیا اور ٹس سے مس نہ ہوا اور موٹر لیکر چلتا بنا۔ پھر اسی نیم شکستہ کوٹھے پر قیام تجویز ہوا جس میں سے پرسوں شب نکل بھاگے تھے ۔

بر سرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگذرد

اگر زنانہ کو کوٹھے پر نہ ٹھیرایا جاتا تو دوسری تبادل شکل خیمہ میں قیام کی تھی اور عرفات میں اس کا تجربہ ہو گیا تھا کہ دن کے وقت خیمہ میں کافی سے زیادہ گرمی ہو جاتی ہے۔ کوٹھے کے تنگ کمرے میں اتنا فائدہ تھا کہ تازہ ہوا آ سکتی تھی۔ مگر نصف دن سے زیادہ دیر تک دھوپ بھی آتی تھی۔ پردے باندھکر دھوپ کو روکا گیا۔

منیٰ کے واجبات وسنن دس تاریخ ذیحجہ کو فقہ حنفی میں بترتیب ذیل ہیں۔

اول بڑے شیطان کو رمی کرنا۔ دوسرے ذبح۔ یعنے قربانی تیسرے حلق یا قصر یعنے بال کٹوانا یا منڈوانا۔ پہلے کام کیلئے تو ہم اور برادر معظم پیدل روانہ ہو گئے۔ الاماں وہ ہجوم خلائق وہ دھکا پیل وہ اژدہام گنوارٹ گندے، اور انسانوں کی یکجا نقل وحرکت تھی کہ محسوس ہوتا تھا اب پسے، اب گرے، اور اب دبے۔ اس پر طرہ یہ کہ نجدی

حضرات بے تحاشا حاجیوں کے مجمع میں سے ذرا برابر پروا ہ کئے بغیر اپنے اونٹ اور گھوڑے بے تحاشا دوڑا رہے تھے۔ محافظ حقیقی اپنے مہمانوں حجاج کا محافظ و نگہبان ہے۔ بڑے شیطان کے قریب تک پہونچ جانے کے باوجود کم توقع تھی کہ جلد رمی کر سکنے کا موقع مل سکیگا۔ اور ساتوں کنکریاں جو رات مزدلفہ میں جمع کیگئی تھیں۔ سات زبردست آٹیم بم کی طرح عزرائیل ثانی معلم الملکوت حال طوق لعنت الی یوم الدین پہنے ہوئے ابلیس اعظم یا شیطان کبیر پر یکے بعد دیگرے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے دے مارے۔

اسرار رمی جمار | اللہ اللہ کیا اشد شدید ذلت و خواری کیا زبردست عذاب الیم، ان تین دنوں میں شیطان علیہ اللعنۃ پر انسان کے ذریعہ نازل ہوتا ہے کہ جس خاکی پتلے کے سامنے سجدہ کرنے سے غرور و تکبر کی وجہ سے منکر ہوگیا تھا۔ وہی خاکی پتلا اسی خاک کی کنکریوں سے اس کو تین دن تک مارتا ہے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ ہر کنکری کی ضرب پر شیطان شدت الم و تکلیف سے بلبلاتا ہے۔ مگر احکم الحاکمین کے حکم سے تین دن تک اس عذاب کو سہنے کے لئے بند کر دیا جاتا ہے۔

ایک دن پہلے غروب سے قبل میدان عرفات میں وہ اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے۔ شدت درد و کرب سے لوٹتا ہے اور بلند آواز سے فریاد و فغاں کرتا ہے کہ میں نے مدت طویل کی شاقہ محنت اور طرح طرح کی مشقت شبانہ روز گوارا کر کے خاکی انسانوں کو بہلا پھسلا کر ان سے صغیرہ و کبیرہ گناہ کرائے۔ آج ایک لمحہ میں تمام عمر کے سب چھوٹے بڑے گناہ اس طرح مغفرت کے پانی سے دھو کر پاک صاف کر دیئے گئے۔ جیسے کبھی گناہ ہی نہیں کئے تھے۔ اب پھر میرا اشد ترید دشمن میرے مرتبۂ عظیم سے مجھے گرا کر میرے آبا و اجداد و اجتنا کی موروثی زمین پر خود قابض ہی نہیں خلیفۂ الٰہی بنا دیئے جانیوالا انسان ایسا پاک و صاف کر دیا گیا کہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ہائے ہائے میری سب محنت اکارت گئی۔ اب یہ آدمی رات تک مزدلفہ میں معصوم بچوں کی طرح گویا کھیل کھیل کر کنکریاں جمع کریگا۔ اور انہی کنکریوں سے میری شامت آئے گی۔

آمدم برسرِ مطلب۔ کنکریاں مار کر ہم دونوں بھائی پیدل جائے قیام پہ آئے۔ اب دوسرا اہم کام قربانی کا تھا۔ یہ قربانی گویا حضرت

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی میں اپنے نذرانہ جان کی بجائے ذبیحہ کی جان پیش کی جاتی ہے۔ مالک بے نیاز کی بارگاہِ عالی تک قربانی کا خون وگوشت وغیرہ مادی چیزیں نہیں پہنچتیں۔ البتہ اس جذبہ قربانی سے جو تقویٰ یا پاکیزگی حاصل ہوتی ہے وہ دربارِ عالی میں پہونچائی جاتی ہے۔ قربانی کے متعلق ایک لطیفہ بھی ہے۔ ارے بھئی بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کا عقیقہ بھی تو کیا جاتا ہے۔ سر منڈوایا جاتا ہے۔ اور بکرے قربانی کئے جاتے ہیں۔ یہاں منیٰ میں بھی تو نو تولد شدہ بچوں حاجیوں کو بھی سر منڈوانا اور قربانی کرنا ضروری قرار پایا ہے۔ بہر حال ہم چونکہ شدید علالت کے بعد صحت یاب تو ہو گئے تھے مگر نقاہت باقی تھی۔ اس لئے برادر معظم کے سپرد اپنی دو قربانی ایک حج اور عمرہ کی۔ ایک احتیاط دم جنایت کی دینے کیلئے عرض کر دیا گیا تھا۔ دو بزرگ بھائی صاحب قربانی اور حلق یعنی سر منڈوائی سے فارغ ہو کر تشریف لائے۔ احرام اتارا۔ غسل کر کے لباس بدلا۔ بے احتیاط حجام نے جا بجا ان کے سر پر استرے سے زخم کر دیئے۔ اگلا گیا پچھلا ہوشیار۔ ہماری

سر منڈوائی از حد اہم تھی اِس لئے کہ مسلسل چالیس سال سے بھی زیادہ طویل عرصہ سے استرا ہمارے سر پر نہیں پھرا تھا۔ پانچ سال کی عمر تک سر منڈوایا جاتا رہا تھا۔ اور شفیق استاد ہر ہفتہ سر منڈوانے پر دستوری کے نام سے چپت مارا کرتے تھے۔ پھر طالب علمی کے زمانہ تک چھوٹے چھوٹے بال رہے۔ عملی زندگی میں آنے پر اور بڑے رہے۔ اور ۱۹۳۱ء میں چوبیس سال قبل جب کہ سلوک طے کر کے ہم نے خلافت ولقب خسرو شاہ حاصل کیا تو بال چھوڑ دیئے اور ہمیشہ کندھوں تک رہتے تھے۔ اتنے بڑے بڑے بالوں کو کسی اناڑی اصلاح ساز سے ہم منڈوانا نہیں چاہتے تھے۔ بارے ایک ہندوستانی ہوشیار ہاٹ ہابگانی اصلاح ساز ہمارے معلم صاحب کے کیمپ میں آگیا۔ مگر یکے بعد دیگرے حاجیوں کا اس کے اطراف تانتا لگا تو توبہ کیجئے۔ ہندوستانی گیارہ بجے دن سے شام کے پانچ بج گئے اور انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ زچ ہو کر ہم نے معلم صاحب کے لوگوں سے کہا کہ کیا خفت منیٰ میں صرف ایک ہی اصلاح ساز رہتا سہتا ہے۔ اجی دوسرے کو بلاؤ جو قینچ ہو گی دیکھا جائیگی۔ ذرا سی دیر میں ایک دیو ہیکل عفریت نما کردی

چھ فٹا قد۔ سرخ آنکھیں۔ بغل میں مختصر کوت دبائے خیمہ کے دروازہ پر نمودار تھے۔ دیکھکر جان تن سے نکلنے کے قریب ہوگئی یا اللہ یہ اصلاح ساز ہے یا بقر قصاب یا کوئی جلاد۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ پٹ ایک زبردست استرا جو ہم کو قتل کرنیکا تیغہ محسوس ہوا۔ نکالا اور بازو پہ دینے لگا۔ ہرچند ہم نے بار بار اصرار کیا کہ جتنی ہمارے بال بہت بڑے بڑے ہیں تم قینچی نکال کو پہلے ان کو تراش لو۔ اور پھر استرے سے باحتیاط صاف کرو۔ مگر توبہ کیجیے وہ کس کی سنتا۔ برابر استرا تیز کئے جا رہا تھا۔ ہم کو یقین ہو چلا کہ آج سر منڈوانا نہیں شاید سر کٹوانا ہے۔

اتنے ہی میں بدھ باشندہ ثانی اصلاح ساز خیمہ کے دروازہ پر نمودار ہوا۔ ہم نے اس کے دوسرے ہم پیشہ کو دیکھکر آنے سے انکار کرنے پر منت و سماجت اس کو اندر بلوالیا۔ اس نے عربی میں عفریت نکروفی کو لعنت ملامت کی کہ مردک کیا تم بدھو۔ جمال اونٹ چلانیوالے کی اصلاح بنانے آئے ہو یا مہذب آدمی کی۔ بہرحال نکروفی دیو سے نجات ملی اور کمال چابکدستی سے پہلے قینچی سے چالیس سالہ رفیق بالوں کو جن میں دو ثلث حصہ

سفید بال نیچے تراش کر سامنے ڈھیر لگا دیا۔ ہم اس ڈھیری کو تک رہے تھے
تخیلات کا سیلاب دماغ میں موج مار رہا تھا کہ نہ معلوم کتنی سیاہ کاریوں۔ گناہوں
اور کتنے سجدہ ہائے نیاز میں یہ بال بھی ہمارے شریک رہے۔ سلطان الذکر
کے دور میں ہر تن موسے اللہ ہی اللہ، اسم ذات کی آواز خود ہم نے سنی ہے
نہ معلوم کہاں کہاں کی گرد سیاحت ان بالوں میں جمی۔ چالیس سالہ رفیق بالوں کی
ڈھیری نے زبان حال میں ہم سے کہا کہ ہم کو یوں ضایع نہ کرو۔ پہلے ہی بال زرشوا کر
حسین ساگر کے تالاب میں چونکہ اس کا پانی غیر مستعمل ہے ڈلوا دیا کرتے تھے۔ ہم کو
جنت البقیع میں لے جا کر سپرد خاک کر دیجئے۔ تاکہ کم از کم ہم اپنے معراج کمال کو
پہونچ جائیں۔ ہم نے قبول کیا اور ان کو محفوظ کر لیا۔ اپنے کام میں ماہر بڈھے نے
نہایت نیک طور پر ذرا سی دیر میں سر استرے سے صاف کر دیا۔ جب ہمارا منڈ منڈا کر
چکنا سر ہو گیا تو کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔ زمانہ دراز کے بعد ہوا سر کی جلد سے
مس کرتی تھی تو خنکی سی معلوم ہوتی تھی۔ ہم نے سر تو منڈوا لیا مگر اولے مطلق
نہ پڑے۔ بادل ضرور امنڈ کر آئے اور خوف ہونے لگا کہ ضرور برسیں گے۔ مگر
یہ بھی ایک رحمت کا ظہور تھا کہ تیز ہوا ان کو اڑا لے گئی۔ ورنہ خیمہ میں مقیم حاجیوں
اور نیم شکستہ چھت پر ٹھیرے ہوئے زنانہ کو اشد شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔

پنجشنبہ جمعہ اور ہفتہ تین دن رمی جمار اور بقیہ قربانی کے لئے منیٰ میں قیام رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور فضلِ خاص ہم لوگوں پر یہ بھی ہوا کہ جمار اخیمہ پنجوقتہ نماز باجماعت کے لئے مسجد قرار پا کر کثیر جماعت سے پانچوں وقت نماز ہوتی تھی۔ اکثر نماز یں امام ومفتی صاحب مسجد۔ فتح پوری دہلی نے جو ایک بہت نیک منش فرشتہ خصلت بزرگ ہیں پڑھائیں۔ اور نمازوں میں قرعہ فال اس دیوانہ کے نام بھی پڑ گیا۔ اور ہم نے پیش امامی کا فرض ادا کیا۔

اثر اہلِ حدیث ہمارے خیمہ کے سامنے ایک بڑے شامیانے میں پنجاب اور امرتسر کے بہت سے اہلِ حدیث حضرات بھی ٹھیرے ہوئے تھے

اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کی نسبت سخت گستاخانہ عقیدہ رکھنے کی یہ رجعت اور پھٹکار ہے کہ اُن کے قلوب پر مُہر کردیجاتی ہے۔ ایسے قسی القلب شقی لوگ کم دیکھنے میں آئے تھے۔ سرکار سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی ایمان میں ترقی میسر ہوگی۔ بقول حضرت اقبال ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست

رمی جمار کر کے آتے ہی اول تو ہر وقت اُن کے آپس میں سخت فحش قسم کی گالی گلوچ باآواز بلند ہوتی رہتی تھی۔ پھر غریب بے زبان معلم عبیدالرحمٰن کی شامت آئی اور ان کو ابولہب کے ان امتیوں نے خوب خوب سنائی۔ ایک سرشٹے داڑھی خضاب سے سرخ رنگین کئے ہوئے آتش مزاج بڑے میاں ان لوگوں میں گالی گلوچ کے امام ہی نہیں تھے۔ بلکہ اپنی زوجہ محترمہ کو نہایت پابندی سے صبح شام زدوکوب بھی علانیہ فرما کر تفریح حاصل کرتے تھے۔ بھلا آگ کے قریب رہنے والے کیسے ممکن ہے کہ گرمی بھی اُن کو نہ پہونچے۔ منیٰ کے قیام کے دوسرے دن ہم صبح کے وقت آمد ورفت کے دروازہ پر وضو کر رہے تھے کہ پیچھے سے ایک اہل حدیث ابولہبی نے ازحد کرختگی سے چیخنا شروع کیا کہ فوراً یہاں سے ہٹ جاؤ۔ ہم تحمل کر گئے ہم نے نرمی سے عرض کیا کہ ہم کلیاں دہو رہے ہیں دو ایک منٹ میں ہمارا وضو ختم ہوجائیگا اور ہم ہٹ جائیں گے۔ جامہ سے باہر ہو کر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر فوراً تو یہاں سے نہیں ہٹے گا تو ہم یہ بڑا پتھر جو یہاں رکھا ہے تیرے سر پر دے ماریں گے۔ ہم نے اس کا جواب نہ دیا اور سکون سے پیر دہونے لگے۔ اگر معلم صاحب کے آدمی اس اخوان الشیاطین کے فرد کو پکڑ نہ لیتے

اور نہ سمجھانے تو بالکل ممکن تھا کہ ہابیل وقابیل والا قصہ تازہ ہو کر پھر سے وہ ہمارا سر کچل ڈالتا اور ہمارا خون شہادت مٹی کی سرزمین کو رنگین کر دیتا۔ ہم لوگوں کو اپنوں ہی لوگوں سے نہ کوئی واسطہ نہ سروکار۔ مگر ایکدن خواہ مخواہ ان کے اکثر افراد فرمانے لگے کہ ذرا علم کو آجانے دو اس کو مطلع کر کے ہم سب مل کر ان لوگوں سے نبٹ لیں گے۔ نہ معلوم ہم لوگوں نے انکا کیا بگاڑا تھا۔ ان لوگوں سے ہم لوگ بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ اور بات چیت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے ہمراہی چودھری محمد شریف صاحب میونسپل کمشنر اور ماسٹر محمد رمضان صاحب دونوں پنجابی اور محرور المزاج وہ لوگ بگڑ گئے کہ دیکھیں بلا وجہ اسباب یہ اہلِ حدیث لوگ ہم لوگوں سے کیسے نمٹتے ہیں۔ ہم نے ان کو سمجھا کر ٹھنڈا کر لیا کہ بھائی صبر کرو اس کی بڑی جزا ملیگی۔

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

ان کو کوئی جواب نہ دو اپنے سکون کو برقرار رکھو۔ اگر خدانخواستہ یہ حملہ ہی کر دیں تو البتہ مدافعت کرنا ہمارا فرض ہو جائیگا۔ اس وقت یہ دیکھ لیا جائیگا کہ آیا اُن کے ہاتھ اور پیر چار رہیں یا دو ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ہم لوگوں کو بھی طاقت اور اس سے زیادہ ہمت دی ہے کہ ہم تو عسکر رسول اللہ ؐ

انصاری لوگ ہیں۔

ایک دن ہم کوٹھے سے نیچے اتر رہے تھے کہ جماعت اہلِ حدیث حضرات میں سے ایک ابولہب کے چیلے فرماتے ہیں۔ یہ شیطان جو اتر رہا ہے یہ سہاگ سر قسم کا ہے۔ اصل میں اس کو سب مل کر سنگسار کر دینا چاہیئے۔ سچ ہے مومن کا چہرہ بھی آئینہ ہوتا ہے کہ اس میں اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ تین دن تک شیاطین خود تو محبوس اور اسیر ہو کر کنکریاں کھا رہے ہیں۔ مگر ان کو اطمینان کلی ہے کہ نوع انسان میں سے بہت سے انسانی خناس و شیاطین ان کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔ ہم تو اہلِ حدیث کی یہ چیرہ دستی، یہ فسق و فجور یہ کیفیات، محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ سے سخت گستاخی کی رجعت اور اسی کا وبال اس کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور باقی انفرادی حیثیت سے واقعی ہمارا وجود ننگ انسانیت اور زمین کا ایک بوجھ ہے۔ گناہوں کی گرانباری اور انبار در انبار معصیتوں کا بوجھ ہماری پیٹھ پر ہے۔ ہم نے شاید ہی کبھی کوئی قابلِ ستائش کام کیا ہو ہم سے تو دربارِ نبوی کے گلی کوچوں میں خاک بسر پھرنے والے کتنے کا مرتبہ کہیں اعلیٰ ہے کہ وہ پاکوں کی گذرگاہ پر پڑا رہتا ہے۔ اور یثرب پاک کی خاک کو طوطیائے چشم بنائے ہوئے ہے۔ اگر اہلحدیث

حضرات جن ہیں کہ ایک فرد نے اس سے قبل پتھر سے سر توڑنے کی دھمکی دی تھی۔ سب اہل کرم کو سنگسار کر دیتے تو خوب ہی ہوتا ممکن تھا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے مقام قربانی پر ہمارا توں یہ کہ اس محترم مقام کی وجہ سے ہماری آمرزش کا باعث ہو جاتا۔

طواف زیارت اہم فرائض حج میں سے اب صرف ایک آخری فرض طواف زیارت اور سعی صفا مروی کرنا باقی رہ گیا تھا۔ برادر معظم تو شب شنبہ کو ٹکسی موٹر پر مکہ معظمہ جا کر چند گھنٹے میں فارغ ہو کر منیٰ واپس آگئے تھے۔ منیٰ میں عجیب وغریب ٹکے سیر کا بھاؤ یہ دیکھا کہ گدھے پر مکہ معظمہ جاؤ تو آنے جانے کے ڈیڑھ ریال نچر پر وہی کرایہ اور اونٹ کا وہی بھاؤ اور موٹر ٹکسی میں بھی اتنا ہی معاوضہ آمد و رفت یعنے ڈیڑھ ریال خرچ ہوتا تھا۔ اسی لئے بکثرت لوگ ٹکسی لاریوں میں جا رہے تھے۔ ہم ایک تو مرض قلبی کے باعث عرصہ سے زیادہ مشقت اور چلنے سے عادی۔ پھر اس پر طرہ علالت شدید کے بعد کی کمزوری اور والدہ ماجدہ بہت نحیف و کمزور نقریباً یہی حال بسم اللہ خالہ صاحبہ کا ہے۔ ہم کو تڑا کھٹکا اس بات کا لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم طواف زیارت میں کس قدر شدید ہجوم اور انتہائی کشمکش کا سامنا

کرنا پڑیگا۔ ایام حج میں صبح اور بعد مغرب کا طواف کمزوروں کے لئے گویا ایک معرکہ سر کرنے کے برابر ہے۔ لوگوں کا مطاف کی پوری سمائی میں اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ عام طور پر طواف کے ساتوں چکر جو بیس پچیس منٹ میں ختم ہوجاتے ہیں مغرب اور صبح کی نماز کے بعد نصف گھنٹے میں پورے ہوتے ہیں اور ہجوم کے شدید فشار۔ مصری قبل ست دیو ہیکر ابو الہول قسم کے حجاج کے زور سے کھنیاں مار کر آگے بڑھنے کی عادت قبل طبیعت ثانیہ کی یادگار ہیں پسلیاں اور جسم کا بند بند۔ درد کرنے لگتا ہے۔ یہ تو روز انہ کی حالت ہے۔ اب طواف زیارت ہیں جس کے بغیر حج مکمل ہی نہیں ہوتا اور وہ فرائض میں سے ہے جس کا ادا کرنا ڈیڑھ دو لاکھ سے زاید جمع شدہ حجاج کے ہر فرد کے لئے فرض عین ہے۔ اس طواف میں اندیشہ تھا کہ نہ معلوم ہم کمزوروں اور ضعیفوں کا کیا حال ہوگا تو کیا حال ہوا اس کی کیفیت آگے سنئیے۔

بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ یوم شنبہ ہم۔ والدہ ماجدہ۔ بسم اللہ خالہ صاحبہ اور بھاوج صاحبہ کو لیکر ٹیکا یعنے موٹر بس میں منیٰ سے چلدیے۔ برادر معظم منجھلے بھائی صاحب قبلہ سامان وغیرہ اپنے سامنے روانہ کر کے

ٹیکسی لاری میں بعد میں آنے کے لئے ٹھہر گئے۔ بڑے شیطان کی طرف سے ایک نزدیکی راستہ مکہ معظمہ جانے کا ہے۔ اسی طرف سے موٹر بس روانہ ہوئی اور دس پندرہ منٹ میں عربی وقت کے تین بجے اور ہندوستانی وقت کے نو بجے دن کو ہم لوگ حرم محترم کے باب الوداع پر پہونچ گئے۔ ہم فوراً والدہ ماجدہ اور خالہ صاحبہ کو لیکر حرم شریف میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ مطاف میں بمشکل دس پندرہ آدمی طواف کر رہے ہیں اور مطاف تقریباً انسانوں سے خالی سا ہے۔ پہلے قرار پایا تھا کہ والدہ ماجدہ اور خالہ صاحبہ کو شیسری پر طواف زیارت اور سعی کروائی جائیگی۔ مگر فضل ربانی کے اس ظہور خاص کو دیکھکر ہم بے اختیار ہو گئے۔ ہم نے والدہ ماجدہ سے کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ آپ حجر اسود کو ہجوم نہ ہونے سے بآسانی بوسہ بھی دیسکتی ہیں اور بہت اطمینان سے طواف بھی ہو جائیگا۔ ذرا سا ہمت فرمایئے وہ فوراً راضی ہو گئیں اور ہم خود مطوف بن گئے۔ اور ہم نے ایک مہینہ کے قیام طویل میں خود دوسری بار حجر اسود کا بوسہ لیا اور والدہ ماجدہ کو تین مرتبہ حجر اسود کے بوسہ کا موقع ملا۔ بہت ہی اطمینان سے ہر چکر کی مخصوص دعائیں پڑھتے ہوئے طواف زیارت کے ساتوں چکر ختم کرا کے ملتزم پر دعا

پڑھوا نیکے بعد مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز واجب الطواف پڑھوا کر وہاں
کی دعائیں پڑھوائیں حطیم میں چاشت کی نماز پڑھ کر میزاب رحمت کے نیچے
غلاف کعبہ کو پکڑ کر سب نے حضوری کامل سے رو رو کر دعائیں مانگیں۔ صاف
محسوس ہو رہا تھا کہ وہ قبول فرمائی گئیں۔ ہم لوگ اپنے لئے صرف یہ دعا کی کہ
میرے مولا میرے مالک! میں تو اپنی ذات کے لئے صرف تیری رضا چاہتا ہوں
اور کچھ بھی نہیں مانگتا۔ مانگنے سے پہلے تو سب کچھ مرحمت فرما دیتا ہے۔ ہاں
بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے لئے بصمیم قلب دعا کی گئی اور قرین قبولیت ہوتی صاف
معلوم ہو گئی۔ حطیم سے فارغ ہو کر تیسری کے انتظار میں چاہِ زمزم پر بیٹھ گئے۔
سیراج نامی ایک مستعد از حد کارکن نوجوان نے جو جدہ سے ہم لوگوں کی خدمت
مکمل کر رہا ہے۔ دو تیسریاں لاویں اور والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ صاحبہ
نے تیسریوں میں بیٹھ کر سعی پوری کرلی۔ ہم نے پوری سعی کے ساتوں چکر نہ صرف پیدل
مکمل کر لئے بلکہ جوتیاں باب الوداع پر چھوڑ دینے کی وجہ سے ننگے پیر سعی
کرنی پڑی۔ بظاہر خود ہم کو اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ ہم پیدل سعی مکمل کر سکیں گے
ایک رات پہلے برادر معظم جب طواف زیارت سے فارغ ہو کر سعی کرنے
لگے تھے تو ان کا بیان ہے کہ ایک چکر کے بعد طاقت نے جواب دے دیا۔

اور انہوں نے شہر کی پر سعی مکمل کی۔ مگر محض میرے ذُوالقُوَّۃِ المَتِین
ارحم الراحمین کا یہ بھی ایک فضلِ خاص ہے کہ اس نے زار و نزار بیماری
شدید سہے ہوئے ہمارے جسم میں اتنی طاقت مرحمت فرمادی کہ فرض سعی بیدل
بحسن و خوبی پورا ہوگیا۔ ساتوں چکر پورا کرنے کے بعد جب دعا کر کے مروہ سے
گھر آرہے تھے تو جسم تک اس قدر سبک اور ہلکا بجائے تکان کے محسوس ہو رہا
تھا کہ جی چاہتا تھا جو سما میں پرواز کریں۔ صفا و مروہ کے درمیان جہاں سعی
کی جاتی ہے۔ اُم القریٰ مکہ معظمہ کا سب سے زیادہ آباد بازار واقع ہے
اور طرح طرح کی اشیاء اور نوادرات سے ہر دو جانب دوکانیں سجی ہوئی
ہیں سعی کرنیوالوں کیلئے یہ بھی ایک ابتلاء و آزمائش ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ آیا وہ دوران
سعی میں محوفی ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہوئے سعی مکمل کرتے ہیں یا دیدہ زیب دوکانوں کی اشیا کی طرف نظارہ خواہش کو دوڑاتے ہیں

مصریوں کی چیرہ دستیاں | مصر ایک وسیع زرخیز خوش حال نیم خود مختار
ملک ہونیکی وجہ سے عالم اسلام میں اس کی بڑی وقعت اور اس کا ایک خاص
مقام ہے۔ جدید تحریک وحدت عربیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کے درجہ
سیاسی میں روز افزوں اضافہ ہونیوالا ہے۔ اور غلامستان ہند کے مسلمان
تو ہمیشہ سے آزاد و نیم آزاد ممالک اسلامیہ کے متعلق حسنِ ظن کے عادی سے

ہو گئے ہیں۔ اِس لئے انشاء اللہ تعالیٰ فقیر دعا گو سفر حرمین شریفین سے بخیریت
اپنے وطن حیدرآباد دکن واپس ہونے کے بعد بعون اللہ تعالیٰ اس کا
عزم مصمم رکھتا ہے کہ سفیر صاحب مصر کے پاس ایک بہت مدلل تحریر بسلسلۂ
رشتۂ اخوت اسلامیہ اسبارہ خاص میں ارسال کرونگا کہ جاپان جیسے اشد شدید
ننگ انسانیت ظالم و اظلم ملک والے محض سیاسی اغراض کیلئے ازراہِ مکر و ریا
غیر ممالک کے سیاحوں کے روبرو اس قدر اخلاق فاضلہ اور انکسار کاملہ کا
مظاہرہ کرتے تھے کہ ان خبیثوں کے پراگندہ نقاب ہو کر چینیوں پر حملہ آوری
کر کے نہایت درجہ مظالم توڑنے تک تمام تہذیب ممالک کے سیاحان جاپان
اُن کے مکارم اخلاق کے رطب اللسان اور ثنا خواں تھے۔ اِس لئے اشد ضروری
ہیں علمائے جامعہ ازہر اس بات کو اپنا فرض عین تصور فرمائیں کہ حجاج مصر
جب حرمین شریفین آنے لگیں تو ان کو بار بار بہ تاکید شدید بالخصوص بوجہ حسنہ
اس امر کی تنبیہ کریں کہ مکہ معظمہ کے حرم شریف میں خصوصاً اور دوسرے مقامات
پر عموماً اسلام اور مصر کے مفاد کا خیال کرتے ہوئے مجنونانہ طور پر اپنی زور
آوری، طاقت و سبقت کا مظاہرہ دوسرے کمزور حجاج خصوصاً سندھ و پنجاب
کے جیسے نحیف اشخاص پر ہرگز نہ کریں۔ حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں کے

متعلق نصِ قطعی کلام پاک کی ہے ۔ مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا
وہ حرم پاک و مقدس جس کے جانداروں کبوتروں تک کو ایذا دینا سخت منع
ہے ۔ اِس میں مصری حضرات جو اپنی جسمانی قیل پیکری اور کمال پرخوری کی
وجہ سے اکثر حالتِ سکر میں رہتے ہیں ۔ دوسرے حاجیوں کو طواف میں اور
چلتے پھرتے سخت جسمانی اذیت پہونچا کر شاداں مسرور الوقت ہوتے ہیں ۔ بلا تامل
پیر کچل کر بڑھ جائیں گے ۔ اگر پیچھے ہوں تو طاقت اور زور سے آگے والے حاجی
کو دھکیل کر مسافت کر کے آگے بڑھتے ہوئے اپنی زبردست کہنی سے
پسلی میں ایسا ٹھوکا دیں گے کہ کئی دن تک پسلی دکھتی رہے گی ۔ حتیٰ کہ مدینہ
طیبہ میں مجھے ایک ضعیف العمر حاجی نے اپنا سینہ کھول کر پسلی کا ورم آلود زخم
دکھلایا جو مصری کی کہنی کی مار کا نتیجہ تھا ۔ دھکا دینا ۔ نماز کے لئے تنگ سے
تنگ مقام پر طاقت اور زور کے بل سے اردگرد والوں کو اذیت میں ڈالکر
جگہ حاصل کرنا ۔ اکثر طواف کے وقت آٹھ آٹھ اور دس دس کی تعداد کا ہاتھ
میں ہاتھ ڈال کر آگے والوں کو ڈھکیلتے کچلتے گراتے ہوئے آگے بڑھ جانا
سجدہ میں پڑے ہوئے نمازیوں کے سر پر بلا تامل پیر رکھکر گزرنا ۔ یہ ایسے
روزمرہ کے اتحد سوہان روح اور تکلیف دہ خود اپنے سر پر جیتے ہوئے

واقعات ہیں کہ جن کو دیکھ دیکھکر اپنی تکالیف کے لئے نہیں بلکہ محض اس خیال سے کہ بہت اذیت ہوتی ہے کہ یا الہٰی کیا یہ لوگ مسلمان ہیں۔ وہ مسلمان جن کی شان یہ بیان کیگئی ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ يَدِهٖ وَلِسَانِهٖ۔ مسلمان وہ ہیں جن کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، ضعیف نحیف ہندوستانی ان مصری ابوالہول تجاج کی چیرہ دستیوں کے زیادہ ترشکار ہوتے ہیں۔ اور بعض دو وجوہات سے صبر کر بیٹھتے ہیں۔ اولاً تو یہ کہ بے نیاز مالک کا دربار عالی ہے۔ یہ کوچہ عشاق ہے۔ یہاں کا لوازمہ درد دکھ ہی ہے اور طرح طرح کے مصائب کا برداشت کرنا ہے۔ اور جسمانی آلام کو انگیز کرنا ہے۔ دوسرے حرم محترم کے احترام کے خلاف ہے کہ سخت جسمانی اذیت پہونچنے پر بھی بلا وجہ اذیت پہونچانیوالے کے ساتھ جو آیا زبان یا جسم سے کچھ کارروائی کیجائے۔ ٹھیک اسلامی قانون یہ ہے کہ تھپڑ کا بدلہ تھپڑ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ دانت کا بدلہ دانت ہے۔ مگر یہ قانون حرم شریف کے اندر بروئے کار نہیں لایا جاسکتا۔ یہاں تو واقعی ہر طرف سہام مصائب جفا و قفا برداشت کرکے خاک ہوجانیکی جگہ ہے۔ مگر اب بیجا کارروائیوں ان بہائمی قسم کی جسمانی قوت کی سوزآلود یوں حرم میں

مظاہرہ کرتے رہنے سے خدا را کوئی کہے کہ مصریوں کے متعلق دوسرے
ممالک کے مسلمان اور ہندوستانی آیا نیک گمانی قائم کریں گے یا تنفر
اور شدید تنفر کا جذبہ جاگزیں ہوگا۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ ایک جمعہ
کو حرم شریف میں ایک اندھا ازحد ضعیف شیخ ہاتھ میں اور یہ نصیب انسان
لکڑی سے راستہ ٹٹولتا ہوا لوگوں کے بیچ میں سے گزر رہا تھا۔ ایک فیل مست
مصری کی پشت سے غریب ذرا سا ٹکرا گیا تو اس مصری نے اپنے پورے
زور اور طاقت سے اس بیچارے کو دھکا دیا کہ وہ بیچارا اندھا زمین پر
گر پڑا قریب تھا کہ اس کا سر حرم شریف کے فرش کے پتھر پر شدت سے
ٹکرا کر پھٹ جاتا اور وہ زندگی سے آزاد ہو جاتا کہ دو چار نیچے
ہوئے نمازیوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیا۔ غریب نحیف۔
آنکھوں سے متعدد بار زار و قطار اس ظلم پر رو رو کے رونے لگا اور بار بار اپنی بے نور
آنکھوں کو دکھلا کر کہتا تھا کہ اندھا ہوں میرا کیا قصور ہے۔ میرا نہیں ان معذور
آنکھوں کا قصور ہے۔ بیچارا اندھا تھا۔ میرا تو خون اس قدر شدت سے جسم میں
کھولنے لگا کہ پسینے آ گئے۔ اگر حرم محترم نہ ہوتا تو اس فرعون مصری کی ضرور
کافی گت بنا دیتا۔ سفرنامہ ہذا کے ملاحظہ فرمانے والے محترم حضرات خدارا

آپ خود انصاف فرمائیے کہ آیا مصریوں کا جو تقریباً سو فیصدی تودہ مٹی اور قیل پیکر ہوا کرتے ہیں۔ حرم شریف میں ایسی ناشائستہ بہیمانہ حرکات کرنا آیا پسندیدہ فعل ہے یا اس قابل ہے کہ ان کے علماء ان بادہ غرور طاقت جسمانی سے مدہوست جاہلوں کو اچھی طرح سمجھائیں کہ وہ حجاز مقدس اور حرم شریف میں ایسی سعی حرکات کرکے اسلامی ملک مصر کو ہر جگہ بدنام نہ کریں۔ انشاء اللہ میں نہ صرف سفیر مصر ملکہ وزیر خارجہ وزیر داخلہ تمام ذمہ دار مصری حکام اور جامعہ ازہر کے پاس اس بارہ میں مفصل حالات کا گشتی خط ارسال کروں گا۔ اور پوری سعی کروں گا کہ یہ بدنما داغ اسلامی ملک کے دامن سے قطعی پاک وصاف ہو جائے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

امتحان عبدیت | ہم نے جہاں تک سمجھا ہے روح شریعت محض امتحان عبدیت ہے۔ اتباع احکام شرع سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ سے ہر طرح کی مشکلات دینی و دنیاوی حل ہو جاتی ہیں۔ ہر طرح اور ہر قسم کی رجس و نجاست چاہے ظاہری ہو یا باطنی بالکلیہ دور ہو کر نجات کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ ارکان اسلام میں سب سے زیادہ اہم الاہم اور شرائط خاص

سے مشروط رکن حج ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے دنیاوی امتحانات میں سے ڈاکٹریٹ یا یم۔ اے کی ڈگری ہے۔ انتہائی امتحان یا ابتدائی کئی نوع کے پرچے امیدوار کو دیے جاتے ہیں۔ کوئی پرچہ فلسفہ کا ہوتا ہے کوئی تاریخ کا اور قِس علیٰ ہذا۔ اس طرح حج کے امتحان میں بھی چند خاص پرچے دیئے جاتے ہیں۔ ایک پرچہ صبر و تسلیم اور رضا کا ہے کہ اس راستہ میں جو مشکلات جو موانعات جو جسمانی و روحانی شدائد پیش آئیں حاجی اس کو اس راستہ کے لوازمات میں سے سمجھ کر اس پر مجبوری سے نہیں بلکہ خوشی و خرمی سے صبر کرے اور یہ سمجھ لے کہ سے

چاشنیٔ دردِ عشق قابلِ ہر سفلہ نیست
زہر زخواں شہاں نامورا دہند

ایک پرچہ شکر کا ہے جو آرام و سہولت اور فضل خاص نصیب ہو اس پر شکر کرے کہ مزید نعمائے الٰہی اس کو اس شکر سے مرحمت ہوں گے وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ ایک پرچہ ادب کا از حد اہم ہے کہ ہر مقام کا کما حقہٗ جس قدر کامل ادب ملحوظ رکھکر زیارت کی جائے گی۔ اس قدر فیضان سے بہرہ ور ہوں گے۔ اور خدانخواستہ بے ادبی یا سوئے ادبی سے رہی سہی پونجی

تلف ہونیکے علاوہ نعوذ باللہ سلب ایمان کا خطرہ ہے۔ ایک پرچہ خدمت خلق کا ہے۔ اور خدمت خلق ہی تمام تر عبادات میں سب سے افضل اعلیٰ اور اتم عبادت اور عنداللہ بیحد مقبول ہے۔ سفر حج میں جس قدر خلق اللہ کی خدمت ممکنہ کی جائے گی اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول اکرم کی بارگاہ عالی میں اسی قدر تقرب کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے تصدق سے ہر عازم حج بیت اللہ شریف اور زائر مدینہ طیبہ کو توفیق ارزانی فرمائے کہ ان امتحانات کے پرچوں میں ناکام نہیں تو پاس ہوجانے کے قابل نمبر ضرور حاصل کر سکے۔ آمین۔

دور سعودی کی برکات اور شکایات فقیر دعا گو ایک بوریا نشین زاویہ خمول گمنامی میں مقیم سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے والا انسان ہے اور میرا مسلک صلح کل اور میرا مشرب ہے۔

ہر حال میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں رہتے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

اس لئے میں نے سفر حرمین شریفین میں جو حالات بچشم خود دیکھے یا معتبر لوگوں سے سنے ہیں ان کو سفرنامہ ہذا میں درج کر دیا ہے۔ ازراہ مکرمت کوئی

سیاسی مذاق رکھنے والے محترم اس کو سیاسیات کی عینک لگا کر ہرگز ملاحظہ نہ فرمائیں۔ سب سے اہم الاہم اور حد درجہ قابل ستائش اصلاح جو کہ روح وحدت کاملہ ہے اور دَورِ سعودی کا میں اس کو بہترین کارنامہ سمجھتا ہوں۔ وہ حرم شریف بیت اللہ میں اور مدینہ طیبہ میں حرم نبوی کے اندر ایک ہی جماعت کا قائم کرنا ہے۔ سبحان اللہ ایک ہی امام کی اقتداء میں بیت اللہ شریف کے اطراف لاکھوں مصلیوں کا بیک وقت نماز ادا کرنا ایک ایسا منظر جلیل الشان ہے کہ توحید کا لطف آجاتا ہے۔ اور جن خوش نصیبوں نے اس کو دیکھا ہے وہ کبھی بھلا نہیں سکتے۔ ورنہ اس سے پہلے اہل سنت والجماعت کے چار مصلّوں پر چار جا نمازیں علحدہ علحدہ ہوا کرتی تھیں۔ اب امام ایک ہی ہوتا ہے۔ اور ہر عقیدہ۔ ہر مشرب ہر مسلک اور تمام تر دنیا کے اسلامیہ کے اہل قبلہ مسلمان مقتدی بن کر بیک وقت اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ صاف مشہود ہوتا ہے کہ رب البیت کا ید رحمت تمام جماعت کے سر پر سایہ فگن ہے کہ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ

دوسری اصلاح احکام شرعیہ کا کامل اجراء ہے۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں چاہے وہ خود مختار ہوں یا نیم خود مختار نہیں۔ لیکن احکام شرعیہ کا

کامل اجراء بجز مملکت سعودیہ عربیہ کے پایا نہیں جاتا۔ اس کی ایک مثال سارق کا ید یعنے چور کا ہاتھ کاٹنا ہے کہ کہیں کسی اسلامی ملک میں آوریخبہ سے مغلوبی کے باعث قطع ید کے حکم پر عمل نہیں کیا جاتا۔ تیسری اصلاح کامل امن وامان کا قیام ہے جس کی مثال صدیوں سے عرب میں ناپید تھی نہ کی حکومت جو صحیح اور سچے معنوں میں خادم الحرمین الشریفین تھی۔ عربوں کی نکریم کے باعث ان کو باگ ڈور ایسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی کہ غریب حجاج وزائرین کی جان عرب بدوؤں سے شدید خطرہ میں رہتی تھی اور لوگ اس زمانہ میں سر سے کفن باندھکر حج کیلئے روانہ ہوا کرتے تھے۔ حکومت سعودیہ کے دور میں اب کسی بدوی کی مجال نہیں کہ ٹیڑھی آنکھ سے کسی حاجی کو دیکھ بھی سکے۔ مگر اس کامل امن وامان کی قدر حجاج بہت کم کرتے ہیں۔ اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ نعمت کی قدر صرف انسان دو ہی صورتوں میں کیا کرتا ہے۔ یا تو سخت زحمت ومشقت کے بعد وہ نعمت حاصل ہوئی ہو یا خدانخواستہ ناشکری سے نعمت زائل ہو جائے کہ قدر نعمت بعد زوال۔ یہ صحیح مقولہ ہے یہ چند امور تو حکومت کے محاسن ہیں۔ مگر حجاج کو حکومت سے کچھ واجبی شکایت بھی ہے۔ پہلی شکایت یہ ہے کہ فیس

معلمی کے نام سے جدہ ہی میں دو سو روپیہ بہت زیادہ رقم لے لی جاتی ہے۔ یہ مانا کہ عرب میں اقتصادی تباہ حالی کا دور دورہ ہے۔ مگر دوسری عالمگیر جنگ کے اثرات کے باعث تمام عالم کا کوئی ملک کوئی خطہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو قحط عام اور اقتصادی تباہ حالی کی زد سے محفوظ رہ سکی ہو۔ ہمارا ملک ہندوستان تو پہلے ہی سے از حد غریب و نادار ملک ہے اور اکثر اوسط طبقہ کے مسلمان ہندوستان سے حج کیلئے آیا کرتے ہیں۔ اس لئے اگر سعودی حکومت ٹیکس کم کر دے تو بہت زیادہ تعداد میں حجاج آسکیں گے۔ اور اس طرح انکو مالی منفعت بھی بہت زیادہ ہوگی۔ دوسری سخت شکایت یہ ہے کہ حجاج سے مدینہ منورہ جانے کے لئے پیشگی کرایہ لاری کے نام سے مبلغ ساڑھے چھ سو ریال کی خطیر رقم وصول کرلیجاتی ہے اور جب حجاج کو اس کا علم ہوتا ہے کہ سعودی عرب کی دربار سے ہر زمانہ میں اور دوسرے لوگوں سے ماہ ربیع الاول میں کوشان اٹھ جانیکے بعد صرف پچیس ریال کرایہ آمد و رفت جو کہ دراصل واجبی ہے وصول کیا جاتا ہے تو حجاج کے غم و غصہ کی حد نہیں رہتی۔ اولاً جب کہ اونٹ کی بجائے موٹر پر مدینہ منورہ آمد و رفت جاری ہوئی تھی تو یہ قاعدہ تھا کہ کم از کم پانچ چھ لاریاں قافلہ بنا کر روانہ کی جاتی تھیں اور ایک

موٹر میں علیحدہ فالتو پرزے ٹائر کی اصلاح کا سامان وغیرہ رہتا تھا۔ تاکہ راستہ میں کوئی موٹر خراب ہو جائے تو فوری اصلاح کری جا سکے۔ مگر اب ایسا نہیں کیا جاتا اور راستہ میں موٹر خراب ہو کر گھنٹوں اور بعض اوقات دنوں کبھی آتی جاتی۔ موٹر پر اپنا آدمی منزل سے امداد لانے روانہ کرنے کے لئے پڑی رہتی ہیں۔ حکومت ضرور قافلہ کی صورت میں لاریاں روانہ کرنے کا بندوبست کرے۔ اور موٹر کے فالتو پرزے اصلاح کرنے کے سامان کے علاوہ زخمیوں کی مرہم پٹی کا ضروری سامان اور ایک ابتدائی مدد جراحی کا کام جاننے والا آدمی قافلہ کے ساتھ رکھا کرے تو بڑی سہولت ہوگی۔

سنا جاتا ہے کہ امریکن کمپنی جو مملکت سعودیہ عربیہ سے اس قدر کثیر مقدار میں پیٹرول نکال رہی ہے کہ وہی پیٹرول مشرق وسطیٰ میں کام آرہا ہے۔ اور اندازہ کیا جا رہا ہے کہ عرب کے تیل کے چشمے ایران کے چشموں سے کم از کم پانچ گنا بڑے ہیں کمپنی روزانہ ایک لاکھ روپیہ کی رقم حکومت سعودیہ کو بطور حق مالکانہ دے رہی ہے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں پیٹرول اسقدر سستا ہے کہ چار پانچ ریال میں بارہ گیلن کا پیپا مل جاتا ہے۔ پہلے ہیں یہ عذر کیا جاتا تھا کہ حکومت کو بجز حجاج سے وصول کرنے کے اور کوئی آمدنی کسی قسم کی نہیں ہے

اس لئے وہ مجبور ہے کہ اپنے کثیر اخراجات کی پابجائی حجاج سے ٹیکس وصول
کر کے پوری کرے۔ مگر جب کہ پٹرول جیسی بیش بہا چیز حجاز میں برآمد ہو رہی ہے
تو اب حکومت کا یہ عذر۔ عذر لنگ سے زائد نہیں سمجھا جا سکتا۔ اقتصادیات
کے نقطۂ خیال سے جس قدر نفع کم لیا جائے اسی قدر گاہک بڑھتے ہیں۔ اور
آمدنی میں توفیر ہوتی ہے۔ بہرحال یہ گدا اپنے مینو اکلب کوئے نبوی خسروشاؐ
عزم صمیم رکھتا ہے کہ بے اثر اور بیکار سہی اپنی ناتوان آواز اس بارہ میں ضرور
بلند کریگا اور جس طرح بھی ممکن ہوگا حکومت عربیہ سعودیہ کو ان امور کی طرف
متوجہ کرے گا۔ چوتھی شکایت جو ہر ہندوستانی حاجی کی زبان پر عام ہے
وہ ایسی ہے کہ حکومت ہند اور حکومت سعودیہ کو اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ
اور سمجھوتہ کر لینا اشد ضروری ہے۔ وہ شکایت ہندوستانی سکہ کی بے قدری
اور اس پر حد سے زیادہ کٹوتی کا عاید کر دینا ہے کہ سال گزشتہ صرف
فیصدی گیارہ روپیہ کم کر کے عربی سکہ ریال مبادلہ میں دیا جا رہا تھا۔ اس سال
چونکہ نسبتاً حاجی ہندوستان سے زائد آ گئے۔ اس لئے شرح مبادلہ بھی فیصدی
گیارہ سے بڑھ کر ساڑھے تیرہ اور چودہ تک ہو گئی۔ روزانہ گویا سٹہ بازی ہو کر
ریال کا بھاؤ گرتا اور چڑھتا تھا۔ اولاً جب کہ ہم لوگ جدہ میں اترے تھے تو

ہندوستانی سکہ اور ریال کا بھاؤ مساوی تھا۔ سو روپیہ کا نوٹ دینے پر سو ریال پورے ملتے تھے۔ اور اوائل ذی الحجہ میں حج کے قریب ساڑھے تیرہ ۱۱ چودہ فیصدی کم ہو کر ملنے لگا۔ اور تحریر ہذا کے وقت تک جبکہ محرم ۱۳۶۵ھ کی پانچ تاریخ ہے بھاؤ بارہ روپیہ کم فیصدی ہے۔ اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ریال یعنے عربی روپیہ کے مبادلہ میں چھوٹے سکے لینے میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز بازار سے خرید کیجائے تو ایک ریال کے بائیس قرش لئے جاتے ہیں۔ اور اگر وہی ریال صراف کے یہاں دے کر قرش لیا جائے تو دو کم کرکے بیس قرش ملتے ہیں۔ چھوٹا سکہ حلالہ ہے جو ایک قرش کا چوتھائی ہوا کرتا ہے۔ حساب سے جب کہ حلالہ قرش کا چوتھائی ہے تو ایک ریال کے اسّی ملنا چاہیئے۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ عربی صراف ایک ریال کے صرف چالیس حلالہ دیا کرتے تھے اوسط طبقہ کے حجاج زیادہ تر حلالہ سے خیرات کیا کرتے ہیں۔ اس اُلٹ پھیر میں حلالہ تک آنے کے بعد ہندوستانی سکہ گویا پچاس فیصدی گھٹ جاتا ہے خیال فرمایئے کہ روپیہ کی قیمت جب پچاس فیصدی گھٹ جائے تو اس کا کسقدر بار غریب حاجیوں پر پڑے گا اور نہ معلوم کتنے لاکھ روپیہ کا ہیر پھیر ہو چکا ہوگا ہندوستانی سکے کی یہ بے قدری معمولی نہیں۔ بلکہ ایسے اشد ضروری اُمور میں سے ہے

کہ جس کا حل کرنا حکومت ہند کیلئے بعجلت ممکنہ لوازمات میں سے ہے۔

حجاز کی منزل آخری

از مکۂ معظمہ تا مدینۂ منورہ

برادر معظم حکیم عبدالقادر صاحب انصاری کو ملک الحجاز و سلطان نجد عبدالعزیز ابن سعود نے بتاریخ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ یاد فرما کر اپنی اور اپنے محلات کی تبض دکھلائی۔ دوا میں تغیر کرنے فرمایا اور مدینہ منورہ جانے کے لئے لاری کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ کے دن سامان کے حمل و نقل کی ایک لاری وی ایٹ فورڈ بغیر چھت کی آگئی۔ تمام قدیم و جدید لاریاں مصری حجاج کو لیکر مدینہ منورہ چلی گئی تھیں۔ اس لئے وزیر صاحب مالیہ عبداللہ سلیمان صاحب نے اپنے ذاتی سامان کی لاری عطا کی۔ غنیمت سمجھا گیا اس لئے کہ اگر مدینہ طیبہ سے اچھی لاریوں کا انتظار کیا جاتا تو کم از کم ہفتہ عشرہ اس میں اور لگ رہتا۔ ایک دن لاری کو کپا نوس کا چھت ڈالنے اور عارضی سیڑھی تیار کرنے میں لگا۔ بروز شنبہ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہم لوگوں نے تہجد کے وقت طواف وداع سے فراغت کی۔ اور خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے

اُنہوں نے پیر باب الوداع تک آکر وہاں قریب کھڑی ہوئی لاری میں سوار ہوگئے سامان کے صندوقوں پر بستر لگا دیئے گئے تھے۔ سامان کی کثرت سے لاری پٹی ہوئی تھی چوں نوں کرکے سب ہم سفر بیٹھ گئے اور رات کے پچھلے پہر مکہ معظمہ سے جدہ روانہ ہوگئے۔ صبح کی نماز لاری ہی میں سب نے اشارہ سے ادا کی۔ عربی وقت کے دو بجے اور ہندوستانی وقت کے آٹھ بجے صبح جدہ اپنے وکیل صالح بسیونی کے مکان پر پہونچے۔ وہاں والدہ ماجدہ کا کچھ سامان رکھا تھا اسکو لاری میں منتقل کیا گیا۔ صالح بسیونی صاحب نے بہت پر تکلف ناشتہ کروایا۔ گیارہ بجے دن کو جدہ سے روانہ ہوئے۔ پیٹرول کے ذخیرہ پر حکومت کے پرمٹ سے رابغ تک کیلئے بھروایا گیا اور مدینہ طیبہ کی کچی سڑک پر لاری روانہ ہوئی۔

"چل مدینہ کی طرف چل تجھے لے چلتے ہیں چل"

وردِ زبان تھا اور دل تڑپ رہا تھا۔ رابغ سے پہلے ایک منزل پر لاری روک کر وضو کیا اور نماز ظہر سے سب لوگ فارغ ہوگئے۔ اس منزل سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر سمندر موجیں مار رہا تھا اور ہوٹل میں تازہ تازہ نہایت فریش مچھلیاں روغن زیتون میں تلی ہوئی حاجیوں کو لذت کام و دہن بہم پہونچا رہی تھی۔ مغرب سے پہلے رابغ میں پیٹرول دوبارہ بھروا کر لاری چلدی۔ لاری کا

سرکاری ڈرائیور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم قوم حبشی ہے
اور اپنے کام میں مہارت کلی رکھتا ہے۔ ہم نے اس کا نام شمامتہ العنبر رکھ دیا۔
در حقیقت اس کا نام علی تھا۔ رابغ کے بعد بیر حسان تک کی منزل ڈیڑھ سو
میل کی منازل مدینہ طیبہ میں سب سے زیادہ سخت منزل اس لئے ہے کہ
تمام راستہ اور ریگستان ہے۔ ایسی نرم بالو ہے کہ موٹر کے پہیے تقریباً
دو ثلث سے زائد بالو میں دھنس جاتے ہیں۔ اس بالو سے بہ سہولت
دھنسے اور پھنسے بغیر موٹر نکال لینا بہت ماہر ڈرائیور کا کام ہے۔ شاذ
و نادر ہی موٹر اٹکے بغیر اس کڑی منزل سے جو ڈیڑھ سو میل لمبی ہے نکل سکتی ہے
مگر شمامتہ العنبر نے کمال کر دکھایا اور موٹر کو ایک جگہ بھی اٹکنا یا رکنا نہیں
پڑا۔ یہ بھی مالک ذوالجلال کا فضل اور رسول اکرمؐ کی رحمت خاص کا ظہور ہے
جدہ سے روانگی کے وقت احتمال تھا کہ شاید دھوپ کی شدت کو لیا
کی چھت نہ روک سکے گی اور ضرور تمازت کی اذیت پہونچے گی۔
مگر مدینہ پاک کی سڑک پر لاری آتے ہی ایسی تیز و تند مگر از حد خوشگوار ہوا
خوشگوار انداز سے چلنے لگی کہ ابر چھا گیا دھوپ غائب ہوگئی اور ہوا کی شدت
نے کیا اس کی چھت کے پرخچے اڑا دیئے۔ ارادہ تھا کہ بیر حسان پہونچکر

منزل کی جائیگی۔ مگر رات کے گیارہ بج جانے سے بیر حسان سے ادھر کی ایک
منزل اور رُک گئے۔ پہونس کے چھپر میں گیاس لمپ جگمگا رہے تھے۔ پچاس
ساٹھ عربی کرسیاں جو رات کو پلنگ کا کام دیتی ہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور دو
قافلے مصریوں کے ٹھیرے ہوئے تھے۔ سردی خوب چمک رہی تھی۔ والدہ
ماجدہ اور زنانی سواریوں نے تولاری میں استراحت کی اور سردی کے باعث
برادو پربراد یہ سمجھکر کہ یہ بھی مکہ معظمہ کا علاقہ ہے۔ چائے دوائی گئی۔ مگر صبح یہ
چائے نوشی خوب رنگ لائی۔ اور رنگ رخ اڑ سا گیا۔ جب پتہ چلا کہ پہونس
کے چھپر والے کہوہ جی یا ہوٹلی طائفہ وزدانی عرب میں سے ہیں اور انہوں نے
فی برّاد دو ریال قیمت لگائی۔ حالانکہ عام نرخ کے اعتبار سے ایک ریال
میں تین برّاد ملا کرتے ہیں یہ براد چھوٹا چائے دان ہوا کرتا ہے۔ جس میں
تین چار فنجان چائے ہوتی ہے۔ اس پر بھی مستزاد شب باشی ہونے کا کرایہ
فی کس دو ریال وصول کیا۔ تھہر ور ہیش بر جان درویش۔ یہ سمجھکر جلد تین
ریال ادا کر دیئے گئے کہ یہ وہاں ٹہیرنے کی فیس ہے۔ رات ہمارے ہمسفر
رفیق تو آرام سے خراٹے بھر نے لگے ہم کو تمام شب مطلق نیند نہ آئی۔ اسلئے
کہ مکہ معظمہ میں ایک ابوالہول مصری نے حالت طواف میں اپنے بوٹ کی

ایڑی سے کچل کر ہمارے داہنے پیر کی پشت پر زخم ڈال دیا تھا۔ بیجا بی اور لاپرواہی سے اس میں زہر پڑ گیا اور وہ زہر جا بجا اگرچہ سات جگہ دردناک پھوڑے پیدا ہو گئے۔ مسافرت کے باعث کوئی علاج نہ ہونے گرد و غبار جذب کرنے اور لاری میں کچلے جانے سے ان پھوڑوں میں سمیت پیدا ہو کر ازحد ٹیس ٹیک اور درد پیدا ہو گیا۔ مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد جب تمام تدابیر اختیار کی گئیں تو بتدریج اندمال ہو سکا۔ ورنہ تقریباً دو ہفتے سے زیادہ تک چلنے پھرنے میں ازحد تکلیف ہوتی اور نماز میں قیام کے وقت اور قعدہ کے وقت بہت درد اور اذیت ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ کہ اس جسمانی اذیت نے قلبی و روحی راحت بہم پہونچائی اور اسی مرض نے مسیحائی اصلی روح جسد الکونین کے مبارک و محترم قدموں تک غلامان غلام کو نہ صرف پہونچا دیا بلکہ غلام نوازیوں کی انتہا ہو گئی کہ پرسش احوال اپنے ایک ذلیل ترین ناکارہ امتی کی فرمائی گئی۔ ارواحنا فداہ۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔

آمدم بر سر مطلب۔ صبح اس منزل سے چلے اور بیرحسان سے گزرتے ہی پتھریلی اور سنگلاخ سڑک پر آئے۔ سڑک تو اس کو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا البتہ کثرت سے لاریوں کے چلنے سے کچھ نشان سے بن گئے ہیں۔

وہ شرک کا کام دیتے ہیں ۔ بہ حیثیت مجموعی جدہ سے سرزمین پاک طیبہ
مدینہ منورہ پہنچنے تک سڑک کی جو حالت دیکھی گئی اس سے یہ ایمان راسخ
ہوگیا کہ محض میرے سرکار کا معجزہ اور کشش باطنی اور تصرف خاص ہے کہ لاریاں
اور اس کے مسافر بسلامتی پہنچ جاتے ہیں ورنہ بظاہر لاریوں کے توان سڑکوں
پر جو انتہائی سنگلاخ ہیں پرخچے اڑ جاتے اور جوڑ جوڑ الگ ہوجانے چاہیئے
تھے۔ پھر جدہ سے مدینہ منورہ تک تمام راستے ادھر مفلوک الحال نیم برہنہ
بھوک کے مارے ہوئے ہر عمر کے بدو مرد عورت بھیک مانگتے نظر آتے
تھے۔ جن میں بعض چار چار سال کے ننگے بچے بھی تھے۔ کپڑے کے تھان جو کراچی
اور مکہ معظمہ میں لیکر چار چار گز کے ٹکڑے بنا کر ہر ٹکڑے میں دو دو ریال باندھے
گئے تھے۔ انہیں ان غربا کیلئے چلتی موٹروں سے پھینکتے جاتے رہے۔ اور
ہمراہی رفیق سڑک کے دونوں طرف قرش کی گویا بارش ہی کرتے رہے۔ بدو
خاموشی سے کپڑے اور قرش وغیرہ اٹھا لیتے تھے۔ مگر ایک بدو عورت کو
کپڑا ملتے ہی بے اختیارانہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا دی۔ اور ایک
نیم برہنہ بدو کو کپڑا ہاتھ آتے ہی وہ خوشی سے ناچنے لگا اور دوڑتی موٹروں
سے دور تک نظر آتا رہا کہ وہ ناچ رہا ہے۔ اس کی اس حرکت نے دل پر



علامہ لقمان الملک حکیم نابینا صاحب کے جامعۂ طبی مدینہ منورہ کے لئے وقف کردہ
اڑھائی لاکھ روپئے کی جائداد جسکا افتتاح حضرت اقدس و اعلیٰ نے فرمایا تھا

اس قدر زیادہ اثر ہوا کہ جس کی حد نہیں۔ اور جی چاہا کہ جسم کے کپڑے بھی اتار کر ان غریبوں کو دے ڈالیں۔ اللہ اکبر اس غریب قوم مسلم کے افلاس کی یہ حد ہوگئی کہ آج اس کے نام لیوا دوسرے کپڑے کا ٹکڑا ملنے پر بے اختیارانہ حرکات کرتے ہیں۔ اللّٰھم ارحم علی امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی موقوفہ جائداد طیبہ منزل دہلی کی جمع شدہ رقم میں سے مبلغ ۲۸ ہزار روپیہ اسی غرض سے لائے گئے تھے کہ حرمین شریفین کے مستحقین کو دیئے ہیں۔

بہرحال عصر سے پہلے مدینہ طیبہ کے دروازہ پر لاری پہونچ گئی۔ طوفان گریہ امنڈ آیا۔ اللہ اللہ یہی وہ منزل ہے جو کشاں کشاں جسم زار و نزار کو کھینچکر سرزمین حجاز لے آئی ہے۔ اسی پاک سرزمین طیبہ پر سر کے بل چلنے کی آرزو ایک مدت دراز سے دل میں درد بن کر جاگزیں ہو رہی تھی۔ اسی خطۂ رشک فردوس میں سانس لینے کی تمنا سانس کی آمد و شد کے ساتھ پرورش پا رہی تھی۔ وفور بے اختیار شوق میں کبھی حضرت جامی کا یہ شعر ورد زبان تھا

کے شود یا رب کہ او در یثرب و بطحٰی کنم
گہ بہ مکہ سجدہ زنم گہ در مدینہ جا کنم

آرزو ئے جنت معلیٰ بروں کردم زسر

گہ بہ باب جبرئیلؑ از شوق واویلا کنم

گانے اپنے سرکار سلطان السلاطین سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کا یہ مبارک شعر گھنٹوں مصروف تواجد رکھتا ہے

صبا بہ سوئے مدینہ روکن

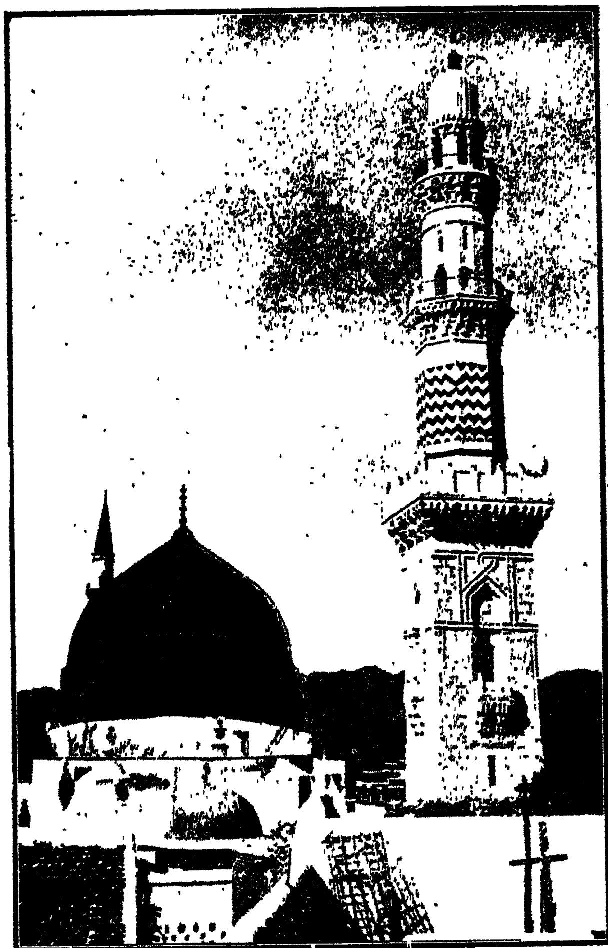
ازیں دعاگو پیام برخواں

بگرد شاہِ رسل بہ گردد

بصد تضرع سلام برخواں

لاری مدینہ طیبہ کے دروازہ سے اندر داخل ہوئی اور حضرت شیخ المشائخ مدینہ طیبہ سید حمزہ صاحب رفاعی کے دولت خانہ پر پہونچے۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ حضرت سید احمد رفاعی صاحب مدظلہٗ ہم لوگوں کے استقبال کے لئے سڑک پر تشریف فرما تھے۔ کمال محبت سے حضرت نے معانقہ فرمایا۔ حضرت سے فقیر دعاگو کو تقریباً چوبیس سال سے نیاز حاصل ہے جب کہ ہم بمبئی میں ۱۹۲۱ء میں حضرت والد ماجد قبلہ کے ہمراہ تجربہ عملی حاصل کر رہے تھے تو حضرت سید احمد صاحب نے مدینہ منورہ سے ایک ... ...

مدینہ پاک میں رسول اللہ کی آرام گاہ



کی طرف سے خاندان عالیہ رفاعیہ کا ہم کو خلافت نامہ لاکر مرحمت فرمایا تھا
سبحان اللہ کمال حسن خلق اور مہمان نوازی میں سادات گرامی کا کامل
و اکمل نمونہ ہیں ۔ دوڑ دوڑ کر ہمارا سامان کندھوں اور سر پر اٹھا لینے کی
کوشش فرما رہے تھے ۔ بڑی منت و سماجت سے اس حرکت سے باز رکھا
گیا ۔ جس وقت ہم کو یہ علم ہوا تو ہماری حالت غیر ہو گئی کہ بڑے حضرت قبلہ
شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب کی طرف سے حکماً ہم کو قیام کے لئے ایسی مبارک
و محترم جگہ ملی ہے کہ جس کی عتبہ بوسی کو بجائے زندگی کہا جائے تو کم ہے ۔
جس کی خاک پاک طوطیائے چشم ہمارے ہے ۔ یعنے خاص مولد حسنین علیہم الصلوٰۃ
ترکی حکومت میں بعہد سلطان عبد المجید خاں صاحب اس مقام پر گنبد بنا
دیا گیا تھا ۔ اور حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا محترم
بیت پاک اور مولد حسنین حضرت شیخ المشائخ صاحب کو مع ایک سہ منزلہ
عظیم الشان حکومت کے تعمیر کردہ رہائشی مکان کے عطا کر دیا گیا ہے ۔
اس لئے کہ سلطان عبد المجید خاں اور سلطان عبد الحمید خاں مرحوم حضرت
کے خاص مرید تھے ۔ ہم پر اس سرفرازی سے جو کیفیت گزری ۔ جو رقت
و تواجد ہم پر پہنچا وہ کیا بیان کریں ۔ اس مبارک مکان کے دہلیز کی خاک پاک

پیشانی سے لگائی اور یہ سمجھا کہ پنجتن پاک کی کمال محبت و الفت اور فدا کاری کے طفیل ہم کو یہ سرفرازی میسر ہوئی ہے۔ براد معظم اور ان کے زنانہ کے لئے اس مقام سے کافی ہٹا ہوا دوسرا آرام دہ کمرہ قیام کے لئے دیا گیا۔

جلد جلد سامان رکھوا کر وضو کر کے لباس بدل کر باب النسار کی طرف سے مغرب سے ذرا ہی پہلے اس جگہ جیتے جی داخلہ نصیب ہوا جو درحقیقت زمین پر ہر اعتبار ہر نقطۂ نظر ہر جہت سے خطۂ فردوس بریں ہے جو واقعی جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں قدم رکھتے ہی ایسا منظر چشم ناسوتی ظاہری کو نظر آیا جو وہم و خیال و تصور سے بھی برتر تھا۔ اس کے کمال احترام اور تقدس کے علاوہ چشم ظاہر کے لئے بھی تمام روئے زمین پر مسجد نبوی سے زیادہ حسین و جمیل مسجد کہیں کسی جگہ موجود نہیں ہے۔ سلطان عبدالمجید خان صاحب نے تقریباً اکیس کروڑ روپیہ کی رقم خطیر صرف کر کے اعلیٰ ترین ماہر انجینیروں حسن کاروں اور صناعوں سے اس کی تعمیر کروائی ہے مسجد پاک کے بیشمار سنگین ستون جن پر عربی کمانیں قائم ہیں ان کا غیر معمولی

مسجد نبوی کا ایک حصّہ اندر سے دِکھائی دے رہا ہے



ارتفاع حجم اور ضخامت دیکھکر عقل فرطِ حیرت میں غرق ہو جاتی ہے کہ ایسے عظیم الشان غیر معمولی سنگین ستون کہاں تراشے گئے اور کیسے دستیاب ہوئے ہوں گے معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ مسجد مبارک کا نقشہ بن جانے کے بعد شیخ الاغواط خادم خاص کو سرکار عالم و عالمیان نے ارشاد فرمایا کہ فلاں پہاڑ کے غار میں تیار ستون تراشے ہوئے رکھے ہیں وہاں سے حاصل کر لئے جائیں۔ چنانچہ شیخ الاغواط کی نشاندہی پر اس غار میں جتنے ستون تعمیر کے لئے درکار تھے اتنی ہی تعداد میں ترشے ترشائے مکمل حالت میں پائے گئے۔ اور وہاں سے لاکر مسجد نبوی صلوٰۃ اللہ علیہ میں لگوائے گئے۔ تمام ستون اور پوری مسجد میں گہرا ہرا جانی آئیل پینٹ کا اس قدر خوبصورت رنگ ہے کہ نظر اس کے حسن کو دیکھکر ہٹنا نہیں چاہتی سنگین ستونوں کے نچلے حصہ میں چالیس چالیس من کے وزنی پیتلی حلقے پڑے ہوئے ہیں اور اوپر کی حصوں میں جا بجا نہایت گہرا سنہری رنگ ہے۔ معلوم ہوا کہ ترکوں کے زمانہ کا رنگ کچھ ہلکا پڑ گیا تھا۔ اور نواب صاحب بھاولپور نے جلالت الملک سے خاص اجازت لے کر تین سال قبل بعینہٖ ترکوں کے زمانہ کے جیسا جاذب نظر رنگ از سر نو کروا دیا ہے۔ البتہ گنبدوں میں جو رنگ اور کلام مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں

وہ قدیم زمانہ کی بجائی ہیں۔ سنا گیا ہے کہ حرم نبوئی کے تمام گنبدوں میں تین کلام مجید نہایت خوشنما خطِ نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ سمت قبلہ میں سُرخ زمین پر سنہری اُبھرے ہوئے حروف میں بید خوشنما آیات کلام مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک طلائی رنگ میں لکھے ہوئے ہیں۔ مگر امتداد زمانہ سے سُرخ زمین اور طلائی رنگ کچھ ماند ہو گیا ہے سمت قبلہ میں جو جنوب کی طرف ہے رنگین شیشوں کے علاوہ حسین و جمیل دریچے بنے ہوئے ہیں۔ اور دن کے وقت جب روشنی ان میں سے گزرتی ہے تو بہت ہی جمیل منظر نظر آتا ہے۔

بہر حال تذکرہ پہلی بار داخلۂ حرم پاک کا تھا اسی ضمن میں بے اختیار مسجد نبوی کے حسن و جمال کا اجمالی سرسری خاکہ پیش کر دیا گیا۔ داخلہ کے بعد عجیب حالت عجیب کیفیت طاری ہو گئی عقل۔ حواس۔ ہوش سب سلب تھے۔ نیم غشی کی حالت طاری تھی۔ دل تھرا رہا تھا۔ کلیجہ کانپ رہا تھا زیادہ تر زبان پہ آرزو اَحَبُّ فِدَاكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ جاری تھا۔ کبھی کبھی اخی روحی حضرت اَمجد کی شاہد رباعی بے زوکہ از تپ بھی جاری تھی صحن مسجد کے قریب بالکل پائیں میں ایک ستون کے

پاس بیٹھ گئے تھے۔ اور جالی روضۂ اطہر پر جب نظر جاتی تھی۔ عجب حالت طاری ہوتی تھی۔ نماز مغرب کے ادا کرنے کے بعد محترم الاخوان حکیم عبدالقادر صاحب کے ہمراہ ہمارے مُزّور و وکیل حیدر صاحب کو ساتھ لے کر ہجوم میں سے گزرتے ہوئے آخر کار مواجہ اقدس میں پہونچ گئے۔ جی چاہتا تھا کہ بار بار کہیں ارے کوئی خدارا بتلادو کہ آنکھ سے کیسے چل سکتے ہیں اللہ اللہ مجھ سیاہ کار گنہگار سگِ کوئے نبوی غلام غلاماں کی یہ رسائی کہ آج اس سرکار کے حضور میں لے جایا جا رہا ہے۔ جس کے نامِ پاک پہ عمر بھر تصدق و قربان ہوتا رہا۔ اس کے سامنے جا رہا ہے جو جسدِ کونین کی روح ہیں۔ جو بالمومنین رؤف الرحیم ہیں۔ اُن کے ملاحظہ میں آج ایک کمترین غلام ایک ادنیٰ ترین امتی پیش کیا جا رہا ہے۔ جن کا ارشاد ہے کہ جو امتی میری زیارت کیلئے میرے بعد آئے گا۔ اُس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور میری شفاعت اس کیلئے واجب ہوگئی۔ اللہ اللہ میری کیا بساط۔ میری کیا مجال۔ کس منہ سے سامنے جاؤں۔ کیونکر سامنا کروں۔ میرے پاس تو سوائے زنگ آلودہ دل جس کا سدِ گناہ انبار در انبار خرد وار در خرد وار لغزشوں اور خطاؤں کے اور کیا دھرا ہے۔

کیا کروں؟ کیسے سامنا کروں۔ کیا تحفہ میرے پاس ہے جس کو نذر گزران سکوں۔ سوائے ایک اُنکی فداکارانہ محبت و والہانہ جذبۂ عشق و محبت کے اسی پس و پیش حیص بیص میں کشاں کشاں بازو پکڑے ہوئے وکیل صاحب نے مواجہ اقدس کی جالی کے سامنے کھڑا ہی کر دیا۔ آنکھیں بند ہوگئیں۔ حواس تو پہلے ہی سے گم تھے اب اس میں اور زیادتی ہوگئی۔ خواب کی سی حالت میں صلوٰۃ وسلام پڑھوایا۔ پڑھ دیا۔ مگر اس وقت اور اس موقعہ پر کوئی حضوری میسر نہ ہوسکی۔ وہاں سے ریاض الجنۃ کے مقام پر آگئے اور ٹھہر گئے۔ نمازِ عشاء کی رکعت اول میں اس قدر شدید قلبی دورہ پڑا کہ قریب تھا حرکتِ قلب رک جاتی۔ مگر موت تو زندگی کی خود محافظ ہے اور وقتِ معینہ سے ایک لحظہ قبل ممکن نہیں کہ کوئی جامۂ ہستی کو اتار سکے۔ اس لئے بچ گئے۔

جائے قیام پر واپس آنے کے بعد حضرت سید احمد صاحب رفاعی نے مکان کی دوسری منزل ایبٹ ہی پر تکلف دعوت کھلائی۔ مرغ پلاؤ اور بہت ہی نفیس زردہ تھا۔ جس میں یہ جدت دیکھی کہ استنبول کا عطر گلاب ڈالنے سے از حد معطر ہوگیا تھا۔ طعام سے فراغت کے بعد بڑے

حضرت قبلہ شیخ المشائخ مدینہ منورہ حضرت سید حمزہ صاحب مدظلہ العالی
نے تیسری منزل پر یاد فرمایا۔ زہے قسمت۔ زہے بلندی طالع کہ آج
عالم اسلام کی شاید سب سے معمر ترین ہستی شمس فیوضان روحانی سے
شرف تلاقی و لقاء حاصل ہوسکا۔ حضرت نے التفات خاص سے نوازا۔
معانقہ فرمایا۔ باصرار تمام اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ دیر تک شرف تکلم عطا
فرمایا۔ پھر چائے پلا کر رخصت فرمادیا۔

معراج زندگی | جیسے کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے مصری حضرات کی
کرمفرمائی سے داہنے پیر کی پشت پر حالت طواف میں بوٹ سے کچلے
جانے کی وجہ سے زخم پڑ گیا تھا جس میں ریم ہوگئی اور وہ جابجا لگ کر
چھ سات نہایت اذیت دہ پھوڑے ہوگئے۔ مسافرت میں کوئی علاج
نہ ہونے گرد و غبار جذب کرنے اور لاری میں کچلے جانے سے ان پھوڑوں
میں سمیت پیدا ہوکر ازحد ٹیس ٹیک اور درد پیدا ہوگیا نمازوں میں قیام
اور قعدہ میں ازحد تکلیف ہوتی تھی۔ چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ۲۸ر ذی الحجہ
۱۳۶۴ھ دوشنبہ عصر کے بعد ہم لوگ مدینہ طیبہ پہونچے تھے۔ دوسرے
دن ۲۹ر ذی الحجہ منگل کے روز پانچوں نمازیں حرم شریف مسجد نبوی میں

ادا کی گئیں مگر سرکار کی طرف سے یاد نہیں ہوئی ۔ اس لئے مواجہ اقدس میں حاضری کی جراءت بھی نہیں کی اور صُفّے پر اپنا ٹھکانہ ایک گوشہ میں بنا کر سوائے ضروریات کے لئے جائے قیام پر تھوڑی دیر کے لئے آ جانے کے صبح سے عشا تک ٹھہرے رہے بحت نارسا کی زبونی حسب حال رہی ۔ روئے ۔ گڑگڑائے بار بار معروضہ باادب تمام پیش کرتے رہے ۔ مگر پورا دن ایسی ہی محرومی میں گزر گیا ۔ یقیناً دل کی مکمل شکستگی میں کوئی کسر رہ گئی تھی ۔ اور نامکمل چیز بھلا کامل و اکمل دربار عالی میں کیسے شرف قبولیت حاصل کرتی ۔ بقول حضرت امجدؔ ۔

بنتی ہی نہیں ہے کوئی صورت
جبتک اچھی طرح نہ بگڑے
ہوتا نہیں جوش بحرِ رحمت
جتنک کوئی ایڑیاں نہ رگڑے

رات کا بڑا حصہ کچھ تو پیر کے زخموں کے درد اور اس سے بھی زیادہ درد دل کی ٹیس اور خفیہ آہ و بکا کی شدت سے جاگتے

گزرا۔ چہارشنبہ کا دن ہماری کامرانی و کامیابی کو لیکر طلوع ہوا
نماز صبح صُفّہ پر ادا کر کے معمولات پڑھ رہے تھے۔ بھیڑ کم ہو گئی تھی
بہت کم لوگ صُفّہ پر اس وقت موجود تھے کہ یکایک صُفّہ کے سامنے
کی مبارک سبز جالی کے اندر میرے سرکار عالم و عالمیان بنفسِ نفیس
تشریف فرما نظر آئے اور میرے خلوت کدہ دل کی شب تار
میں شمع شب اسریٰ کا اجالا ہو گیا اور مدینہ کا بدر کامل چمکنے لگا۔

قلبِ فسردہ کھِل گیا حاصلِ عمر مل گیا
پہنچی ہے اُن کی خاکِ پا میرے سرِ نیاز تک

اس روئے انور و اقدس نے نظر ظاہری کے روبرو اس طرح
صاف صاف زندگی میں تیسری بار رونمائی اور جاگتے میں اپنے
دیدار پُر انوار سے مشرف فرما دیا کہ جسم کا ہر ذرہ وجود لمعات
انوار سے جگمگا گیا۔ شباہت مرشد پاک حضرت خواجہ حسن نظامی
صاحب قبلہ مدظلہ، سے بہت ملتی جلتی تھی۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

تو بہ نہ پا کی سر بہ سر نہ تر آب تاک اے نازنیں
و شد ز چپانِ جسم تو بہتر ز حور و ملک اے نازنیں ـــ اور

اتراٸیں نگاہیں جو بڑھیں سُوٸے محمدؐ
دل لوٹ گیا دیکھ کے ابروٸے محمدؐ

اللہ اکبر زور دہا دادی و درمان بیزہم۔ غلام نوازی کی حد ہو گئی ذرّہ نوازی کی انتہا ہے۔ واقعی مستحق کرامت شاید گناہگار ہی ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا اور کیا خوب کہا ہے۔ سہ

دو عالم یہ کاکُل گرفتار داری
بہر مو ہزاراں سیہ کار داری
زسر تا بہ پا رحمتی یا محمدؐ
نظر جانب ہر گنہگار داری

ان مبارک و پاک لبوں سے جن کی ادنیٰ جنبش سے چاند میں قیامت آگئی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان محترم لب ہائے مبارک سے جن کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ ارشاد ہوا الم (کیسے ہو) پھر تاب ضبط کہاں تھی۔ یہ مقام انبی درجہ ادب سماعلہ کا مقام ہے کہ ہماری تو کیا ہستی ہے بڑے بڑے صحابہ کرام

جن کے مراتب علیا فہم بشری سے ماوری ہیں۔ اور جن میں اُن کو خداوند تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ خبردار۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ اپنی آواز بے ادبی سے نبیؐ کی آواز پر بلند ہرگز نہ کرنا ورنہ تمہارے عمل حبط ہو جائیں گے۔ اگر اس کمال ادب کے مقام پر نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا تماشہ کرتے۔ ؎

محمدؐ جو مل جائیں کیا کیا کریں ہم
خدا کی قسم ہے تماشہ کریں ہم

ناچتے کودتے، بے اختیارانہ گھنگھروں مسلسل کا مل عالم وجد میں رقص کرتے۔ صدقہ اور قربان ہوتے۔ خود بھی خوب ناچتے۔ اور ایک عالم کو بھی نچا دیتے۔ مگر باوجود نعمت عظمیٰ دیدار کی بیداری میں سرفرازی کے بے ادبانہ بے قابو نہ ہو سکے۔ اتنا ضرور ہوا کہ جو اُبا جو شعر عرض کیا وہ ایک حد تک عاشقانہ مگر گستاخانہ بھی تھا۔ سماعت فرما کر اتنی جھلک اور دیکھی کہ میرے سرکار عالم عالمیان نے شعر سنکر تبسم فرمایا۔ شعر یہ ہے۔

اب لذت دردِ جگری پوچھنے کیا ہو
جب تم ہی نمکدان ہو تو پھر کیوں نہ مزا ہو

مواجہ اقدس میں حاضر ہوئے اور دل کھول کر اپنے اور امت مرحومہ کے سب ظاہری اور باطنی زخم دکھلا دیئے ہیں۔ اس حضوری کے میسر ہونے کے بعد دل کی دنیا بالکل بدل گئی۔ اب ذکر دین کا لذت آرہی تھی۔

سوز خواہم درد خواہم اشتیاق

مدینۃ النبی کی یہ خصوصیت تمام عالم اسلام میں منفرد ہے کہ حرم پاک میں تہجد کی اذان بھی ہوا کرتی ہے۔ اکثر نماز تہجد ہم پائیں اقدس میں ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پانچ نمازیں صُفّہ پر ادا ہوتی رہیں۔

بتاریخ ۸ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ روز چہار شنبہ کے دن حاضری مدینہ طیبہ کا ٹھیک نواں دن تھا۔ ہم کو نماز ظہر کے بعد پہلی بار محراب نبوی میں نماز نفل ادا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ محراب نبوی کس قدر محترم مقام ہے سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔ اس لئے اس جگہ سخت اژدہام اور شدید کشمکش ہوتی ہے۔ بخدا ئے لایزال محراب نبوی میں دو رکعت نفل ادا کرتے ہوئے ایسی عجیب وغریب چال تواتر اور لطیف تیز خوشبو سونگھنے میں آئی جو کبھی اس سے قبل سونگھنا تو درکنار وہم و تصور میں بھی

نہ آئی تھی۔ محراب نبویؐ صحیح معنوں میں حافظ کے اس شعر کی جامع تصویر ہے کہ۔ ؎

بہ مقامے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

سرکار کی وفات ظاہری کے بعد افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے مقام سجدہ کو دیوار سے چن کر مستور کر دیا۔ اور جس جگہ سرکار کے وہ مقدس و محترم پائے مبارک رہتے تھے جو بہ نیت بخشائش امت عاصی کیلئے نماز تہجد ادا کرتے کرتے متورم ہو گئے تھے۔ اس مقام کو دائماً سجدہ گاہِ عالم قرار دیکر محراب بنا دی تھی۔ اسی محراب پر سلطان عبد المجید خاں صاحب نے بے حد حسین و جمیل حسن کاری کا مکمل نمونہ دیدہ زیب طلائی کام سے مزین اور قیمتی پتھروں سے مرصع محراب بنائی ہے۔ بہرحال دو رکعت نماز ادا کی۔ روح قلب۔ جسد۔ دماغ سب ما فوق العادت عنبرانشی فردوسی لطیف خوشبو سے معطر ہو چکے تھے۔ پہلے مواجہ مبارک میں کمال خشوع و خضوع سے صلوٰۃ و سلام پڑھکر پائین اقدس کی طرف گئے۔

حاضری کا نواں دن اور عربی وقت کے ٹھیک نو بجے تھے۔ حضرت امجد کی عطیہ رباعی بار بار بہ تکرار عجب عالم وجد میں کمال سوز و گداز سے جب کہ آنکھیں مینہ برسا رہی تھیں عرض کر رہے تھے۔ ؎

آقا ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لے کے جام آیا ہے
خسرو پہ بھی اک چشم کرم ہو جائے
قدموں میں ترے تیرا غلام آیا ہے

یکایک نعمت حضوری میسر ہو گئی۔ دیکھا کہ سرکار جالی مبارک سے لگے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ مگر اس وقت قد انور اس قدر زیادہ غیر معمولی بڑا تھا کہ اندر جو محصورہ اصل حجرۂ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اطراف غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کی بلندی سے بھی متجاوز تھا جسم اقدس پر ایک سبز گہرا کاہی رنگ کا لبادہ تھا۔ بہت بلندی کی وجہ سے چہرۂ مبارک اور روئے انور اس وقت اچھی طرح نہیں دیکھا جا سکا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا تھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ مرشدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ سے بہت

مشابہت ہے۔

ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے

اس مصرعہ پر صاف صاف برابعین چشم ظاہری سے الحمدللہ دیکھا کہ دونوں دستِ مبارک جن کا حُسن اور جن کا جمال اور کمالِ نزاکت فہم و تصور و تخیل سے بھی زائد تھا۔ سبز آستین جالی سے باہر ہو گئے اور میرے سینہ میں قلب کے مقام پر دونوں مبارک و محترم ہاتھ داخل ہو گئے۔ گویا ٹوٹے ہوئے دل کو باندھا جا رہا تھا۔ میرے زخم ہائے نہانی کا مداوا فرمایا جا رہا تھا۔ بے حد کوشش اور سخت جد و جہد سے چیخ روکی اور دل چاہا کہ آخری مصرعہ ۔ ؎

قدموں میں ترے تیرے غلام آیا ہے

کہتے ہوئے فوراً مبارک قدموں پر گر پڑوں اور ہو سکے تو جان تصدق کر دوں عسکری کی تو کوئی پرواہ ذرہ برابر نہ تھی۔ چاہے وہ اس طرح سجدہ نما حرکت کرنے دیکھکر چھڑیوں سے ہمارا جسم لنگا روزخمی کر دیتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس جگہ دو برقعہ پوش مستورات کچھ ایسا جمی بیٹھی ہوئی تھیں کہ ہلنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ چند لمحہ ان کے بیٹھنے کا انتظار کرنے میں

گزرا ۔

پھر جو دیکھا تو ان کو نہ دیکھا

عالم وجد میں تمام آداب شریعت بالائے طاق ہو گئے ۔ جذب اس کو کامل طاری تھا آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں ۔ رُوان رُوان رقص کناں وجد تھا ۔ سنئے حضرت امام زین العابدین کے اشعار ۔

اَلصُّبحُ بَدٰی مِن طَلْعَتِہٖ پڑھتے ہوئے کئی طواف حجرۂ مبارک کے اطراف کر ڈالے ۔

قبلۂ دین کعبۂ جاں یا رسول اللہ توئی
سجدۂ مسکین حسن ہر لحظہ بادا سوئے تو

کچھ اور احوال | شنبہ ۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ ۔ ہمارے روز نامچے یا ڈائری کے ایک حصہ کو نقل کیا جاتا ہے ۔ آجکل حرم نبوی زائرین کے ہجوم سے پٹا پڑا ہے ۔ بلا مبالغہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ہے ۔ پنجوقتہ نماز باجماعت شدت ہجوم کے باعث بلا ریب ایک مجاہدہ سے کم نہیں ہے مگر ہر زحمت کمال رحمت محسوس

ہوتی ہے کہ یہی اقتضائے محبت ہے۔ ظہر کے وقت حرم شریف میں جاتے ہوئے باب النساء پر ایک حسین وجمیل مدنی لڑکا جھاڑو دے رہا تھا۔ ہم حجرۂ آثار مبارک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیمی فراش اور متعلقی ہونیکا افتخار رکھتے ہیں۔ فوراً اس سے جاروب لیکر دیر تک جھاڑو دیتے رہے۔ رہے سہے باطنی خس وخاشاک بحمد للہ دور ہو گئے۔ عصر ومغرب کے درمیان بلا طلبی مواجہ اقدس میں حاضر ہو گئے مگر حضوری میسر نہ ہو سکی۔ ایک روز بہت سویرے اذان سے بھی پہلے حرم شریف میں حاضر ہو گئے۔ مگر کثرت ہجوم کے باعث مطلق جگہ نہ ملی اور لوگوں کی طرح زبردستی جگہ حاصل کرنا ہماری عادت کے خلاف اور مسجد نبوی کے احترام کے منافی ہم سمجھتے ہیں۔ اس لئے باب النساء اپنے داخلے کے دروازہ پر پہونچکر نواب سے اجازت لیکر جوتیاں رکھنے کی جگہ پر بیٹھ گئے اس جگہ قدیمی قالین ازحد گلی ہوئی اور جوتیوں سے گری ہوئی مٹی خاک دھول سے ایسی اٹی ہوئی تھی کہ تیمم کیا جا سکتا تھا۔ نماز باجماعت کے وقت پہلے سجدہ میں اسی گرد وغبار سے دلی ہوئی واقعیت الحمد۔

یا اللہ ایسی تیز گلاب کی خوشبو آئی جیسے کسی نے ایک قرابہ عطر الٹ دیا ہو۔ دوسرے سجدہ میں الحمدللہ قرب میسر ہوا۔ رواں رواں وجد کرنے لگا۔ ظہر کے بعد کوشش کی کہ محراب النبی میں دو رکعت پڑھ لیں۔ مگر ممکن نہ ہو سکا۔ دیکھا کہ مصری اور سرحدی پٹھان لڑ رہے ہیں اور باہم زدوکوب ہو رہی ہے۔ دل پر سخت چوٹ لگی زار و قطار رونے لگے۔ پائیں اقدس ہی کہ وہی ہمارا اصلی موقف ہے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رحمۃ اللعالمین آپ کی امت کا اب یہ حال زبوں ہو گیا ہے کہ آپ کے روبرو آپ کے سامنے حیات النبی پر یقین رکھتے ہوئے باہمی زدوکوب کر کے آپ کو سخت تکلیف اور رنج پہنچاتے ہیں۔ للہ مدد فرمائیے۔ اب جلد ظہور حضرت امام الزماں مہدی علیہ السلام کا حکم فرما دیجیے تاکہ عالم اسلام اور تمام دنیا کے لاعلاج امراض روحانی خود غرضی و حرص باہمی کے ان کی برکات و فیوض سے بالکلیہ دور ہو جائیں۔

اسمائے پاک طیبہ طیبہ کثرت اسماء بزرگی کی دلیل مبرہن و روشن ہوا کرتی ہے۔ بہتات اسماء مسمی کی شرافت و شان کی

گواہی دیتی ہے۔ سوائے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا کے کسی اور شہر کو یہ بزرگی حاصل نہیں کہ بعض علمائے ربانی نے اس کے اسمار کی تعداد سو۔ اور بعض محققین نے سو سے زائد بتلائی ہے بلدہ مبارک کے اسمار کتاب جذب القلوب "الیٰ دیار المحبوب" میں تفصیلی طور سے مشرح بیان ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اسمار ہیں۔

طَابَہ۔ طَیبَہ۔ طَیِّبَہ۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جملہ مشتقات اس مادہ کے داخل اسمار مبارک ہیں۔ اور اطلاق ان اسمار کا طہارت کلی کی وجہ سے ہے۔ جملہ شرک کی نجاستوں سے اور ان اسمار مبارک کا توافق سلیم طبائع کیلئے ہے۔ یہ جملہ جو حضرت شیخ نے لکھا ہے غالباً بطور کشف منجانب اللہ لکھا گیا۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ کو معلوم ہی تھا کہ ایک شقی جماعت محرومِ آئندہ ایسی بھی پیدا ہونیوالی ہے جو حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت سے انکار کرے گی اور ان کو اس بلدہ متبرکہ کی بزرگی سے بھی انکار ہوگا۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں اس بلدہ متبرکہ کی ہوا ہی معطر نہیں ہے بلکہ وہاں کے

در و دیوار سے وہ خوشبو آتی ہے کہ عشاق کا مشام جان معطر ہو جاتا ہے

بِطِيْبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ طَابَ نَسِيْمُهَا
فَمَا الْمِسْكُ وَالْكَافُوْرُ وَالصَّنْدَلِ الرَّطْبُ

حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ جو اکابر اولیائے عظام میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ خاک پاک مدینہ میں ایک خاص خوشبو ہے جو کسی مشک یا عنبر یا صندل میں نہیں ہے۔ اگرچہ کہ یہ بات بظاہر تعجب انگیز ہے مگر درحقیقت کوئی جائے استعجاب نہیں ہے۔ صرف مشام ارادت چاہیئے۔ جس جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیبہ پہونچے ہوں وہاں مشک وغیرہ کی کیا ہستی ہے۔

دراں زمیں کہ نسیمے وزد ز طرۂ دوست
چہ جائے دم زدن نافہائے تاتاریست

اسمائے پاک مدینہ منورہ میں سے بعض یہ بھی ہیں۔
دار الابرار۔ دار الاخیار۔ دار الایمان۔ دار السلام۔ دار الفتح۔ طابہ اور شافیہ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خاک پاک مدینہ شفا ہے۔ ہر مرض کے لئے حتیٰ کہ جذام۔ برص۔ بعض علمائے

متقدمین نے کتاب اسمائے مدینہ منورہ اور اس کی تخصیص میں ثابت
کیا ہے کہ شدید بخار والوں کو مدینہ پاک کی خاک میں کامل اثر صحت
دکھلایا ہے ۔ اور امراضِ قلب اور علتِ عصیاں کے واسطے تو یہاں کی
خاکِ پاک عجیب اثرِ شفا رکھتی ہے ۔

منجملہ اور بے شمار خصائص وفضائل کے بلدیہ طیبہ ارض مبارک
مدینہ منورہ کو یہ خصوصیت بھی اور تمام روئے زمین پر حاصل ہے کہ تخلیق زمین کے
وقت زمین نے رب العزت کے امر کی اطاعت کا طوعاً وکرہاً اقرار کیا تھا
مگر ارضِ مبارک مدینہ طیبہ تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصیت سے ایمان
لاچکی ہے ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی کنکریوں نے حضرت کا کلمہ
پڑھا ہے اور اس تسبیح کو لوگوں نے سنا ہے ۔ یہ معجزہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت
شدہ ہے اور احادیث اس کی مؤید ہیں اور اسی ارضِ پاک کا ایک پہاڑ
جبل احد کی شان میں یہ حدیث ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
خاص محبت رکھتا ہے ۔ اسی ارضِ پاک کی لکڑی سے بنا یا ہوا اُستن حنانہ
نے مفارقتِ نبوی سے بیقرار ہوکر باآوازِ بلند گریہ وزاری کی تھی ۔ یہ حدیث
خاکِ پاک مدینہ طیبہ کی شان میں وارد ہے ۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ تُرْبَتَھَا الْمُوْمِنَۃُ

سرکار ارشاد فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی میری جان جس کے ہاتھ میں ہے تحقیق خاکِ مدینہ مومنہ ہے۔ سبحان اللہ تمام عالم میں کیا کوئی شہر یا سرزمین ایسی بھی ہے کہ جس کے شجر و حجر نے ایسی شہادت و گواہی دی ہو اور جس کی کنکریوں تک نے تسبیح پڑھی ہو اور روح جدا لکونین پر ایمان لائی ہوں اور جس کے پہاڑ تک کو سرکار عالم و عالمیان سے محبت ہو اور جس کی خاک کو **مومنۃ** کا خطاب عطا ہوا ہو۔ اُن لوگوں کی محرومی و شقاوت قلبی پر حیف ہے کہ جو اس پاک و محترم شہر کی کوئی تکریم و تعظیم نہیں کرتے اور صرف حج کر کے بہ کہہ کر مکہ معظمہ سے پلٹ جاتے ہیں کہ مدینہ طیبہ جانا فرض نہیں ہے۔ حضرت امام مالک رح کا فتویٰ اور مذہب یہ ہے کہ جو مسلمان ارضِ پاک مدینہ طیبہ کی تکریم نہ کرے یا خدانخواستہ کچھ بُرائی سے منسوب کرے اس کی تعذیب واجب ہے۔ اس کو محبوس کیا جائے جبتک کہ وہ توبہ کر لے۔ حدیث کی اولین کتاب مُوطا ابن مالک ہے جس کو حضرت امام مالک رح نے سب سے پہلے خاص

مدینہ طیبہ میں مدون کیا تھا۔ حضرت امام مالکؒ کو اس ارضِ پاک سے ایسا اُنس تھا کہ ڈر اور خوف کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے کہیں باہر نہیں جاتے تھے کہ اور جگہ انتقال ہوجائے تو جنت البقیع سے محروم ہوجائینگے تمام زندگی میں انہوں نے صرف ایکبار حج فرض ادا کیا ہے اور وہ بھی اِس طرح کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بہ تاکید ارشاد فرمایا کہ حج فرض ادا کرلو۔ تم مدینہ سے باہر فوت نہیں ہوگے۔ واضح ہو کہ حضرت امام مالکؒ جنت البقیع میں آرمیدہ ہیں۔

اطراف مدینہ منورہ کی زیارات بتاریخ ۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ روز دوشنبہ صبح ناشتہ کے بعد جس لاری میں مکہ معظمہ سے آئے تھے اسی میں والدہ ماجدہ کو لیکر ہم لوگ اطراف مدینہ طیبہ کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ پہلے جبل احد جاکر مزار مطہر حضرت سید الشہدا سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر فاتحہ خوانی کی۔ عسکری کی نظر بچا کر چبوترہ مبارک سے تھوڑی سی مٹی تبرکاً لے لی۔ پھر گنج شہدا پر سلام عرض کیا گیا۔ گنج شہدار کی حالت ازحد خراب وخستہ ہے۔ اخی روحی حضرت امجد صاحب کی منہ بولی صاحبزادی مقبول بیگم نے ایک اپنا ٹوٹا ہوا دانت اور ایک اچھا دانت

اکھاڑ کر حیدر آباد میں ہمارے حوالے کیا تھا کہ مدینہ منورہ میں دفن کر دیا جائے۔ ہم نے گنج شہدا میں وہ دانت پہونچا دیئے۔
مسجد سید نا حمزہ میں جس کو نجدیوں نے قبوں کے ساتھ شہید کر دیا ہے۔ دو رکعت پڑھکر پانچ مختلف رنگ کے سنگریزے جبل احد کے لیکر وہاں سے مسجد قبلتین حاضر ہوئے۔ مسجد قبلتین وہ مقام ہے جہاں پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور سمت قبلہ بجائے فلسطین کے کعبہ کی طرف بدلائی گئی۔ قدیم محراب سمت فلسطین کی قائم اور متروک ہیں اور سمت کعبہ کی محراب اُس کے بالمقابل موجود ہے بعض جہلا اپنے اجہل زوار لوگوں کی ترغیب پر دونوں سمت نماز ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی حرام ہے۔ اصل مسجد قبلتین کے آثار جس پر چھت نہیں ہے اور جس کی تعمیر خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابائے کرام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ بجنسہ موجود ہے۔ اور اُس کے داہنے طرف ترکوں نے دوسری مسجد چھت دار مستحکم بنا دی ہے۔ اصل مسجد میں دو رکعت نماز ادا کر کے دیوار کی مٹی اور اینٹ کا ایک ٹکڑا اس خیال سے تبرکاً حاصل کیا گیا کہ تیرہ سو سال

احد کا پہاڑ اور سیدنا حضرت حمزہ کا مزار



قبل محترم اور مقدس ہاتھوں نے اُس کو مس کیا ہوگا۔ وہاں سے مسجد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نماز پڑھ کر مسجد قبا میں حاضری میسر ہوئی۔ مسجد قبا کو جو وجہ اہمیت حاصل ہے یہ وہی مبارک اور محترم مسجد ہے جس کی تعریف کلام پاک میں آئی ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور صحیح حدیث میں اسکی فضیلت ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز ادا کرنا عمرہ کے مساوی ہے۔ غالی نجدیوں نے اس مبارک مسجد میں بھی جا بجا اپنی کارگزاریاں دکھلائی ہیں۔ اس مسجد میں ایک مقام طاقت کشف کے نام سے معروف تھا۔ سرکار عالم و عالمیان کو ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کا اشتیاق ہوا مسجد کی دیوار سمت قبلہ میں شق ہوگئی اور تمام صحابہ کرام کو خانہ کعبہ کی اس شگاف کے سامنے زیارت ہوئی۔ نجدیوں نے اس شگاف کو بند کر دیا۔ اسی مسجد کے صحن میں ایک مقام پر قصوی اونٹنی کے بیٹھنے کا مقام بنا ہوا تھا۔ نجدی حضرات نے اس کو مٹا دیا۔ بہر حال مسجد مبارک میں نوافل پڑھی گئیں۔ مدینہ طیبہ سے خاص اسی مقام پر تقسیم کرنے کے لئے خمیری روٹیاں لی گئی تھیں

وہ تقسیم کرائی گئیں۔ ہمارے وکیل کے نائب اور مسجد نبویؐ کے موذن عبدالخلیل غریب کے کپڑے اس تقسیم میں تار تار ہو گئے۔ مسجد قبا سے سبع آبیار یعنی سات ان متبرک کنوؤں کا پانی جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا تھا پی کر جائے قیام پر لوٹ آئے۔

جنت البقیع ایک روز عصر کی نماز کے بعد چودہری محمد شریف میونسپل کمشنر لاہور کے ہمراہ جنت البقیع کی زیارت کے لئے گئے۔ چودہری محمد شریف صاحب برادر معظم کے دوسرے قدیم مخلص دوست اور ہم لوگوں کے ہمراہ رفیق سفر حج وزیارت ہیں ان کا جہاز پہونچ سکنا ایک خرقِ عادت سے کم نہیں ہے۔ برادر معظم جب اوائل شوال میں حیدرآباد تشریف لائے تھے تو ان کے لئے وہاں سخت کوشش حصول ٹکٹ کی حیدرآباد کے قافلہ کی گنجائش سے کی تھی۔ مگر ناکامی ہوئی۔ پھر کراچی میں ان کے لئے انسانی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ کامیابی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ہم لوگ جہاز رضوانی میں ان کا تمام سامان لیکر جدہ روانہ ہو گئے۔ اور طے یہ پایا کہ وہ ہوائی جہاز امپیریل ایرویز

کے ذریعہ قاہرہ تک جائیں اور وہاں سے حدیبیہ لائن کے ذریعہ بحری راستہ سے جدہ پہونچیں۔ مگر چودہری صاحب کے جذبۂ بے اختیار شوق کو ارحم الراحمین اور اس کے رسول کریم بالمومنین رؤف الرحیم نے شرف قبولیت مرحمت فرمادیا انکو اکبر جہازمیں جگہ مل گئی وہ مکہ معظمہ میں دو ہفتہ بعد ہم لوگوں سے آملے۔ چودہری صاحب فقراء کی محبت میں سرشار اور بہت ہی عقیدت مند دل رکھتے ہیں۔ نہایت سیر چشم اور مہمان نواز متقی ہیں۔

ذکر اس کا تھا کہ ہم ایک روز عصر کے بعد چودہری صاحب کے ہمراہ جنت البقیع کی زیارت کے لئے گئے۔ اللہ اللہ وہاں کی حالت اور کیفیت کو دیکھکر دل خون ہوگیا۔ سعدی نے زوال سلطنت عباسیہ کو دیکھکر کہا تھا۔

آسماں راحق بود گر خوں بگرید بر زمیں

بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

مگر اہل بیت اطہار صحابۂ کبار کے مطہر و مقدس مزارات کی حالت دیکھکر صدمۂ عظیم ہوا۔ مآثر قدیمہ اور یادگار سلف سمجھ کر موجودہ حکومت

رہجاز کم از کم مزارات کے سرانے الواح اسماء لگا دیتی تو کتنی سہولت ہوتی
مگر اتنی سی بات بھی شاید شرک و کفر کے مماثل معلوم ہوتی ہے۔ اگر نظرِ
انصاف سے دیکھا جائے تو افراط و تفریط ہر دو جانب نظر آتی ہے
مآثر مقدسہ کی حد سے بھی زیادہ ایسی تکریم جو حدود شرک سے
جا ملے نہایت نازیبا اور قابل اعتراض ہے۔ توحید کاملہ پل صراط
کے جیسا تیز دھار و تنگ راستہ ہے۔ فضل باری کی رہنمائی سے
حبل اللہ المتین کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے اس صراط مستقیم
بہ سلامتی کاملہ انسان پار اتر جاتا ہے ورنہ ذرا سی لغزش ایمان
کو مجروح کر کے کفر و شرک کے جہنم کی گہرائیوں میں گرا دیتی اور خسرالدنیا
والآخرۃ کر دیتی ہے۔

جس مصلحت سے سیدنا عمر فاروقؓ نے بیعت الرضوان والا درخت
کاٹ ڈالا تھا اسی مصلحت کو ذرا زیادتی اور غلو کے ساتھ نجدی لوگ
کام میں لا رہے ہیں۔ بہرحال جو غالی حد سے گزرا وہ بہک سا ہوا۔
حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور
اہل بیت اطہار کے محترم مقبرے کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھا۔ حضرت

خاتونِ جنت کے مزار مطہر کے ظاہری ... سادگی کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدہ پاک ہر لمحہ و ہر آن بخشائش امتیانِ عاصی کے لئے کوشاں و ساعی ہیں۔ وہاں سے اور تمام مزارات پر حاضر ہو کر علیحدہ علیحدہ صلوٰۃ و سلام پڑھا گیا۔ جنت البقیع میں جب تک کہ کامل واقفکار شخص ہمراہ نہ ہو اور وہ نشاندہی نہ کرے تو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کون سی بزرگ ہستی کہاں آرمیدہ ہے۔ ایک علیحدہ مقام کو نو امہات المومنین کی آرامگاہ بتلایا جاتا ہے۔ مگر کسی طرح عقل ظاہری میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ صرف تین تین انچ کے فصل سے نہایت تنگ مقام پر جو نو مزارات کے نشان بنا دیئے گئے ہیں تو فی الواقعی محال عقلی ہے کہ نو امہات المومنین کی تدفین اتنے تنگ مقام پر کیسے ہو سکی ہوگی۔ بات در اصل یہ ہے کہ مدینۂ منورہ پر تسلط کے بعد نجدیوں نے جنت البقیع پر عام حلّہ بول دیا تھا۔ اور بلا استثنیٰ تمام پختہ مزارات اور قبے منہدم کر کے ملبے کا ڈھیر لگا دیا گیا سالہاسال مزارات مطہر اسی ملبے کے نیچے رہے۔ جب سواد اعظم نے مسلمانوں کے بہت احتجاج کیا تو ملبہ ہٹا کر کچے مزارات نمایاں کر دیئے گئے ہیں۔

جنت البقیع بھی چھوٹا سا خطہ تیرہ سو سال سے نہ معلوم کتنے بیشمار لاتعداد و لاتحصیٰ مسلمانوں کی آخری آرامگاہ بن رہا ہے۔ سنا گیا ہے کہ یہاں کی مٹی انتہا درجہ شور ہے۔ اور دو ہفتہ کی قلیل مدت میں مدفون جسد کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ اکثر مزارات کے اوپر کی مٹی میں بڑی چھوٹی انسانی ہڈیاں علانیہ نظر آکر دنیا اور انسان کی بے ثباتی کا جلی نشان ظاہر کر رہی تھیں۔ کبھی کسی شہرِ خموشاں میں دل پر اتنا زیادہ اثر نہیں ہوا تھا۔ جتنا جنت البقیع کی زیارت سے ہوا۔

مدینہ منورہ سے روانگی سے دو یوم قبل ایک روز ظہر کے بعد دوبارہ جنت البقیع جاکر جب کہ دروازہ پر سوائے عسکری پہرہ داروں کے کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ اپنے چالیس سالہ رفیق سر کے بال اس خاکِ پاک میں دفن کئے۔ پھر تنہائی میں موقع پاکر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا کی مزار اطہر سے جرارت کر کے خاک پاک حاصل کی جس کے مقابلہ میں کونین کی دولت بھی ہیچ ہے۔ بحمداللہ شکر یہ کہ کسی نے ہم کو یہ حرکت کرتے نہیں دیکھا ورنہ نہ معلوم وہ کیا فتنہ کھڑا

کر دیتے۔

مدینہ منورہ میں ہمارا معمول | تقریباً سولہ یوم مدینہ طیبہ میں حاضری میسر ہوئی۔ دل تو چاہتا تھا کہ کم از کم اربعین چالیس دن اِس عرفان کی منزل اخیر اس خطہ بہتر از جنات نعیم میں گزاریں۔ مگر

دل کی دل ہی میں یہ بات نہ ہونے پائی

شدید مجبوری مانع حاضری یہ تھی کہ وزیر صاحب مالیہ عبد اللہ سلیمان صاحب کے ذاتی سامان کے حمل و نقل کی لاری مشروط طور پر صرف پندرہ یوم قیام مدینہ منورہ کے لئے ملی تھی۔ پندرہ یوم ہم کو تو چشمک برق کی طرح گزرتے معلوم ہوئے اور کسی طرح جی نہ چاہتا تھا کہ بالمؤمنین رؤف الرحیم کی سرکار عالی سے مرخص ہوں مدینہ پاک میں ہمارا معمول یہ رہا کہ اذاں ہوتے ہی تہجد کے وقت ہما حرم پاک میں حاضر ہو کر صفہ پر تہجد ذوقبلتین ادا کرتے۔ اکثر اسی وقت سرورِ حبد الکونین مولانا و مولی الثقلین نبی الرحمۃ کے دربار عالی سے سگِ کوئے نبوی غلام غلامانِ ادنیٰ امتی کی یاد فرمائی ہوئی۔ مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام کے بعد معروضات اپنے اور اقرباء۔ احباب۔

اولاد کے لئے پیش رکھے جاتے ۔ جب کونین کی رحمت "اللہ معطی وانا القاسم"
فرما رہے ہوئے کی حضوری جیسے تمام زندگی ریاضت ۔ عبادت ۔ مجاہدات
قربان وتصدق ہیں ۔ میسر ہو تو کیوں نہ مانگا جائے ۔ کیوں نہ طلب کیا جائے
کیوں اس کے فضل کے لا متناہی خزانوں کے موّاج سمندر سے دامان
ہوس لبالب نہ بھر لئے جائیں ۔ یا تو کبھی حسرت ویاس سے یہ شعر عالم
وجد میں ورد زبان رہا کرتا تھا ۔

ناکارہ بھی لیکن شاید وہ بُلا بھیجیں
بھیجے ہیں درودوں کی بھجوائی ہیں سوغاتیں

مسلسل بائیس سال کی مدت طویل سے بجز ایسی شدید علالت کے کہ نماز
فرض بمشکل ادا کی جا سکی ہو ۔ دلائل الخیرات شریف کے وِرد کا روز انہ
معمول الحمد للہ کبھی ناغہ نہ ہوا تھا اور دورانِ ورد میں دل میں یہی خواہش اکثر
موجزن رہتی تھی کہ حاضری مدینہ طیبہ میسر ہو جائے ۔ جب دل کی یہ سب سے
بڑی تمنا نہ صرف پوری ہوئی بلکہ ذرہ نواز شہنشاہ عالم و عالمیان سراپا
رحمتی کہلانے والے ۔ نظر عنایت ہر گنہگار رکھنے والے ۔ کالی کملیا والے
میرے سرکار نے دیدۂ دیدار طلب کو بھی محروم نہ رکھا ہو تو کیوں اُن کے

روبرو دل کی ہر خواہش۔ ہر آرزو۔ ہر تمنا پیش کر دی جائے۔ کیوں اعزہ
و اقربا۔ احباب کیلئے نعائم دارین نہ طلب کی جائیں۔ بہر حال نماز تہجد کے
بعد کی یہ حاضری و حضوری بحمد للہ پندرہ یوم میں بار بار میسر ہوئی۔ نماز
چاشت کے بعد حرم پاک سے جائے قیام لوٹ آتے۔ پھر ظہر کی نماز جماعت
سے حرم پاک میں صفہ پر ادا کی جاتی۔ معمولات دلائل الخیرات شریف وغیرہ
پورے کئے جاتے۔ عصر، مغرب، عشا باجماعت ادا کرنے کے بعد جائے قیام
پر واپس ہوا کرتے۔ صفہ ہی ہمارا موقف ہمارا ٹھکانہ ہمارا مسجد نبوی میں وجوہات
سے تھا۔ سب سے پہلی اور قوی وجہ تو یہ تھی کہ وہاں نماز ذو قبلتین ادا ہوتی
تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرات اہل صفہ صحابۂ کرام ہی سے جماعت صوفیہ
منسوب ہے۔ اور بحمد للہ ہم کو بھی حضرات صوفیائے کرام کی کفش برداری کا
افتخار حاصل ہے۔ سلاسل عالیہ چشتیہ و قادریہ کی اجازت و خلافت حضرت
سیدی و مرشدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی سے سنہ ۱۳۴۲ھ
میں مرحمت ہوئی تھی۔ سلسلہ عالیہ رفاعیہ کی اجازت و خلافت حضرت شیخ المشائخ
مدینہ منورہ سید حمزہ صاحب رفاعی مدظلہ سے ہے۔ سلسلہ قلندریہ حیدریہ کا

اجازت نامہ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے مرحمت فرمایا تھا سلسلہ ابوالعلائیہ نقشبندیہ کا مجاز میرے حقیقی ماموں حکیم محسن صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔ اس طرح متعدد سلاسل عالیہ صوفیائے کرام سے منسلک ہونے کی وجہ سے اکثر صفہ پر حاضری رہتی تھی۔ اکثر نماز تہجد پائیں اقدس میں بھی ادا ہوئی۔ ریاض الجنۃ میں بہت کم نماز پڑھ سکے صفہ پر نمازوں کے وقفہ میں کبھی تلاوت کلام مجید ہوتی اور زیادہ تر سبز جالی پر ٹکٹکی لگائے ہوئے درود تنجینا کا ورد ہوا کرتا تھا۔ محترم سبز جالی کو مسلسل دیکھتے رہنے سے اس کا نقش اس درجہ قلب و دماغ پر کالحجر مرتسم ہوگیا بلا مبالغہ سوتے جاگتے ذرا آنکھ بند کرتے ہی روبرو وہی جالی مبارک آجاتی ہے۔ جس کے اندر کیا کچھ نہیں ہے۔

حرم پاک نبوی کے کچھ اور حالات | یہ دیکھکر دل باغ باغ ہوگیا کہ تمام مسجد نبوی کا چپہ چپہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دبیز ریشمی یک رنگ یکساں گہرے مرجانی رنگ کی بیش بہا مصری قالینوں سے پٹا ہوا ہے سنا جاتا ہے کہ تقریباً دو سال ہوئے لاکھوں روپیہ کے خرچ سے حکومت مصر نے یہ جدید حد درجہ جاذب نظر قالین پیش کئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ منتظمین کی شدید

لاپرواہی ہے۔

قالینوں کی کما حقہٗ دیکھ بھال نہیں کیجارہی ہے۔ اور اکثر قالین جو بیش والا توں میں بچھے ہوئے ہیں مسلسل گرد و غبار جذب کرنے کی وجہ سے گرد سے اٹے ہوئے اور ایسی حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ نقش و نگار گرد میں غائب ہو گئے ہیں۔ شاید ہی اور چند سال کام دے سکیں، اسلئے کہ کوئی عملہ قالینوں کی صفائی کے لئے مقرر نہیں ہے۔ تو اب یعنے دروازوں کے دربان اور کچھ مہاجرین نے جو زیادہ تر ہندوستانی ہیں جاروب کشی کی خدمت اپنے ذمہ لے لئے ہیں۔ مگر اتنی بڑی مسجد کی قالینوں کی صفائی چند نفوس کے لئے امر محال ہے۔ کم از کم ڈیڑھ سو خدام اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ ترکی عہد حکومت میں خدمت حرم نبوی کے لئے ڈیڑھ سو اغواط (جمع آغا) بیش قرار تنخواہوں پر مقرر اور متعین تھے۔ مگر ؎

آن قدح بشکست آن ساقی نماند

قدامت کی یادگار ڈیڑھ اغواط میں سے اب صرف (۲۳) رہ گئے ہیں۔ جن کا بظاہر کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اور رسول پاک کی محبت کی وجہ سے حرم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتے۔ ترکوں کے زمانہ کا عطا کیا ہوا بوسیدہ لباس

نہایت بشاشی بہا شاہی پٹکے باندھے ہوئے صبح سے رات گئے تک قبلہ کے سامنے کے رُخ بیٹھے رہتے ہیں۔ حرم پاک نبوی کی خدمات اُن سے چھین گئی ہیں۔ صرف ہر شب جمعہ کو سبز آہنی جالی مبارک کے محصورہ میں جاکر جاروب کشی کیا کرتے ہیں۔

مزار اطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محصورہ کے اطراف جو سبز آہنی جالیاں لگی ہوئی ہیں اُس میں اوپر کی جانب سبز دمشقی ریشم کے ترکی عہد کے زمانہ کے پردے آویزاں ہیں۔ وہ اکثر فرسودگی کے باعث بہت شکستہ اور دریدہ ہوگئے ہیں۔ مگر علمائے نجد تبدیلی پردہ کو بدعت قرار دیکر ہرگز کسی کو تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے اندرون مسجد تو نواب صاحب بہاولپور کو جدید رنگ کرنے کی اجازت مِل گئی تھی۔ مگر گنبد خضرا پر رنگ کرنے کے علمائ بالکل روادار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب پاک کے علمائے سنی نجد کو صراطِ مستقیم حُبِّ نبوی کے راستہ پر لادے۔

بمصطفےٰ برسان خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست

حرم پاک نبوی کے متعلق چند مشورے | حرم پاک نبوی میں بجلی کی روشنی

ازحد نا کافی ہے اور جس بجلی گھر سے برقی قوت مہیا کی جاتی ہے ۔ وہ فرسودگی کے باعث تقریباً ناکارہ سا ہو رہا ہے ۔ پندرہ یوم کی مدت حاضری میں دو مرتبہ عین نماز عشاء سے پہلے بجلی کا انجن فیل ہو گیا ۔ اور تمام حرم میں جو زائرین سے بھرپور اور معمور تھا شدید تاریکی پھیل گئی ۔ حضرت مولانا قاضی سید محمود صاحب جو مدینہ طیبہ کی بہت سر برآوردہ ہستی ہیں فرما رہے تھے کہ ہماری حکومت سرکار عالی نے سابق چیف انجینئر نواب احسن یار جنگ بہادر کو خاص حرم پاک نبوی کی برقی روشنی کی تعمیر وغیرہ کے لئے معائنہ کرنے چھ سال قبل بھیجا تھا اور ان کی رپورٹ پر باب حکومت کی جانب سے کئی لاکھ روپیہ کی منظوری بھی ہو چکی تھی ۔ مگر چونکہ بجائے انگلستان کے برقی مشینوں وغیرہ کا آرڈر جرمنی کو دیا گیا تھا ۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی اور وہ آرڈر معلق ہو گیا ۔ سید محمود صاحب نے فرمایا کہ حکومت عراق نے بھی بہت بڑے پیمانہ پر برقی کا آرڈر انگلستان کو جنگ سے پہلے دیا تھا ۔ اور جنگ کے دوران ہی میں سامان بصرہ پہونچا دیا گیا ۔ بہرحال برقی روشنی کی بڑے پیمانہ پر حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں اشد ترین ضرورت ہے ۔ اگر طاقتور برقی پیدا کرنیوالی مشین مہیا ہو جائے تو

روشنی کے علاوہ بڑے پیمانہ پر برقی پنکھے بھی حرم نبوی میں لگائے جاسکتے ہیں۔ موسم گرما عرب کا دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ ایسے موسم میں برقی پنکھوں کی افادیت ظاہر و باہر ہے۔ اس کے علاوہ طاقتور برقی قوت مہیا ہو جانے سے برقی مشینوں کے ذریعہ بآسانی چند منٹوں میں قالینوں کا گرد و غبار روزانہ صاف کیا جاسکتا ہے۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں اعلیٰ ترین برقی ڈائنمو اور بہترین روشنی کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ اور تمام حرم پاک میں پچاس ہزار سے زیادہ نہایت طاقتور برقی گولے لگا دیے گئے تھے۔ ریاض الجنتہ کے مقام پر تمام تر گولے سبز رنگ کے تھے۔ اور ممبر مبارک پر حد درجہ حسین و جمیل روشنی لگائی گئی تھی۔ مغرب سے ذرا پہلے جب سب برقی گولے روشن کئے جاتے تھے تو جو حسین نظارہ ہوا کرتا تھا وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ انقلاب حکومت کے بعد یہ چیزیں داستان ماضی بن چکی ہیں۔

ایک اور اہم الاہم اشد ضروری چیز کی طرف اہل خیر حضرات کو فوری توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ باب النساء کی طرف مولوی سید احمد صاحب مہاجر مرحوم نے اپنی جانب سے وضو

کے لئے دو خزانہ آب بنوا کر اس میں ٹوٹیاں لگوا دی تھیں۔ یہ اچھا کام ہوا۔ مگر حوائج بشری میں ایک اشد ضروری حاجت کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ اور بیت الخلاء دور دور تک ندارد ہونے کی وجہ سے ایام حج میں زائرین اور خصوصاً پنجابی و سرحدی حضرات جو اکثر جنگل جانے کے عادی ہیں حرم پاک کے قریب ہر طرف سڑکوں اور گلیوں میں بید گندگی پھیلا دیتے ہیں جو عفونت انگیز اور گھناؤنا منظر پیش کرنے کے علاوہ احترام حرم پاک کے بھی از حد منافی ہے۔ حد یہ ہے کہ وضو کرنے کی ٹونٹیوں کے پاس اور نالیوں کے اندر بھی استنجائے صغیر ہی نہیں بلکہ کبیر تک کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے اہل خیر بالضرور اس طرف توجہ کرکے اگر چند بیت الخلا بنوا دیں تو بڑا کار ثواب ہوگا۔

ایک لطیفہ سنئے۔ ایک رات عشاء کے بعد ہم جائے قیام پر واپس آ رہے تھے۔ خوب تیز سردی تھی اور راستہ نیم تاریک۔ کسی نے زور سے کاندھے پر پیچھے سے ہاتھ مارا۔ پلٹ کر دیکھا ایک زبردست پگڑ باندھے ہوئے کوئی سرحدی صاحب تھے۔ نہایت کرخت آواز میں ارشاد ہوا "میٹر جاؤ"۔ ہم نے عرض کیا ہم پشتو نہیں جانتے۔ کیا

آپ کو فارسی آتی ہے زبان پارسی می دانی۔ اور زور سے کڑک کر فرمایا اونترجا ہم کو تاؤ سا آگیا۔ ہم نے کہا نہ منترجا نہ مہلا البتہ ڈنڈا۔ یہ سن کر فوراً اسی جگہ سڑک پر آپ نے بے تکلفانہ ایزار کھول دی اور آزادانہ استنجائے صغیرہ کبیرہ میں مصروف ہوگئے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اشد ضروری اصلاحی مشورہ | ایک اور اہم الاہم بات کے فوری انتظام کی طرف حکومت سعودیہ عربیہ کو توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں خصوصاً اور حرم شریف مکہ معظمہ میں عموماً بذریعہ عسکریوں کے اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے کہ زائرین ہرگز ہرگز اپنے غلیظ وگندے آلودگیوں سے ملوث جوتے لے کر حرم شریف کے اندر داخل نہ ہوسکیں۔ بلکہ تمام زائرین کو اس بات کے لئے مجبور کیا جائے کہ وہ داخلِ حرم سے پہلے بوابین یعنے دربانوں کے پاس اپنے جوتے رکھوا دیا کریں۔ مدینہ شریف کے حرم پاک میں اس درجہ بے ادبانہ مناظر دیکھنے میں آرہے کہ دل کانپ گیا اور روح تھرا گئی۔ اکثر فراعنہ مصری جن کی حرکات مذموم اور چہرہ وستی

ہر جگہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ اپنے گندے اور غلیظ جوتے
نہ صرف اندرون حرم پاک نبویؐ لے آتے تھے۔ بلکہ اکثر کمال بے ادب
خبیثوں نے اس درجہ جرارت وجسارت کی کہ عین مواجہ اقدس کے
سامنے والی کھڑکی میں اپنے جوتے رکھدیئے۔ اللہ اکبر۔ یہ وہ محترم
ومقدس اور پاک مقام ہے۔ جس کا کمال ادب و احترام عین ایمان
ہے۔ جہاں بڑے بڑے ملائکہ عظام بغیر اجازت واذن لئے داخلے
کی مجال نہ رکھتے تھے۔ اور داخلے کے بعد دست بستہ روح حبیب الکونین
مولانا و مولی الثقلین محبوب رب المشرقین و المغربین کے روبرو حاضر رہتے
تھے۔ حرم پاک میں جابجا عسکری بید کی چھڑیاں لئے ہوئے مقرر
اور متعین ہیں کہ کوئی زائر کوئی کام جذبہ بے اختیار محبت سے مغلوب
ہوکر نہ کرسکے۔ مثلاً جالی مبارک کو بوسہ دینے یا مزار اقدس واطہر کی طرف
رخ کرکے بیٹھنے شدت سے روکا جاتا ہے۔ مگر افسوس اگر کوئی
بدنصیب بے ادب مسلوب الایمان گستاخانہ و بے ادبانہ حرکات
کرے تو کوئی عسکری منع نہیں کرتا۔ حد ہوگئی کہ خاص مواجہ اقدس
کی طرف اور کافی بلند کھڑکی پر اس آرامگاہ نبوی اور اہنا فداہ کی

سطح سے بلند گندی جوتیاں رکھی جاتی ہیں جس سے قابل احترام جگہ تمام کائنات میں نہیں ہو سکتی۔

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی تُرَابِ اَعْظُمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
نَفْسِی فِدَاکَ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْھَا الْعَفَافُ وَفِیْھَا الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

خاص ہو اجہ اقدس لَوْلَاکَ لِمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ کے مصداق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس درجہ گستاخانہ حرکات کرنے پر بھی کان پر جوں نہیں رینگتی۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ترکوں کے زمانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ذرہ و نشمہ برابر کوئی گستاخانہ حرکت حرم پاک نبوی میں کر سکے۔ کوئی بدنصیب ایسا کرتا تو اسی وقت خدامِ حرم اس کی چمڑی بید سے ادھیڑ ڈالتے۔ اس حد سے سوا گستاخی کے علاوہ گرد آلود اور غلیظ جوتیاں حرم نبوی میں لانے سے قالینوں کی حالت بھی ابتر ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ المنتعان اس امر

ضروری کی طرف تغیر دعا گو ممکنہ طریق سے حکومت سعودیہ عربیہ کو متوجہ کرنے کی سعی موقوف کرے گا۔

اس میں شک نہیں کہ اپنی ذات کی حد تک جلالت الملک سلطان ابن سعود بہت ہی بے مثال اخلاق حسنہ رکھنے کے علاوہ از حد عابد۔ زاہد۔ متقی اور غیر معمولی انسان ہیں۔ اور ان کی نافذ کی ہوئی اصلاحات بھی بہت ہی قابل ستائش ہیں۔ مگر وہ اپنے تنگ خیال۔ تنگ نظر غفائد کے اشد علمائے نجد اور جماعت اخوان کے دباؤ کی وجہ سے سخت مجبور اور بڑی حد تک معذور ہیں۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بہت سی باتوں کی زائرین کو اجازت حرم پاک نبویؐ میں دے دی ہے اور پہلے کی بہ نسبت بہت کچھ حالت سدھر رہی ہے۔ پہلے مواجہ اقدس میں ہاتھ اٹھانا سخت ممنوع تھا اور ہاتھ ادباً باندھ بھی نہ سکتے تھے۔ اور آواز سے صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ورنہ چھڑیوں سے پیٹا جاتا تھا۔ اب ان باتوں سے منع نہیں کیا جاتا۔ پانچوں نمازوں کے بعد نہایت پابندی سے تمام حضار مسجد نبوی مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بطفیل روح پاک سرکار دو عالم و عالمیان جلالت الملک ابن سعود کے

عالی علماء کی بھی بتدریج اصلاح ہو جائے۔ اور اخوان توحید کہہ کر فخر کرنیوالے نجدی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ توحید وہی توحید مقبول ہے جو بوسیلہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو۔ ایمان کی تکمیل بغیر بغایت حُبِّ رسول اللہ کے ناممکن ومحال ہے۔ خود ارشاد پاک ہے کہ جب تک تم مجھے اپنی جان و مال بال بچوں اور ہر چیز سے بڑھکر نہ چاہو گے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ صحابائے کرام کی کمال فنا۔ئیت کا حال احادیث میں پڑھنے کے باوجود علماء نجد کا حُبِّ نبویؐ سے یہ گریز سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۔ یہ چند ضروری اصلاحی امور تھے جو ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے متعلق سعی بھی عملاً کیجائے گی۔

مدینہ منورہ کے ملاقاتی حرم پاک نبویؐ میں حاضری کا دوسرا دن تھا کہ صُفّہ پر حضرت شیخ الاخواط سیدی آغا خلیل کے عقب میں ایک گوشہ کے اندر ایک ایسی سر تا پا نور کی مورتی نظر آئی کہ دل لوٹ پوٹ ہو گیا۔ ایک شمع تجلی تھی ایک نور کی صورت تھی۔ ایک موہنی مورت تھی۔

مصر کے سادات گرامی قدر میں سے ایک محترم بزرگ تنوکے قریب سِن شریف دائماً ذکر و شغل میں مستغرق تشریف فرما تھے۔ اِس درجہ نورانی چہرہ تھا کہ خود بخود لوگ پروانوں کی طرح اس شمع نورانی پر گرے پڑ رہے تھے معلوم ہوا کہ مسلسل ساٹھ سال کے عرصہ طویل سے ایام حج میں مصر سے تشریف لاتے ہیں اور الاستقامت فوق الکرامت ٹھیک اسی مقام مقفہ پر تشریف فرما رہتے ایک ہجوم اطراف جمع رہتا۔ ہم نے بھی دست بوسی کے بعد استدعائے دعا کی۔ بہت التفات خاص فرمایا اور دست دعا بلند کر کے دیر تک دعائے خیر فرمانے کے علاوہ دونوں دست مبارک ہمارے سر پر رکھکر کافی دیر تک توجہ باطنی مبذول کی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

ہم حتی الامکان ایک ہفتہ جب تک حضرت مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے اکثر قریب میں حاضر رہتے۔ زہد کامل کا یہ حال بچشم خود دیکھا کہ ایک دن مصری عقیدت مند نے دس پونڈ کا نوٹ نذر دیا۔ بغیر ملاحظہ فرمانے کے قبول کر کے جائے نماز کے نیچے رکھدیا۔ پانچ منٹ کے بعد ایک حبشی نے عقب سے آکر نہایت گستاخانہ زور سے حضرت کا کندھا ہلا کر سوال کیا۔ حضرت نے فوراً وہی نوٹ اُس کے حوالہ فرما دیا۔ اسی طرح جتنی نذر آتی تھوڑی ہی دیر میں جو سوال

کرنا اُس کو سب عطا ہو جاتی۔ بیشک خاصانِ حق کا یہی خاصّہ ہے۔
حضرت کی زیارت اور شرفِ لقا و توجہ باطنی کو ہم خاص رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف سے غلام نوازی سمجھتے اور فضلِ باری میں شمار کرتے ہیں۔
دوسرے قابلِ ذکر ملاقاتی حضرت سید محمود صاحب مدنی ہیں
جو حکومت سعودیہ عربیہ کے ایک بڑے عہدہ دار ہونے کے علاوہ اپنی
حکومت ابدِ مدت آصفیہ سرکار عالی کی طرف سے بھی ایک خاص خدمت
پر فائز ہیں۔ یعنے تمام سکان مدینہ طیبہ جن کی ماہوارات سرکار عالی کی طرف
سے جاری ہیں۔ ان ماہوارات کی تقسیم بھی سید محمود صاحب مدنی کے تفویض
ہے۔ ایک بہت بڑے ادارہ اور یتیم خانہ کو جو مدرسہ دیوبند کا نقش ثانی
معلوم ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں بہت کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ از راہِ
مسافر نوازی متعدد بار باوجود گوناگوں مصروفیت کے خود ملنے تشریف لائے
چونکہ حکومت سعودیہ میں بحمد للہ قانونِ شریعت کا بعینہٖ نفاذ ہے۔ اور حضرت
سید محمود صاحب بھی منصب قضارت پر پوری اختیارات دیوانی و فوجداری
کے ساتھ فائز ہیں۔ اس لئے حضرت کے مشورہ سے والدہ ماجدہ اور بسم اللہ
خالہ صاحبہ کی طرف سے وصیت نامے اور وکالت نامے لکھے جا کر انکی رجسٹری

باقاعدہ بذریعہ کمیشن حضرت کے روبرو ان کی تصدیق سے جائے قیام ہی پر کروا دی گئی۔ ورنہ قانون شرعی کے اعتبار سے اگر کوئی مہاجر بغیر خاص وصیت کے فوت ہوجائے۔ تو فوراً حکومت اس کا تمام مال و اسباب بذریعہ پولیس ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیتی ہے۔ اگر مدت معینہ میں ورثا نے آکر اس کو بعد ثبوت حاصل نہیں کر لیا تو حکومت کا مال ہوجاتا ہے۔

مدنی دعوتوں کا سلسلہ روانگی سے دو روز پہلے حضرت قاضی سید محمود نے ہم سب کی معہ رفقاء کے بیحد پُر تکلف دعوت فرمائی۔ صرف چار آدمی مدعو تھے اور کھانا پچاس آدمیوں کا پکا تھا جس میں خاص الخاص عربی، عمدہ ترین غذا کوزی بھی تھی۔ کوزی کے متعلق سالہا سال سے سنتے تھے اور سلطانی دعوت میں دیکھنے میں بھی آئی۔ مگر سید محمود صاحب کی مخلصانہ دعوت میں خوب جم کر کھائی گئی۔ جس طرح ہمارے یہاں مرغ مسلم تیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عرب میں سالم دنبہ پکوایا جاتا ہے جس کا گوشت خوب گل جاتا ہے اس کے پیٹ میں پلاؤ، مغزیات، مرغ مسلم اور انڈے وغیرہ سب کچھ رہتے ہیں۔ سید محمود صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ غذا در اصل افغانوں کی ہے وہ بکرا ذبح کر کے اس پر چمڑا لپیٹ کر مسلم انگاروں میں دبا دیا کرتے تھے۔

اور اس طرح پک جانیکے بعد بھونا ہوا گوشت تناول کرتے۔ افغانستان سے ایران اور ترکی ہوتا ہوا یہ کھانا عرب میں آیا۔ اور پہلے پہل عرب میں طریقہ تھا کہ انگاروں میں دنبہ بھوننے کیلئے دبا دیا جاتا۔ مگر جب تکلف بڑھا تو اب خاص تانبے کے بڑے ظروف میں بند کر کے دم دیا جاتا ہے عرصہ دراز کے بعد بند و ستانی روٹی اور کوفتہ کا سالن وغیرہ کھانے میں آیا۔

ہمارے رفیق و مخلص خاص ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک د محلہ تیلرنگ خرم لاہور نے بھی ایک دن اعلیٰ درجہ کا پلاؤ اور عربی طرز کا سالن زردہ وغیرہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز کا پکوا کر اغواط کی دعوت دے کر کھلوایا۔ دوسرے روز بالمومنین رؤف الرحیم ہر امتی کے لئے بخشائش چاہتے اور جود وسخا کے سمندر بہا دینے والی سرکار کی طرف سے ہم کو ارشاد ہوا کہ دعوت قبول کر لی گئی۔ سبحان اللہ جو چیز خالص خلاص کاملہ کی نیت سے کیجائے کیوں نہ شرف قبول پائے۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو کیچڑا عربی طریق سے پکوا کر والدہ ماجدہ اور ہم لوگوں کی طرف سے حرم پاک نبوی کے ثواب حضرات کو کھلوایا گیا۔ دس محرم الحرام روز جمعہ

عاشورہ کے دن والدہ ماجدہ کی جانب سے ایک دُنبہ کا پلاؤ اور زردہ پکوا کر یتیم خانہ کے یتیموں کو بھیجا گیا۔ عاشورہ کے روز ہم سب لوگوں نے روزے رکھے تھے اور افطار حرم پاک نبوی میں کیا گیا تھا۔ اُسی روز منفرد سید احمد صاحب رفاعی نے ہم سب لوگوں کی بہت ہی پُر تکلف دعوت فرمائی اور عربی اغذیہ لطیفہ کھلوائیں۔ جن میں مرغ کا شُربا ایک خاص چیز تھی معلوم ہوا۔ کیونکہ رمضان مبارک ایک عرصے سے گرمی میں آرہا ہے۔ اس لئے افطار کے بعد عموماً عرب اور مدینہ منورہ میں لوگ شُربا استعمال کرنے میں جو ہلکا لطیف اور رقیق ہونیکے علاوہ کافی مقوی اور لذیذ غذا ہے۔

کچھ اور ملاقاتی | صلاح الدین الیاس برنی صاحب نے اپنے سفرنامہ "صراط الحمید" جلد دوم میں داروغہ عبد الغفور صاحب مہاجر مدنی کا حال لکھا ہے۔ مدینہ طیبہ میں جو حفاظ صرف خاص مبارک کی طرف سے حرم نبوی میں قرآن شریف پڑھا کرتے ہیں۔ اُن کے داروغہ ہیں۔ ایک روز عصر کے وقت صُفّہ کے پاس اُن کو دیکھکر ہمارے قلب میں القاء ہوا کہ ہو نہ ہو یہ داروغہ عبد الغفور صاحب عرف خواجہ خِضر ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے تقدیم کر کے جب ملاقات کی تو وہی نکلے۔ پُر لطف اور مخلص آدمی ہیں۔ ہم نے

ہر چند خواہش کی کہ وہ اپنی ساختہ عربی سنائیں مگر وہ راضی نہ ہوئے۔

دوران قیام میں تقریباً روزانہ ملتے جلتے رہے۔ شروع سفرنامہ میں ہمارے دوست پیش امام صاحب مسجد چوک اوھم بے افندی کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ہم سے مدینہ طیبہ میں ملاقات کی پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی اور وہ بھی جمعہ پر ہم سے ملے۔ پر جوش معانقہ ہوا۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں ڈیڑھ ہزار روپیہ میں مکان خرید کر لیا ہے۔ قیمت ادا کرنے کے بعد دو سو روپیہ قرضہ باقی رہا تھا وہ ہم نے انکی استدعا پر باوجود اپنے پاس کم گنجائش ہونے کے فوراً دے دیا۔ یہ سرکار دو عالم وعالمیان کے دربار عالی میں ایک غریب بال بچے والے ادنیٰ امتی کی نذر تھی۔ اخلاص کامل سے پیش ہوئی تھی۔ ضرور درجہ قبولیت کو پہونچی ہوگی

جیدر ہمارے مدینہ منورہ کے وکیل ایک خوبصورت۔ خوب سیرت نوجوان آدمی ہیں اور وکیلوں کی طرح لیٹ کر مانگنے سے احتراز کرتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا وصف ہے۔ ان کے نائب عبدالجلیل جو مسجد پاک نبویؐ کے مؤذن بھی ہیں۔ بہت مستعد۔ خدمت گزار اور ہر طرح واجب الامداد عیال دار آدمی ہیں۔

وداعی مناظر | بتاریخ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم شنبہ صبح عربی وقت کے تین بجے مدینہ منورہ سے روانگی مقرر ہوگئی۔ اس لئے رات کو عشار کے بعد ہم لوگ بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب رفاعی مدظلہ العالی سے رخصتی ملاقات کرنے تیسری منزل پر حاضر ہوئے۔ حضرت سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ دیر تک سامنے بٹھلا کر توجہ باطنی سے سرفراز فرمایا۔ رخصت کے وقت خاص طور پر حضرت نے دیر تک صحت وسلامتی سے ہم لوگوں کے گھر پہونچنے کیلئے دعا فرمائی۔ تہجد کے وقت بجائے صُفّہ پر حسب معمول نماز تہجد ادا کرنے کے پائیں اقدس میں نماز ادا کی۔ اور مواجہ مبارک میں حاضر ہو کر نام بہ نام تمام احباب۔ اعزہ اور جن لوگوں نے خاص طور پر اپنے نام لکھوا دیئے تھے ان سب کیلئے اور اپنے لئے معروضات پیش کئے۔ قلب پر سکینہ کاملہ کا بحمد للہ نزول ہوا۔ پہلے ہی دو جہاں کی رحمت سرکار عالم و عالمیان کی غلام نوازیوں نے بُعد کے منازلِ قرب سے تبدیل فرما دیئے تھے اور بوجدان ہر ذرۂ وجود پر رحمت محمدی کو محیط الکل پا رہے تھے۔ اس لئے عوالم ظاہری و باطنی ہر دو میں کسی مفارقت کا شمہ برابر اثر نہ تھا۔ اور بحمد للہ اس کا حق الیقین حاصل تھا کہ گنبدِ خضرائے

قلب کے تسکین کو انشاء اللہ جب ذرا گردن جھکائیں گے دیکھ لیں گے۔ نماز چاشت کے بعد جائے قیام پر آئے اور رفقاء وحضرت سید احمد صاحب رفاعی محبِ قلبی کے ہمراہ نہاری کا ناشتہ کر کے والدہ ماجدہ کے پاس رخصتی کے لئے حاضر ہوئے۔ اللہ اللہ اس وقت دل کی بیقراری اور باوجود ضبط بے اختیارانہ آہ وزاری کا کیا حال بیان کیا جائے حضرتہ کو ہمراہ لیکر ہم دونوں بھائی حرم پاک نبوی میں مواجہ اقدس میں پہونچ گئے۔ مستم جاں نثار وعسکر رسول اللہ انصاریوں کے نام لیواؤں نے آج اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز متاع۔ سب سے زیادہ قیمتی چیز سرکار دو عالم کی نذر کر دی ہے اور وہ ہماری ربیہ ہماری عزیز حقیقی ماں ہے جنہوں نے اپنے پرایوں کو زندگی کے آرام و آسایشوں کو سرکار کے لئے جیتے جی چھوڑ دیا سب سے منہ موڑ لیا۔ اور بس ایک ہی کی ہو رہیں ایک کے دروازہ پر آپڑیں۔ ایک کی چوکھٹ کی جبہ سائی کو اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا۔ کبرسنی اور امراض وصدموں کے سہنے سے ضعف کا یہ عالم کہ چند قدم بغیر ہمت وسہارے کے چل نہیں سکتی ہیں اور ہر وقت کسی دیکھ بھال کرنیوالے کی اشد ضرورت ہے۔ مگر حضرتہ نے حبِّ رسول اکرم میں

سب گوارا کر لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرکار کے قدم مبارک میں ہجرت کر کے آپڑیں۔ ذکر اس کا تھا کہ ہم لوگوں کے لئے زندگی کی سب سے گرانبہا متاع والدہ ماجدہ کا وجود ہے۔ جن کی بے لوث اغراض سے پاک۔ صلہ سے بے نیاز۔ شفقت و محبت الٰہ العالمین ربّ الارباب کی شان ارحم الراحمین کا ایک ظہور خاص ہوا کرتی ہے۔ یہ متاعِ عزیز جو حضرت والد ماجد قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہم لوگوں کے لئے عزیز تر ہو گئی تھی۔ آج ہم سے چھوٹ رہی ہے۔ ہم اُن کی محبت و شفقت سے دور اور ہزاروں کوس دُور چلے جا رہے ہیں۔ بیچ میں بے پایاں تموّاج سمندر حائل ہے ؎

شب تاریک بیمِ موج گرداب چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

اور پھر نہ معلوم وقت و بخت مساعدت کر کے دوبارہ زندگی میں ان مبارک قدموں تک ہم کو پہونچاتا بھی ہے۔ یا عالم ظاہری کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اور دوبارہ عالم برزخ اور لواء الحمد کے نیچے ملنا ہونا ہے۔ کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ دل خون ہوا جا رہا تھا۔ مواجہ اقدس میں حضرت نے اُن کے یمین و یسار میں کھڑے ہوئے ہم دونوں بھائیوں کا ہاتھ پکڑ کر بپناہ یکساں مادی و ملجائے مستمد ان

سرکارِ عالم و عالمیان سے زیرِ لب آہستہ آہستہ کچھ معروضات کئے۔ اتنے میں عبدالجلیل صاحب وکیل نے بآوازِ بلند نہایت دردناکی سے وداعی صلوٰۃ وسلام پڑھوانا شروع کردیا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرت خاتونِ جنت کے مقام پر حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا نے ہم لوگوں کو رخصت فرمادیا۔ قریب تھا کہ ہم کو غش آجاتا جب کہ حضرت نے بار بار باصرار ارشاد فرمایا کہ میاں میری غلطیوں کو معاف کردینا۔ اگر میں کبھی خفا ہوئی ہوں تو وہ دنیا کیلئے میری غلطی سے تھا۔ اس کا کوئی خیال نہ کرنا۔ (اللہ اکبر۔ رحمت کے اس کمال کے حال کا وہم وگمان تک نہ تھا۔ والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ جاہئو یا بے جا ہر وقت اولاد کی اصلاح کے لئے اس کو سرزنش کرتے رہیں اور اولاد کی یہ سعادت مندی وفرضِ عین ہے کہ وہ ہمیشہ خوشی والدین کی خفگی کو رحمتِ الٰہی سمجھ کر انگیز کرلیں۔ شفقت اور رحمت کی حد ہوگئی۔ یکایک گوشِ روحانی میں ایک نہایت بلند آواز آئی جس سے دل میں زلزلہ نما کیفیت نمودار ہوگئی۔

دیکھو اور خوب دیکھو ظاہری ماں کی کمالِ رحمت کا حال تم نے دیکھ ہی لیا۔ اب حقیقی ماں ستر ہزار ماؤں سے زیادہ چاہنے والی ماں

روحِ جدا الکونین امتیان عاصی کو بخشوانے میں حریص، ماں اُنکی
کیسی بے پایاں شفقت و محبت قبر میں حشر میں نشر میں ہو گی
اس کو خوب سمجھ لو۔ مجاز میں تو نمونہ دیکھ لیا ہے۔ حقیقت میں بھی
اس سے زیادہ مرحمت کی توقع رکھو۔ جب حقیقت مفارقت
روح کے وقت کامل طور پر برافگندہ نقاب ہو کر اصلی ماں
کے روپ میں سامنے آجائیگی تو ساری کلفتیں دُور ہو جائینگی"۔

روح نے وجد کیا، اور بیشمار بار نعرہ لگایا کہ روحی فداک یا رسول اللہ۔ آپ پہ جان دل تصدق ہو جائیں۔ واقعی آپ نبی اُمّی یعنے تمام کائنات کی اصلی حقیقی ماں ہیں۔ عالم وجد میں روتے ہوئے والدہ ماجدہ سے عرض کی کہ آپ دُعا اور خاص طور سے دعا فرمائیے کہ میں نے بھاو لپور کے متعلق جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس میں کامیابی عطا فرماویں تاکہ میں سُکان مدینہ طیبہ رسول کریم کے پڑوسیوں کی کماحقہٗ دل کھول کر خدمت کر سکوں یا اور کوئی ایسی غیبی امداد مجھے بہم پہونچ جائے کہ آئندہ سال میں معہ اپنے تمام عیال و اطفال بیوی بچوں کے مدینہ منورہ حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کر سکوں۔

بادلِ بریاں وچشم گریاں حضرتہ کو مقام خاتون جنت کے
پائیں حرم پاک نبوی میں چھوڑ کر مرخص ہو گئے۔ اور باب النساء کے
بوّاب کو نذر دیتے ہوئے تیار موٹر لاری تک آکر سوار ہو گئے۔ بہت سے
لوگ لاری تک رخصت کرنے آئے تھے۔ لاری چلی اور باب العنبریہ
یثرب پاک مدینہ طیبہ کے آخری دروازہ پر پہونچی تو وہاں حضرت اخی
روحی محب قلبی سید احمدؐ صاحب رفاعی مع اپنے تمام بھائیوں کے رخصت
کرنے اتنے دور مقام پر آکر منتظر پائے گئے۔ یہ بھی شہنشاہِ کونین سرکارِ
دوعالم اروا حنا فداہٗ کی طرف سے اپنے جاں نثاروں اور غلاموں کے
لئے ایک خاص عزت افزائی تھی کہ اپنی آل۔ اپنے جز اپنے نواسوں کو
غلاموں کے مرخص کرنے باب المدینہ تک بھیجدیا تھا۔ حضرت سید احمد صاحب
رفاعی کے نہ صرف بڑے صاحبزادے اور اُن کی طرف سے خلیفہ حجاز اور
صحیح جانشیں ہیں بلکہ اپنے والد محترم کے کمالات روحانی میں بالکل قدم
بقدم ہیں۔ معانقہ کر کے وعدہ فرمایا کہ حتی الوسع جلد دہ ہمارے وکیل
جدہ صالح بسیونی کے پاس ہماری فرمائش جس کی استدعا و التجا کیگئی تھی
بذریعہ پارسل روانہ فرمادیں گے۔ ہماری فرمائش واستدعا کیا تھی اُس کا بھی

حال سنئے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمِ ظاہری سے پردہ فرمالینے کے بعد حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار کی آرامگاہ قرار پایا جس کی دیواریں خام اور کھجور کے تنوں پر کھجور کے پتوں سے چھت پائی ہوئی تھی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے جو خلفائے بنی اُمیہ میں خلفائے راشدین کی سچی مثال تھے۔ اس خام حجرہ کو بجنسہٖ بحال رکھکر اس کے اطراف ایک بہت مستحکم حصار تعمیر کروا دیا تھا۔ اسی حصار پر خلفائے عثمانیہ میں سے جو خلیفہ تخت نشین ہوتا تھا وہ سبز ریشم کا غلاف پہنایا کرتا تھا۔ چنانچہ موجودہ غلاف سلطان محمد رشادخاں کا پیش کردہ ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے محصورہ تیار کر دینے کے بعد سے تیرہ سو سال کی مدت طویل سے کبھی کوئی شخص اس محصورہ کے اندر داخل تھا نہ حجرۂ پاک میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس محصورہ کے اطراف ایک غلام گردش غلام گردش کے ہر طرف سبز آہنی جالیاں لگا دی گئی ہیں۔ ترکوں کے زمانہ میں صرف اغوات جو خدام حرم پاکِ نبوی عہد سلطان صلاح الدین ایوبی سے قرار پا چکے ہیں اس سبز جالی کے اندر غلام گردش میں جا کر جھاڑو

دیا کرتے تھے۔ اور روزانہ شام کو جواہر نگار شمعدانوں میں قد آدم کافوری موم بتیاں جنمیں مشک وعنبر کی آمیزش ہوتی تھی روشن کرتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حرم پاک نبوی کیلئے خصوصیت سے اغواط کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ اغواط جو عموماً سوڈان وغیرہ میں پیدائشی طور پر خُنثہ تولد ہوتے ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ اور ذکور وانات خدام اگر خدمت حرم پاک کے لئے رکھے جاتے تو ہر دو کے قدرتی طور پر جُنبی و ناپاک دفعتاً ہو جانیکا احتمال تھا حکومت ترکیہ عثمانیہ کے زمانہ میں سوڈان سے تلاش کر کے حرم پاک کے لئے اغواط روانہ کئے جاتے تھے اور اُن لوگوں کو پنشن قرار ہوا اور اس خدمت جلیلہ کے صلہ میں ملتی تھی۔ انقلاب حکومت کے بعد مملکت سعودیہ عربیہ کے زمانہ میں اغواط تو باقی رکھے گئے۔ مگر ان کے گزارہ کا کوئی بندوبست بجز زائرین کی نذر کے نہیں رہا۔ اور اب ان کے سپرد حضرت آہنی سبز جالیوں کے اندر ہفتہ میں ایک بار شب جمعہ کی جاروب کشی کی خدمت باقی رکھی گئی ہے۔ ہمیشہ سے شیخ الاغواط ان کے صدر کا خاص مرتبہ اور باطنی طور پر خاص مقام ہوا کرتا ہے اور اُن کو شرف ہمکلامی سرور عالمین کا افتخار حاصل ہے۔ سابق شیخ الاغواط آغا معروف صاحب مرحوم کی کافی عمر ہوئی اور جو لوگ اُن سے

ملے ہیں اُن کا بیان ہے کہ وہ نیم مجذوب ہو گئے تھے اور گم سم بیٹھے رہتے تھے ۔ موجودہ شیخ الاغوات آغا خلیل صاحب سے ہم صُفّہ پر تقریباً روزانہ ملتے تھے اور اُن کے قریب ہی بیٹھے رہتے تھے ۔ یہی دیکھا کہ وہ بھی گم سم چشم نیم باز سے جالی مبارک کو تکتے ہوئے بیٹھے رہتے ۔ اگر کوئی آ کر ہم کلام ہوا تو اس سے متوجہ ہو کر بات چیت کر لی ۔ اور اُچٹتی نظر سے دیکھ بھی لیا ورنہ پھر ایک ہی جانب ٹکٹکی لگی رہتی ۔ آہا ۔ ہا ۔ ہا ۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سُننا تجھ میں گم ہونا
طریقت معرفت اہلِ حقیقت اس کو کہتے ہیں

بہرحال ، ذکر اس کا تھا کہ تیرہ سو سال کی مدت طویل سے کبھی کوئی متنفس اصل حجرہ پاک نبویؐ کے اندر داخل نہ ہوا تھا ۔ مگر سلطان عبدالمجید خاں مرحوم خلیفۂ ترکی نے جو بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب رفاعی کے عاشقِ زار مرید تھے ۔ حضرت کے پاس خاص طور سے یہ فرمائش روانہ کی کہ آپ کے بڑے صاحبزادے سید احمد رفاعی محصورہ کے اندر داخل ہو کر اصل حجرہ پاک میں جا کر وہاں سے مزارِ اطہر خاص آرامگاہ نبوی کی مٹی تبرکاً لے آئیں تاکہ سلطان اس کو مرنے کے بعد اپنے کفن میں لے جائیں ۔ سلطان المعظم کے

خاص حکم سے حضرت سید احمد صاحب رفاعی کا بیان ہے کہ انہوں نے محصورہ کے اندر داخل ہو کر جب اصل حجرہ پاک میں داخلی کا شرف حاصل کیا تو دیکھا کہ بجنسہ حجرۂ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوں کا توں عہد نبوی کا تعمیر کردہ کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور کے تنوں اور مٹی کی دیواروں پر قائم تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آرامگاہ نبوی علیہ الف الف تحیات و التسلیم کے علاوہ صرف ایک اور قبر کی جگہ اصل حجرہ میں باقی تھی جو حسب پیشین گوئی حدیث صحیح حضرت عیسیٰ روح اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ تربت اطہر و اقدس پر حضرت خالد ابن ولید سیف اللہ کا پیش کردہ ایک لکڑی کا غلاف تھا۔ سید احمد صاحب کا بیان ہے کہ خالی مقام پر جو حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مرقد بننے والا ہے کھڑے ہو کر جیسے ہی انہوں نے "اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا جَدِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ" عرض کیا یکایک چمک برق سے زیادہ تیز و تند اور روشن ایک تجلی عظیم مرقد انور سے نمایاں ہوئی جس کی وہ کسی طرح تاب نہ لاسکے اور بے اختیار چیخ مار کر قطعی بیہوش ہو گئے۔

تو بایں جمال و خوبی سر طور گر خرامی
ارنی بگو سر آنکس کہ بگفت لن ترانی

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یکایک
بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب نے جو مقصورہ کے باہر ٹھیرے
ہوئے تھے بذریعہ کشف اندر کی حالت معلوم کرلی اور بہ مرحمت تمام اپنے
ہمراہ تین اصل نسل سادات اپنے خلفاء ذاکر شاغل سلوک طے کئے ہوئے
لوگوں کو لیکر اندر تشریف لیگئے وہ لوگ حضرت سید احمد رفاعی کو باہر نکال
لائے اور بڑے حضرت نے لکڑی کا غلاف مبارک ہٹا کر مزار اطہر و اقدس
سے جو بالکل خام مٹی کی تھی۔ خاک پاک حسب التجائے سلطان المعظم حاصل
کرلی۔ اس خاک پاک میں سے جن کی قیمت تمام جہان دنیا و ما فیہا سے
بھی زیادہ ہے۔ بڑا حصہ سلطان المعظم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم کے لئے
روانہ کردیا گیا۔ کچھ حصہ حضرت سید احمد صاحب رفاعی کے پاس موجود ہے جس میں
سے تھوڑی سی انہوں نے خود ہمارے ظل اللہ امیر المومنین عاشق محبوب
رب العالمین اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کو پیش کی تھی۔ ہم
لوگوں کی روانگی کے دن جب کہ انہوں نے از راہ تلطف و مہمان نوازی

ہمارے ہمراہ ناشتہ میں شرکت فرمائی تو ہم نے بعجز و الحاح اُن سے التجا کی کہ حضرت اگر ایک چاول برابر وہ خاک پاک ہم کو بھی مرحمت ہو جائے جو تیرہ سو سال میں کسی کو میسر نہ ہو سکی تھی تو ہم قبر میں اس کو اپنی آنکھ کے اندر رکھ کر ساتھ لے جائیں گے۔ بقول حضرت امجدؔ۔

عصیاں سے ہے سینہ چاک طیبہ والے
ناپاک کو کر دے پاک طیبہ والے
بھر دے چشم حریص میں امجدؔ کی
اپنے قدموں کی خاک طیبہ والے

جواباً حضرت سید احمد صاحب رفاعی نے فرمایا کہ آپ نے بہت تنگ وقت میں فرمائش کی ہے۔ وہ تبرک بہت ہی حفاظت سے مکان کی چوتھی منزل پر ایک بہت محفوظ مقام میں ایسے مستحکم صندوق میں ہے جس پر قفل ابجد پڑا ہوا ہے۔ اس قفل کو میرے سوائے کوئی کھول نہیں سکتا۔ اس میں دیر لگے گی۔ انشاء اللہ میں آپ کے وکیل جدہ کے پاس بذریعۂ پارسل وہ تبرک روانہ کر دوں گا۔

مدینہ منورہ تا مکہ معظمہ | ۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم شنبہ تین بجے عربی وقت

مدینہ طیبہ سے لاری پر ہم لوگ روانہ ہوئے۔ حبشی ڈرائیور علی عرف شمامتہ العنبر نے جو اپنے گھر مکہ معظمہ لوٹ جانے کا کئی دن سے متقاضی تھا۔ موٹر کو کمال سرعت سے اڑانا شروع کر دیا۔ اور جلد جلد منازل طے کرتا ہوا دوپہر کو بیر حسان پہونچکر تھوڑی دیر کے لئے لاری کو روک دیا۔ پھر بہت ہی دشوار گزار منزل خالص صحرائی ریت کی شروع ہوئی۔ کمال فن سے شمامتہ العنبر نے اس ڈیڑھ سو میل کی منزل کو چند گھنٹوں میں عبور کرا یا مغرب کے تھوڑی دیر بعد ہی رابغ پہونچا دیا۔ راستہ میں متعدد موٹریں خراب ہو کر رکی ہوئی پائی گئیں۔ یہ بھی مالک کا فضل خاص تھا کہ بغیر کسی حادثہ کے ہماری لاری دشوار ترین منازل سے صحیح سلامت نکل گئی۔ رابغ میں انڈے بہت سستے چار چار قرش کو بک رہے تھے۔ ہمارے پنجابی رفقاء نے بلا مبالغہ فی کس چالیس پچاس انڈوں سے زیادہ کھائے۔ مدینہ منورہ سے چلتے وقت ہمارے پیر کے زخم پھر ہرے ہو گئے تھے۔ رابغ پہونچتے ہی ان میں بہت درد اور ٹیس ہونے لگے۔ مرہم پٹی کا سامان ہمراہ تھا حسب عادت ہم نے خود مرہم پٹی کر لی۔ رات کو کھانا نہیں کھایا۔ اور اس خیال سے لیٹ گئے کہ جلد سو جائیں گے۔ مگر توبہ کیجئے نیند کافور ہو گئی۔

اول تو سونے کے لئے جو کرسی نما چارپائی ملی تہی وہ از حد تنگ اور اس میں بھی لکڑیاں ٹیڑہی ہونیکی وجہ سے نشیب و فراز پھر ہمارے بستر کے بازو ہی بیت الخلا رعام تھا۔ تمام رات اس قدر سخت و شدید تعفن آتی رہی کہ دم الٹ گیا بمشکل نصف گھنٹہ رات بھر میں سو سکے تھے۔ صبح نماز کے بعد پھر جو چلے تو خدا کے فضل سے ظہر کی نماز سے پہلے جدہ پہونچ گئے۔ منتظم الاخوان نائب قونسل شاہجہاں کبیر سے ملنے چلے گئے۔ حج سے قبل شاہجہان کبیر نے جو بنگالی ہیں حصول روا کے لئے بہت سے وعدے وعید کئے تھے۔ مگر عین وقت پر طوطے کیطرح آنکھیں لیں۔ ان کا وعدہ تھا کہ ۲۴ر ڈسمبر کے جہاز میں ضرور جگہ دلوائیں گے۔ مگر اس میں تو کیا جگہ دیتے۔ کہنے لگے کہ ۳ر جنوری کے بدترین جہاز جہانگیر شاہجہاں کے پدر بزرگوار کے ہمنام کے اوپر جگہ دیں گے۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ۔ نماز ظہر کے بعد جدہ میں ہم لوگوں نے عمرہ کا احرام باندہ لیا۔ اور عصر سے پہلے جدہ سے روانہ ہو کر مغرب سے قبل مکہ معظمہ پہونچکر اپنے معلم عبید الرحمٰن کے یہاں پہنچ گئے۔

مولوی عبید الرحمٰن مکّی | ہمارے مکہ معظمہ کے معلم عبید الرحمٰن صاحب

بہت خوب انسان ہیں۔ مکہ معظمہ کے معلمین کی طوطا چشمی بے مروتی کے افسانے ایک زمانہ سے حجاج کی زبانی سنا کرتے تھے۔ مگر عبد الرحمٰن صاحب کو اس کے بالکل خلاف پایا۔ از حد بامروت۔ سیر چشم ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ عام مکہ والوں کے برخلاف جو عموماً مغلوب الغضب تنک مزاج ہوا کرتے ہیں وہ از حد سلیم الطبع اور بے زبان آدمی ہیں۔ ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ منیٰ میں بعض اہل حدیث امرتسری ان کو بلا وجہ علانیہ گالیاں دیتے اور برا بھلا کہہ رہے تھے۔ مگر انہوں نے سب انگیز کر لیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ عام طور سے معلم لوگ جیسی شاقہ محنت اور مزدوروں کی طرح مشقت حجاج کے لئے برداشت کرتے ہیں اور پھر ان کے آرام و آسایش کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے صلہ میں ان کی جو خدمت بھی دامے درمے کی جائے وہ واجبی ہے۔ مگر کچھ تو اس وجہ سے کہ حجاج ان کا خیال نہیں رکھتے اور کچھ اس باعث کہ سال بھر میں یہی ذریعہ آمدنی ہے۔ عام طور پر معلم لوگ بھی ہر جائز و ناجائز طریقہ سے حجاج سے وصولی کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مگر عبد الرحمٰن صاحب کو ہم نے تجربتاً نہایت قانع پایا جو کچھ دیا جائے اس کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ کوئی اصرار

نہیں کرتے۔ کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔ ناجائز طور سے حصول منفعت کا شائبہ تک ان میں نہیں پایا جاتا۔ انہی صفات حسنہ کے باعث تمام پنجاب کے عموماً اور دہلوی حضرات خصوصاً سب کے سب انہی کو اپنا معلم بناتے ہیں۔ اور جو حجاج ان کو اپنا معلم بنائیں گے۔ انشاءاللہ بہت آرام و آسائش پائیں گے۔

قیام مکہ معظمہ | سب سے پہلے مغرب کی نماز حرم شریف میں ادا کرکے طواف عمرہ کرنیکے بعد سعی صفا و مروہ سے فراغت کی۔ پھر سر کے بالوں کا قصر کرواکے معلم کے پاس واپس آکر احرام اتار کر معمولی لباس پہن لیا۔ معلم صاحب کی طرف سے بافراط عمدہ کھانا آیا۔ کھا کر سو گئے۔ رفقاء کو مچھروں کی شدید یورش سے نیند بہت کم آسکی۔ اس معاملہ میں ہم تو ہمیشہ سے سخت و شدید بےحس ہیں۔ ہم کو نہ تو مچھروں کے کاٹنے کا کوئی احساس ہوتا نہ کھٹمل کی کبھی ہم نے کوئی شکایت کی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بقول ع درعالم جوانی کارِ دوجہانی بساز۔ ہم نے اپنے شباب میں بہت سے اشغال و اذکار کئے تھے۔ اور اب ایک خاص دُھن میں نیند سے پہلے حد درجہ مستغرق اور دنیا و مافیہا سے بفضل ربی بالکل غافل

ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا احساس کہ مچھر کاٹ رہے ہیں یا کھٹمل کچھ نہیں ہوتا۔

۱۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ کو معظم الاخوان کے باب الوداع کے پاس سابق قیام گاہ کے مکان میں اس کا اعلیٰ ترین وسیع کمرہ جو حج کے زمانہ میں ڈہائی ہزار ریال میں افریقہ کے حاجیوں کو دیا گیا تھا۔ دو ریال یومیہ کرایہ پر ٹھیرا لیا۔ اور سب سامان اس میں منتقل کرکے ہم لوگ آگئے۔ یہ کمرہ بہت آرام دہ۔ وسیع اور حرم شریف سے بالکل متصل ہے۔ حتیٰ کہ نماز باجماعت میں اس کے اندر سے شرکت کی جا سکتی ہے۔ الحمد للہ

پانچوں وقت کی نماز حرم شریف میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اور جس قدر ممکن ہو سکے طواف کی نعمت جو تمام جہان میں صرف کعبۃ اللہ میں میسر ہو سکتی ہے بافراط حاصل ہو رہی ہے۔ اکثر تہجد کے وقت حرم شریف میں پہونچ کر طواف صبح کی نماز تک کرتے رہتے ہیں اور ہر نماز باجماعت کے بعد بھی بحمد للہ کئی طواف کر لئے جاتے ہیں۔

طوفِ حرم میں قول ہے تیرے خمار خوار کا
حلقۂ کعبہ دور ہے بادۂ خوشگوار کا

حالتِ طواف میں عجیب مدہوشی عجیب سرشاری میسر ہوتی رہتی ہے۔
ذیل اشعار باوقات مختلف بیت اللہ شریف خانہ کعبہ کے روبرو از حد
قُرب کا موجب ہوئے۔ از حضرتِ اَمجدؔ۔

(۱) یارب اک تو ہی رہنما ہے میرا
جُز تیرے جہاں میں اور کیا ہے میرا
ہے ننگ تجھے کہ میں تیرا بندہ ہوں
ہے فخر مجھے کہ تو خدا ہے میرا

---

(۲) تاچند مصیبت میں گزاروں یارب
کیوں در پہ تیرے سر کو نہ ماروں یارب
لے دے غریب کو سہارا ہے تیرا
جب تو نہ سنے کسے پکاروں یارب

---

(۳) جھولی بندے کی بندہ پرور بھر دے
کشکول میں مقصود کے گوہر بھر دے
صدقہ تیرے میخانہ کے میخواروں کا
اے ساقیٔ کوثر میرا ساغر بھر دے

دوسری بار مندرجہ ذیل عرضی نے خانۂ کعبہ کے دروازہ کے روبرو کچھ عجیب ہی لطف دیا۔

دستِ طلب نہیں رسا دستِ کرم تو ہے دراز
مل ہی رہے گا کچھ نہ کچھ ہاتھ یوں ہی بڑھائے جا
اے نگرانِ کائنات میں ہوں ترا ہی عکسِ ذات
بگڑی ہوئی میری بات جیسے بنے بنائے جا

گنبدِ خضرائے مدینہ کے سبز جالیوں کا نقش کچھ ایسا قلب و دماغ پر کا الحجر مرتسم ہوگیا اور جم گیا ہے کہ طوافِ کعبہ میں برابر ہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سبز جالیوں کے اطراف طواف ہو رہا ہے۔ ان سبز جالیوں کا جس کے اندر اللہ اللہ وہ برقِ تجلی وہ سراجاً منیراً مستور ہے جس کے پرتوِ نور سے تمام عالمین میں رحمت کاملہ کی روح طاری و ساری ہے وہ قلبِ عظیم دھڑک رہا ہے جس کی مبارک حرکت سے تمام کائنات میں روح حیات متحرک ہے۔ ہاں وہ سبز جالیاں جس کے اندر تمام جہاں کائنات کی روحِ اعظم مصداق اَوَّلِ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی ہراتِ جمالِ لم یزالی۔ نقطۂ ظہورِ اولین خاتم المرسلین محبوبِ رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس نہفتہ فرما ہیں ؎

مسند آرائے نبوت باعثِ ارض وسما

سیدِ عرب وعجم سرکردۂ ہر دوسرا

برگزیدۂ انبیاء و اولیاء و اصفیاء

صد صلوٰۃ وسلام از من بتو صبح و مسا

یا حبیبی سیدی للہ انظر حالنا

سیدا راہ خدا کن اِک نظر بر حالِ ما

گمرہاں را رہنما و رہروان را مقتدا

نہ فلکِ معراج تو عرشِ مجید تہ متکا۔

اَرِوَاحُنَا فِدَاہُ مِنْ یَومِنَا ھٰذَا اِلٰی یَومِ الْقِیَامَۃِ۔

اخی روحی حضرت امجد صاحب دام مجدہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ایمان کی تکمیل اے امجد ہوتی ہے نبی کی زیارت سے

تم کعبہ جسے کہتے ہو وہ نصف مکان مدینہ ہے

ہمارے طریق میں مشاہداتِ غیبی کا بہت اخفا کیا جاتا ہے۔ مگر سبز جالیوں کے ذکر پر دل نہیں مانتا۔ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے۔ ہم نے بار بار

مسجد نبوی میں سیدی و مرشدی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ
مدظلہ العالی کو ان سبز جالیوں کے اندر جسم مثالی سے ٹہلتا ہوا پایا ہے اور با
حضرت قبلہ نے سبز جالیوں کے اندر سے تبسمانہ نظروں سے ہم کو دیکھا ہے
دوسری بار حاضری مکہ معظمہ کے موقع پر مغرب سے چند لحظہ پہلے جب کہ ہم
مطاف میں جماعت کے منتظر بیٹھے تھے دیکھا کہ رکن یمانی کے قریب حضرت
قبلہ کی برزخ روحانی ایستادہ ہے۔ پشت غلاف کعبہ سے لگی ہوئی ہے۔
اور قد اس قدر دراز ہے کہ سر مبارک کعبہ کی چھت سے لگ رہا ہے۔

ملک الحجاز بفضل باریتعالیٰ | ہم نے حرمین شریفین میں بہت تحقیق و جستجو کی۔
نہایت معتبر لوگوں نے اس بات کی شہادت دی کہ باوجود انتہائی گرانی کے
بحمد للہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ہر دو جگہ کوئی متنفس بھوک سے فوت نہیں ہوا۔
حالانکہ حرمین شریفین میں گرانی کا یہ عالم ہے کہ نہایت ناقص موٹے چاول
سات ریال کو ایک اگا۔ یعنے سوا سیر نہایت ناقص خراب آٹا پانچ ریال کا
ملتی اور گوشت چار ریال کو۔ شکر چھ ریال کو دستیاب ہو رہی تھی اور بدنصیب
صوبہ بنگال میں اس کی عشر عشیر گرانی نہ تھی۔ مگر بتیس (۳۵) لاکھ نفوس بھوک سے
نذر اجل ہو گئے۔ حجاز میں ایسا نہ ہونیکی وجہ یہ تھی کہ ملک الحجاز والنجد سلطان

ابنِ سعود نے بہت اہتمام سے حرمین شریفین میں بیدریغ روپیہ صرف کرکے روٹیاں تقسیم کرائیں۔ ہمارے وطن حیدرآباد دکن سے بھی ماشاء اللہ ایک خطیر رقم یعنے آٹھ ہزار روپیہ ماہوار مدینہ طیبہ اسی غرض سے ارسال کیا جاتا ہے۔ مگر اس خصوص میں جو کچھ ہم نے مدینہ طیبہ میں نہایت معتبر لوگوں سے سنا اس کو مطلق دُہرانا نہیں چاہتے۔ حضرت والا جاہ قبلہ علامہ لقمان الملک حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام مدت العمر کی کمائی تقریباً ڈہائی لاکھ روپیہ صرف کرکے طیبہ منزل کے نام سے کناٹ پیلیس نئی دہلی میں ایک بلڈنگ وقف کی تھی جس کا افتتاح ہمارے ظل اللہ جہاں پناہ نے بنفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے فرمایا تھا۔ وہ جائیداد اس غرض سے وقف کیگئی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک جامعہ طبیہ قائم کرکے طبِ اسلامی کا عرب میں خصوصًا اور ممالک اسلامیہ میں عمومًا احیاء کیا جائے۔ فی الحال ہمارے ناچیز مشورہ سے وقتاً فوقتاً دو ڈہائی سال سے اس کی رقومات روٹی کی تقسیم کے لیئے سفیر صاحب مملکت حجاز و نجد مقیم بمبئی کے ذریعہ حکومت کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں اور ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں یہی طریق سب سے زیادہ اسلم و غیر مشتبہ ہے بہرحال ہمارا ایمان ہے کہ سلطان کی یہ خدمت جو انہوں نے حرمین شریفین کے

باشندوں کی کی ارحم الراحمین کو پسند آگئی اور اس نے بطور دنیاوی اعظم اجر پیٹرول کے اتنے بڑے چشمے حجاز میں برآمد فرما دیئے بسعرین وماہرین امریکہ کا اندازہ ہے کہ ایرانی چشموں سے حجازی چشمے تقریباً پانچ گنا بڑے ہیں۔ ابھی مکمل طور پہ برآمدگی کا بندوبست نہیں ہوا ہے نہ پائپ لائن بنائی گئی ہے۔ مگر سنا گیا ہے کہ روزانہ ایک لاکھ ریال کی رقم خطیر بطور حق مالکانہ ملک الحجاز کو مل رہی ہے اور پیٹرول حجاز میں اس قدر سستا ہے کہ کوئی چیز اس سے زیادہ سستی نہیں۔ بارہ گیلن کا ایک بڑا پیپہ چار ریال کو مل جاتا ہے۔

مراجعت | پہلی بار الحمد للہ تقریباً ایک اربعین چالیس روز مکہ معظمہ میں قیام رہا تھا۔ مدینہ طیبہ سے واپس آکر دس روز شرف قیام حاصل رہا۔ جدہ سے اطلاع مل گئی کہ ۳۰ر دسمبر کے جہاز علوی میں شاہجہاں کبیر صاحب نائب کونسل نے جگہ دے دی ہے اور معظم الاخوان بھائی صاحب کا ٹکٹ ڈک سے بدل کر فرسٹ کلاس کا کر دیا گیا ہے۔ مگر ہمارا ٹکٹ شاہجہاں صاحب نے تبدیل نہیں کیا۔ دوسری بار کی حاضری مکہ معظمہ میں بحمد للہ دو سرا جمعہ حرم بیت اللہ شریف میں خاص مقام ابراہیم میں پڑھکر آخری طواف وداع کیا گیا۔ جذبات کا دریا قلب میں موجزن تھا ملتزم پر بہت ہی خشوع وخضوع سے اپنے احباب۔ اقرباء۔ احبار اور اعداء

کے لئے دعائے خیر کیگئی اور مکین لامکاں کے گھر کعبۃ اللہ شریف کو نظر حسرت سے دیکھتے ہوئے الٹے پاؤں باب الوداع تک آکر دروازہ پر آخری بار دعا کر کے باب ابراہیم پر حکومت کی عطیہ لاری میں سوار ہو گئے اور دو گھنٹے میں عصر سے پہلے جدہ پہونچ گئے۔ اپنے وکیل صالح بسیونی صاحب کے یہاں سہ منزلہ پر جہاں پہلے قیام ہوا تھا ٹھہر گئے۔ دوسرے روز بتاریخ ۲۹ ڈسمبر ۱۹۴۵ء اس قدر سخت وشدید طوفان باد آیا کہ سورج چھپ گیا۔ گرد وغبار کی کثرت سے چند قدم کے مناظر نظر سے مستور ہو گئے۔ تاریکی سی چھا گئی اور ہر چیز گرد سے اٹ گئی۔ ہوا میں ایسی شدت تیزی وتندی تھی کہ مکان کی تیسری منزل کی دیواریں بار بار ہل جاتی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے زلزلہ آرہا ہے اور مکان خدانخواستہ منہدم ہو جائیگا۔ صبح صادق سے طوفان شروع ہو گیا۔ ہمارے پنجابی رفیق بیحد پریشان ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ سفر حج وزیارت انتہائی امتحان عبدیت وبشریت ہے جس میں متعدد پرچے دیئے جاتے ہیں۔ ایک پرچہ شکر کا ہے۔ ایک پرچہ خدمت خلق کے متعلق ہے۔ ایک ادب کا پرچہ ہے کہ ہر ایک مقام پر اس جگہ کا احترام کما حقہ ملحوظ رکھا گیا یا نہیں۔ اب آخری نفس کیلئے نہایت درجہ شاق اور کٹھن پرچہ صبر تسلیم ورضا کا ہم لوگوں کیلئے باقی رہ گیا ہے۔ اسی پرچہ کی یہ ابتدا ہوچکی ہے

مُصمّم ارادہ کر لیجئے کہ ہر بیعت کو یہ خندہ پیشانی انگیز کر کے پورے نہ سہی نصف نمبر تو اس پرچہ میں حاصل کر لیں۔ باقی رہی یہ طوفانی ہوا اس کے چلنے کی پیشنگوئی آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم بار بار مکہ معظمہ میں کر چکے تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آج ہی پہلی شب کو یہ طوفان باد ختم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بارہ بجے رات کے بعد ہوا تو ہوا ہو گئی اور نزول باران رحمت ہونے لگا اطلاع ملی کہ طوفان کی وجہ سے جہاز علوی بجائے ۳۰ تاریخ کے ۳۱ دسمبر کو روانہ ہوگا۔

مَلکِ الحجاز والنجد سُلطان ابن سعود اور اُن کے وزیر مالیہ عبداللہ سلیمان صاحب کی طرف سے بتاریخ ۳۰ دسمبر یوم یکشنبہ مطابق ۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ ہجری معظم الاخوان حکیم عبدالقادر صاحب انصاری سُلطان کے معالج کو خلعت شاہانہ عطا ہوا خلعت میں دوشالہ زرین عقال۔ زرین عربی جُبّے۔ دو عدد طلائی گھڑیاں جن پر ان کی حکومت کا شاہی نشان مرتسم تھا۔ عطا ہوئیں۔

اور عین اُسی روز اُسی تاریخ کو اس غلام غلامان آلِ محمدؐ خاک پائے آلِ عبا، خادم الغرباء فقیر دعا گو خسرو شاہ نظامی کو اتنی بڑی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی۔ جس کے مقابلہ میں صحیح معنوں میں دولتِ ہفت اقلیم بھی ہیچ و پوچ ہے جس پر اگر دنیا و مافیہا کو قربان و تصدق کر دیا جائے تو بجا و درست ہے

جو واقعی ایکہزار تین سو سال کے بعد صرف چند خوش بخت و خوش نصیب انسانوں کو صرف فضلِ باری و مرحمتِ رسالت پناہی سے حاصل ہوسکی ہے جن میں سے ایک حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم کی تعمیر کرنیوالے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم خلیفہ ترکی ہیں۔ جن کے خاص الخاص احکام پر کہ اس تبرک کو اپنے لئے بہائے آخرت سمجہ کر کفن میں لیجائیں گے ۔ تیرہ سو سال کے بعد حضرت شیخ المشائخ مدینہ منورہ سید حمزہ صاحب رفاعی مدظلہ العالی اُن کے پیر و مرشد اصل حجرۂ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاص الخاص آرامگاہ نبوی میں داخل ہوکر تربتِ اقدس و اطہر سے خاک پاک لے آئے تھے ۔ اور بعض سے زیادہ سلطان کے لئے روانہ کردیگئی تہی ۔ حضرت شیخ المشائخ کے بڑے صاحبزادے اخی رُوحی سید احمد صاحب رفاعی نے وہ خاک پاک ہمارے ظل اللہ عالم پناہ امیر المومنین عاشق رسول رب العالمین محبوب المسلمین سلطان ذیشان کو خود حیدرآباد دکن آکر بائیس سال قبل پیش کی تہی اور میری استدعا روالتجا پر کہ میں اس خاک پاک کو اپنی قبر میں آنکہہ میں رکہہ کر لیجاؤں گا ۔ جب وعدہ حضرت سید احمد صاحب رفاعی نے بذریعۂ پارسل یہ نعمت عظمیٰ قلیل مقدار میں روانہ

فرمادی۔ اور مجھے وہ پارسل ٹھیک اسی روز اور اسی تاریخ کو جدہ میں وصول ہوا جب کہ معظم الاخوان بھائی صاحب قبلہ کو سلطان حجاز کی طرف سے خلعت مرحمت ہوا تھا۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا۔ بتاریخ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۵ء یوم دوشنبہ صبح سویرے ہم لوگوں کو حکومت سعودیہ کے سرکاری موٹر لانچ نے ساحل جدہ سے جہاز علوی تک پہونچایا۔ اور ایک اعزاز حکومت کی طرف سے یہ بھی عطا ہوا کہ ہمارے لئے حکومت ... قرنطینہ سرکاری حکم سے کھول کر قریب ترین راستہ سے ہمارا سامان بغیر معائنہ چنگی کے گزار دیا گیا۔ ساحل تک معلم عبید الرحمن وغیرہ چھوڑنے آئے۔

جہاز علوی امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب حضرت علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ العزیز کا زمانہ خلافت راشدہ کس درجہ پر آشوب تھا۔ تواریخ اس کی تفصیلات سے پر ہیں۔ سرکار کے نام نامی سے منسوب جہاز علوی پر محبان علیؓ کس طرح ابتلا آزمائش کا ملہ سے بچ سکتے تھے۔ ہم نے تو جدہ میں رفقاء سے بطور پیشگوئی کہہ دیا تھا کہ آخری سب سے زیادہ کٹھن اور سخت پرچہ امتحان صبر تسلیم و رضا کے لئے تیار رہیں۔ چنانچہ

جہازِ علوی میں بحمد اللہ ہم لوگوں کو اس امتحان کی آگ سے گزرنا پڑا۔ اور توقع و امید ہے کہ کم از کم سو میں سے پچاس نمبر تو منعم حقیقی کے فضل بے نہایت سے مل گئے ہوں گے۔ نائب برٹش کونسل جدہ شاہجہاں کبیر صاحب جو اپنے آپ میاں مٹھو بننے اپنی دستخط میں اپنے کو مُنشی کبیر تحریر فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ صوبہ بنگال کے باشندہ ہیں اور ان میں صوبہ داری تعصب اور عصبیت حدِ اعتدال سے بہت زیادہ ہے۔ ایسے اہم عہدہ جلیلہ پر فائز شخص کے لئے یہ تعصب حد درجہ بار نما اور حجاج کے لئے بید تکلیف دہ ہے۔ انہوں نے محض بنگالی محبِ وطن ہونے کا ثبوت دینے کے لئے صوبہ بنگال کے جس قدر حجاج جدہ میں جمع تھے۔ بلا تامل اُن سب کو جہاز علوی میں سوار کروا دیا۔ حالانکہ ہمیشہ سے حجاج کو اُن کی آمد جدہ کے اعتبار سے تاریخوار مقدم و موخر جہازوں میں جگہ دینے کے قاعدہ کی ازحد پابندی کیجاتی ہے۔ مگر شاہجہاں کبیر صاحب نے مقدم و موخر آئیوالے حجاج کا کوئی خیال نہ فرمایا۔ جہاز علوی کی ابتدائی گنجائش سات سو حجاج کی ہے۔ اور کپتان جہاز کے شدید احتجاج کے باوجود انہوں نے ساڑھے بارہ سو حاجی جہاز میں سوار کروائے ہے۔ ظاہر ہے کہ گنجائش سے تقریباً دُگنا حجاج بھر دینے کے بعد جہاز کا کیا حال ہوگا۔ چلنے پھرنے کے راستے تو

درکنار۔ جہاں بیٹھ سکنے کی بھی جگہ مل سکتی تھی۔ حاجی بھرے ہوئے تھے۔ کیبنوں کی نشستوں میں گھسے ہوئے۔ بیت الخلا کی دیواروں سے ملے ہوئے۔ ڈیک کے نیچے اوپر آنے جانے کی سیڑھیوں کے درمیانی حد درجہ تنگ مقام پر بعض حاجی اس حالت میں دیکھے گئے کہ لیٹنے کی جگہ کافی نہ ہونے سے نصف حصہ جسم تو لٹکا ہوا۔ اور بیر سیڑھیوں پر لٹکے ہوئے جگہ حاصل کرنے کیلئے بعض سرحدی پٹھانوں نے جو حج کرنے کے بعد حجر اسود کا تقابل کرنیکی وجہ سے اُن کی سنگدلی المضاعف ہوگئی تھی۔ اکثر مقامات پر دیکھا گیا کہ انہوں نے دوسرے حجاج کو زائد جگہ حاصل کرنے کیلئے بہت زدوکوب کیا حتیٰ کہ ہماری جگہ کے روبرو قندھار کے بعض پٹھانوں نے ایک احمد آباد گجرات کے حاجی کو ڈیک کے آہنی فرش پر اس زور سے دے مارا کہ غریب کا گھٹنہ اور کہنی پھوٹ گئی اور زخمی ہوگیا۔ ہم نے بہت سمجھایا بجھایا کہ تم لوگوں نے حج بیت اللہ شریف کیا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ اب دوسرے مسلمانوں کو ضرر شدید پہونچا کر حج کے ثواب کو زائل کررہے ہو۔ بیچ بچاؤ کردیا۔ اور قندھاریوں کو مجبور کیا۔ ضرر رسیدہ سے معافی مانگیں۔ بہرحال چونکہ باوجود اصرار شاہجہاں کیمر نائب کونسل نے ہمارا ڈیک کا ٹکٹ فرسٹ کلاس سے

اس لئے تبدیل نہیں کیا تھا کہ آٹھ دوسرے بنگالی ڈک مسافروں کو وہ فرسٹ کلاس میں بدلوا چکے تھے۔ اس لئے بہت جدوجہد کے بعد ہم تین ڈک مسافروں کو ایک جہاز مختصر جگہ ڈک کے سب سے نچلے تختہ تیسری منزل کی آمدورفت کے سیڑھیوں کے عین نیچے ملی۔ ایک رفیق سفر محمد رمضان صاحب چونکہ اپنے ہمراہ کیمپ کھاٹ لائے تھے۔ جہاز جاتے ہوئے تو اس کی ضرورت نہ ہوئی۔ مگر واپسی میں انہوں نے ایک مناسب جگہ اپنی کیمپ کھاٹ بچھالی اور مزے میں رہے۔ اب رہے ہم اور دوسرے رفیق میونسپل کمشنر لاہور چوہدری محمد شریف صاحب تو دونوں کو سیڑھیوں کے نیچے کی جو جگہ ملی تھی وہ اس قدر تنگ تھی کہ بمشکل دو آدمی لیٹ سکتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ علاوہ ہر وقت سیڑھیوں پر چڑھنے اترنے والوں کی آمد و رفت کے سیڑھیوں کے کچھ تختے شکستہ ہو کر ان کے رخنوں میں سے ہم لوگوں کے سروں اور جسموں پر محترم حاجیوں کے جوتیوں کی مٹی بکثرت گرتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ دن میں بہت مرتبہ وضو کر کے اوپر کے ڈک سے آنیوالے حاجی اپنے لوٹے میں جو بقیہ الوضو پانی لایا کرتے تھے اترتے ہوئے وہ

پانی دن میں کئی بار اُن لوگوں کی بے احتیاطی سے ہم لوگوں پر گرتا اور شرابور کر دیتا۔ چودھری صاحب ٹھیٹھ پنجابی بہت محرور المزاج وہ از حد برہم ہو کر جھگڑے پر آمادہ ہو جاتے۔ مگر ہم ان کو یہ کہہ کر ساکت کر دیتے کہ خبردار چودھری صاحب امتحان کے دور سے گزر رہے ہو اور یہ سب کارروائی احکام کے تحت ہم لوگوں کے امتحان صبر و ضبط کیلئے کروائی جارہی ہے۔ ہرگز ہرگز چوں و چرا نہ کرو۔ ورنہ فیل ہو جاؤ گے۔ وہ غریب دم بخود ہو جاتے۔ اور بعض اوقات زچ آکر اپنے آپ میں بڑبڑایا کرتے۔

اور سنئے جہاز کے ساحلِ جدہ چھوڑ کر روانہ ہو جانیکے ٹھیک ایک دن بعد دوبارہ طوفان نے آلیا۔ اور جہاز بلند موجوں پر تنکے کی طرح ہچکولے کھانے لگا۔ تارٔ سے زیادہ بلند موجوں پر اوپر اٹھتا اور پھر ایک ہی لحظہ میں بجلی تیزی سے اتنا ہی نیچے اترتا۔ حاجیوں کا بُرا حال تھا۔ بستروں پر لیٹے ہوئے آدھ آدھ گز اُچھل رہے تھے۔ اور تمام جہاز کے ساڑھے بارہ سو حاجیوں میں سے شاید ہی چند نفوس ایسے ہوں گے جو متلی اور قئے اور استفراغ کے حملے سے بچ رہے ہوں

ان محفوظ لوگوں میں سے بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک ہم بھی تھے۔ جن کو قے و استفراق تو کیا ہوتا خفیف سا چکر بھی محسوس نہ ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اپنی دُھن میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ رفیق سفر چودھری صاحب کا حال بہت ابتر ہوا۔ حتیٰ کہ ایک بار انکو غشی کا دورہ پڑا۔ فوری دو استعمال کرائی گئی اور بحمد للہ چند منٹ میں افاقہ ہو گیا۔ نچلے طبقہ کے ڈک کے جس ہال میں ہمارا قیام تھا۔ اس ہال میں تین سو سے زیادہ مسافر تھے اور تین سو واجہ ... کے لئے صرف ایک بالٹی استفراغ کرتے میسر ہوں ... قریب ... ٹھیک ہمارے سرہانے رکھدی گئی۔ اس کا نظارہ یہ ... بالٹی میں ہی طوفان آکر ابل جاتی۔ اور اس کی گندگی بہ کر ہم لوگوں کے بستر کو آلودہ کر دیتی۔ عفونت کا حال ناقابل بیان تھا۔ یہ سب سے زیادہ کٹھن پرچہ امتحان تھا۔ تین دن تک یہی حال رہا۔ آخر عنان ضبط ہاتھ سے نکل ہی گئی اور حکیم صاحب نے شاہ صاحب کو جھاڑ دیا اور ہم ٹھوک کر اکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کی مصداق بن کر ہم نے امیر الحج صاحب کو ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا کہ آپ کو اس لئے ڈک کے مسافر ہوتے ہوئے اعزازی امیر الحج مقرر کیا گیا ہے۔

کہ آپ روزانہ ڈک کے مسافروں کی شکایت معلوم کرنے دورہ کیا کریں اور بچشم خود ان کی حالت کا معائنہ کرکے کپتان جہاز کے ذریعہ رفع شکایات کی سعی کریں۔ اگر جہاز کے عملہ صفائی نے دن میں متعدد بار استفراغوں کی صفائی نہ کرکے ایسی ہی غفلت مجرمانہ برت کر حاجیوں کی صحت و عافیت کو سخت خطرہ میں ڈالا۔ تو میں مجبوراً ٹرنر مارین کمپنی عرف مغل لائن پر مقدمہ دائر کرنے کے علاوہ تمام اخبارات میں اس کا حال شائع کرادوں گا۔ بارے اس تحریری نوٹس کا حسب دلخواہ نتیجہ نکلا اور باشندہ لاہور زمیر الحج صاحب نے جو ڈک کا ٹکٹ ہونے کے باوجود فرسٹ کلاس میں سفر کررہے تھے۔ کنج عافیت سے نکل کر دورہ بھی کرنا شروع کردیا۔ اور دن میں دو مرتبہ بالفعل کبھی صاف ہونے لگی۔ ایک بدلسیل مثل مشہور رہے کہ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کا خواب۔ وہی مثل کچھ ہم پر صادق آجاتی ہے کہ ہمارے اندر ایک خاص الخاص کمزوری زمانہ دراز سے یہ ہے کہ حواس خمسہ اشتغال کی وجہ غیر معمولی تیز ہو جانے سے خصوصیت سے ہمارا مزاج بدبو کو مطلق نہ برداشت کرسکنے میں تاناشاہی واقع ہوا ہے۔ اگر ہم کو ذرا بھی

بدبو کا احساس ہوتا ہے تو ہم فوراً خوشبو جلواتے ہیں اور بدبو دفع کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ ورنہ مسلسل بدبو سونگھنے کے بعد ہم کو واقعی غشی طاری ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے خرید کردہ سکونتی مکان میں جس کا نام نظامی نشیمن ہے کافی سے زیادہ رقم بیت الخلاء کے فلش بنانے میں صرف کردی تھی۔ شاید حکیم علی الاطلاق میرے ارحم الراحمین کو میری اس کمزوری کو بڑی حد تک دور فرمادینا منظور تھا کہ اس بارہ میں سب سے زیادہ مشکل پرچہ امتحان کا عطا ہوگیا۔ ایک دن تک واقعی تعفن کی وجہ سے مجھ پر غشی کی حالت طاری رہی۔ اس کے بعد غیب سے یہ انتظام ہوگیا۔ ایک دہلوی درگاہ شریف کے پیرزادہ صاحب نے بلا طلب کافی مقدار میں گلاب اور خس کا عطر ہم کو عنایت کردیا جس سے طبیعت تھمی رہی۔

چونکہ معظم الاخوان بھائی صاحب اور بھاوج صاحبہ فرسٹ کلاس میں تھے اس لئے ہم رفع ضروریات وغیرہ کے لئے فرسٹ کلاس میں چلے جایا کرتے تھے۔ جہاز کی مسافرت کا دوسرا دن تھا۔ ایک مرتبہ جب کہ بھائی صاحب باتھ روم میں تھے اور ہم باہر

بھرے ہوئے تھے۔ ایک بنگالی صاحب جنہوں نے اپنا ٹکٹ ڈک سے شاہجہاں کبیر کی مہربانی سے فرسٹ کلاس میں تبدیل کروا لیا تھا۔ اپنے کیبن سے برآمد ہوئے اور ہم کو دیکھکر کمال غیظ و غضب میں آ گئے۔ ارشاد ہوا کہ "تم لوگ ڈک والا دو کوڑی کا آدمی ہم فرسٹ والوں کے باتھ روم میں کیوں آتا ہے۔ ہم تم پر نالش کر دیگا" ہم نے کمال سکون سے عرض کیا کہ ہم باتھ روم میں نہیں ہیں بلکہ باتھ روم میں ایک فرسٹ کلاس ہی کا مسافر گیا ہوا ہے۔ باہر ٹھیرنا جرم نہیں ہے۔ تمام فرسٹ کلاس کے سامنے کے راستے میں ڈک کے مسافر پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے سکون سے بنگالی صاحب کا پارہ اور اوپر چڑھ گیا اور ارشاد ہوا "تم ڈک والا دو کوڑی کا لوگ، ہم فرسٹ کلاس والوں کو جواب دیتا ہے تم کو ہم فرسٹ کلاس والوں سے دب کر بات کرنا چاہیئے۔ تم جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نالش کریگا"۔ عرض کیا گیا کہ نہیں نالش ہرگز کافی نہیں آپ کو اس معاملہ کیلئے تو پریوی کونسل تک ضرور جانا چاہیئے۔ اتنے ہی میں بھائی صاحب باہر نکل آئے اور انہوں نے بنگالی صاحب سے کہا کہ "اس جھوٹ بات کیا ہے کیا ہم جو اندر تھے فرسٹ کلاس کے مسافر

نہیں ہیں"۔ بہرحال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالی صاحب نے باتھ روم مقفل کروا دیا۔ اگرچہ کہ ہر فرسٹ کلاس والے کے پاس اس کی کنجی موجود تھی اور بھائی صاحب نے اصرار کیا کہ ہم ان سے کنجی لے لیا کریں مگر ہم نے کہا کہ قاعدہ کے اعتبار سے ہم ہرگز حق پر نہیں ہیں۔ ہم ڈک والوں کو درحقیقت فرسٹ کلاس کے باتھ روم کا استعمال جائز نہیں ہے اور خلاف قاعدہ ہے۔ اس لئے اب ہم اس طرف ہرگز نہیں آئیں گے۔ ڈک والوں کے بیت الخلاء کا حال یہ تھا کہ تین سو مسافروں کے لئے صرف پانچ عدد ایسے بیت الخلاء تھے جن میں انسان بمشکل تمام شدید تنگی کی وجہ سے بیٹھ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بیت الخلاء کے قریب ایک میلہ لگا رہتا اور شدید ہجوم رہا کرتا۔ بیت الخلاء سے ملی ہوئی جو تنگ گلی سی تھی وہ تمام تر غلاظت کے انبار سے پٹی رہتی۔ اس لئے کہ بعض لوگ جو اندر کی وبا کو زیادہ دیر سہہ نہ سکتے تھے وہ اضطراراً گلی میں فارغ ہو جاتے۔ اس لئے ہم نے اپنا معمول یہ بنا لیا تھا کہ صرف دو بجے رات کو تہجد کے وقت جایا کرتے اور نماز ظہر کے وضو کو اکثر اوقات عشاء تک قائم رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل یہ تھا کہ موسم طوفانی

اور سرد تھا اور نہ نچلے طبقہ کے ڈک میں جس کا فرش، دیواریں، چھت سب آہنی تھیں۔ اس قدر شدید گرمی ہوتی کہ شاید قوت برداشت جواب دے دیتی۔ نچلے حصہ کے ڈک چونکہ دھوئے نہیں جاتے اس لئے تعفن و گندگی حد سے سوا تھی۔ پھر ہمسفر پٹھان اور بنگالی۔ دونوں از حد غلیظ و گندی عادتوں کے مظاہرہ کے عادی۔ ہر طرف پسوؤں کا طوفان۔ ڈک کی آہنی سطح پر دو دو انچہ کے سفید رنگ کے کیڑے رینگتے نظر آتے تھے اور بڑے بڑے چوہے رات کا دھاوا بول کر مسافروں پر یورش کرتے تھے۔ ہم نے اپنے نفس لعین سے جو وعدے اس کو کمال درجہ اذیت پہنچانے کے لئے کئے تھے وہ جہاز علوی میں سب بدرجۂ اولیٰ پورے ہو گئے۔ طوفان سے جہاز دوچار رہا۔ پھر باد مخالف چلنے لگی۔ اس وجہ سے جہاز بجائے نو دن کے تیرہ دن میں کراچی پہونچ سکا اور یہ تیرہ دن ہفت خوان رستم سے کم نہ تھے۔ شدت تکالیف سے اس تیرہ دن کے اندر جہاز میں نو اموات ہوئیں اور نو حاجی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بے شک اُن لوگوں پر خاص نظر رحمت تھی کہ حج کرنے اور گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد مشیت ایزدی کو گوارا نہ تھا کہ وہ

لوگ دوبارہ دنیا میں آکر آلودگی گناہ میں مبتلا ہوں۔ اس لئے پاک وصاف حالت میں ان کو اٹھا لیا گیا اور اپنے دربارِ عالی میں بُلا لیا گیا۔ ہماری زبان تو ادائے شکر میں گونگی ہے ارحم الراحمین کا محض خاص الخاص فضل اور توفیق تھی کہ ان تمام مصائب کو ہم نے نہایت خندہ پیشانی سے انگیز کر لیا اور کسی سے مس نہ ہوئے۔ اندیشہ تو یہ تھا کہ شاید فریش ہو جاتے۔ اس کے برخلاف صحت اور بہتر ہوگئی۔ اور ہم انتہائی طلاطم میں بھی جب کہ جہاز بہت زور سے ہچکولے کھا رہا تھا اور چلنا پھرنا درکنار کھڑا ہونا بھی مشکل تھا اِدھر اُدھر پھر کر خدمتِ خلق کا ثواب حاصل کرتے رہے۔ محترمہ بھابی صاحبہ طوفان نمودار ہونے ہی حد درجہ علیل اور فریش ہوگئیں مسلسل چار دن تک کوئی غذا انہیں پہونچی تھی۔ تشنج کے دورے ہونے لگے اور زیست سے ناامیدی ہوگئی انہوں نے ہم کو بلا کر وصیت بھی کر دی۔ ہم نے یہ دیکھ کر کہ بھائی صاحب کا دماغ شدت پریشانی سے معطل سا ہو رہا ہے۔ علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایسی حالت میں شہد نے مسیحائی کا کام کیا اور تیرہ دن جہاز سے اترنے تک انکو صرف ماء العسل اور بسکٹ پر رکھا گیا۔

۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء روز جمعہ جہاز علوی نے صبح آٹھ بجے کراچی پہونچ کر لنگر ڈال دیا۔ اور ہم لوگوں نے مع الخیر دوبارہ ساحل ہند پر قدم رکھا۔ جہاز کی لاسلکی کے ذریعہ بڑے بھائی صاحب حکیم عبدالحی انصاری کو دہلی آمد کا اطلاعی تار دیا گیا تھا۔ مگر کراچی والوں نے تار یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ حالات جنگ ابھی تک باقی ہیں خانگی تار نہیں لئے جا سکتے۔ اس لئے بھائی صاحب قبلہ کراچی تشریف نہیں لا سکے۔ کراچی والوں کے لاسلکی تار مسترد کر دینے سے جو بالکل خلاف توقع تھا۔ اکثر حجاج کو بہت سخت و شدید زحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کافی سے زیادہ نقصانات بھی ہوئے آسام کے ایک بہت ہی دور دراز علاقہ کا ایک غریب حاجی نے جو کچھ علیل تھا جدہ سے اپنے اقربار کو بحری تار دلوایا تھا کہ وہ لوگ کراچی اس کو لینے آجائیں۔ اس کا جب جہاز میں انتقال ہو گیا تو اس کے شناسا ہموطن حاجیوں نے بذریعہ لاسلکی تار دلوایا کہ اس کے اقربار کراچی نہ آئیں۔ تاکہ ان لوگوں پر اس قدر دور دراز ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ کے سفر کے سینکڑوں روپیئے کا بار نہ پڑے مگر کراچی والوں کے لاسلکی تار نہ قبول کرنے سے وہ لوگ کراچی پہونچ گئے اور بندرگاہ پر زار و قطار رو رو کر

نہایت دردناک منظر پیش کرتے تھے۔

کراچی کراچی میں سر عبداللہ ہارون صاحب کے بنگلہ پر قیام ہوا۔ گودی
سے ہم لوگ موٹر پر سیدھے اسٹیشن گئے۔ اور دوسرے دن یعنے ۱۲ جنوری
کے لئے لاہور میل میں سکنڈ کلاس کی پانچ سیٹیں رزرو کروائی گئیں شہر
کو سرسری طور پر کراچی شہر کی سیر کی گئی۔ یہ ضرور ہے کہ مدراس۔ کلکتہ اور بمبئی
کے بہ نسبت کراچی سب سے زیادہ صاف ستھرا شہر ہے اور عمارات دیدہ زیب
ہیں۔ فی الحال تو سب سے بڑا یورپ۔ عراق۔ مصر جانے کے لئے ہوائی اڈہ
ہے۔ مگر عنقریب سب سے بڑا بندرگاہ بھی بن جانیوالا ہے۔ اس لئے کہ
بمبئی سیاسی تحریکات کا آماجگاہ بن جانے اور ایک جنگی جہاز میں دوران جنگ
میں آگ لگ کر شدید نقصانات ہوجانے سے بمبئی کی بندرگاہ ناقابل اعتبار
قرار پاگئی ہے۔ بہرحال ہم کو امور سیاسی سے کیا غرض۔ ہم حیدرآباد دکن
والوں کے لئے حجاز جانیکا نزدیکی راستہ بمبئی ہے اور کراچی۔ حیدرآباد
سے نہ صرف ازحد دور راستہ ہے بلکہ وہاں تک جانے میں بیحد مصارف کا بار
پڑجاتا ہے۔ ایک رات دن کراچی میں قیام رہا اور ہماری میزبان لیڈی
عبداللہ ہارون صاحبہ نے کمال مہربانی سے حق میزبانی ادا فرمایا اور ہم

لوگوں کی بہت خاطر تواضع کی۔ ۱۲ر جنوری کو ہم لوگ لاہور میل سے روانہ ہو گئے اور ۱۳ر جنوری یوم یکشنبہ کو رات کے نو بجے لاہور پہونچ گئے۔ بھائی صاحب معظم الاخوان اور دوسرے لاہوری رفقار کے استقبال کے لئے ان کے احباب اسٹیشن پر آئے تھے۔ ہم تینا گنبد انارکلی بازار میں بھائی صاحب کے یہاں ٹھہر گئے۔ دوسرے ہی دن بڑے بھائی صاحب قبلہ حکیم عبدالحی صاحب انصاری جن کا ارادہ تھا کہ لاسلکی تار ملتے ہی دہلی سے کراچی ہوائی جہاز کے ذریعہ آجائیں گے۔ لاہور پہونچ گئے۔ پانچ یوم لاہور میں قیام رہا۔ سردی ہم حیدرآبادی لوگوں کے لئے جو معتدل موسم کے خوگر ہیں حد سے زیادہ تھی اس پر طرہ یہ ہوا کہ بارش ہوئی۔ اولے برسے۔ کشمیر میں سخت برف باری ہونے سے ایسی سرد ہوا چلنے لگی کہ جسم کو برماتی اور کاٹتی تھی۔ پانچ روزہ قیام لاہور لاہور میں دو شعر بہت ہی اچھے ہاتھ لگے جو ہمارے سفر حج کا ماحصل ہیں۔

دل جانب مدینہ ہے اور قبلہ رُخ ہوں میں
اب انتہائے کشمکش دل نہ پوچھیئے۔

معراج دید ہو گئی حاصل مدینہ میں۔
اب کیا ہے میری زیست کا حاصل نہ پوچھیئے۔

۱۹ر جنوری کی رات کو لاہور سے دہلی بڑے بھائی صاحب قبلہ کی معیت میں روانہ ہو گئے۔ حالانکہ چار یوم قبل سے دہلی کے لئے سیٹ محفوظ کرائی گئی تھی مگر بے سود ہوا۔ جبکہ برت کے ڈبے میں نو مسافر تھے۔ ۲۰ر جنوری صبح نو بجے دہلی پہونچ گئے۔ درگاہ شریف جانیکے لئے کافی وقت نہ تھا۔ اس لئے اسٹیشن ہی سے تمام بزرگان دہلی کو عموماً اور بارگاہ سلطان السلاطین سلطان المشائخ سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی میں خصوصاً نذر فاتحہ گذران دی گئی۔ چونکہ دوسرے ہی دن حیدرآباد دکن کو روانگی مقرر تھی اور کراچی سے تار دلوا کر سیٹ رزرو کر لی گئی تھی۔ اس لئے اپنا تمام سامان سوائے بستر کے اسٹیشن انسپکٹر بابو الطاف علی صاحب کے یہاں امانت رکھوا دیا گیا۔ ہم کو حجاز میں علالت پانی کی قلت اور مختلف وجوہات سے غسل کرنے کا بہت کم موقع تھا۔ تین ماہ کے عرصہ طویل میں صرف تین مرتبہ غسل کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے اسٹیشن سے سیدھے فتحپوری گئے کہ وہاں کے شہرۂ آفاق ترکی حمام میں خوب نہائیں گے اور کئی ماہ کا جسمانی میل کچیل صاف کروائیں گے۔ مگر فتحپوری جانے پر معلوم ہوا کہ سب سے بڑا اور مشہور حمام بند ہو چکا ہے۔ مجبوراً ایک دوسرے حمام میں غسل کیا گیا۔ حمامی نے حسب منشا نہ تو جسم کا میل کچیل صاف کیا اور نہ مشت ومال کی۔ البتہ مٹی کے

سخت جھانوے سے جابجا جسم کی کھال اُدھیڑ دی اور پانچ روپیہ وصول کر لئے۔ فتحپوری سے خواہشِ نفس کی سزا میں کہ جسم کا میل کچیل صاف کرایا جائیگا۔ جابجا سے کھال اُدھڑوائے ہوئے نئی دہلی کناٹ پیلس طیبہ منزل واپس پہونچ گئے۔ ایک شبانہ روز قیام رہا۔ دوسرے دن شام کو بذریعہ گرانڈ ٹرنک اکسپریس حیدرآباد دکن روانہ ہو گئے۔ چونکہ پہلے سے سیٹ محفوظ کروالی تھی جگہ اچھی مل گئی۔

ورودِ حیدرآباد دکن | ۲۲ر جنوری ۱۹۴۶ء م ۱۷ر صفر ۱۳۶۵ھ

یوم سہ شنبہ مسافرِ حجاز نے تقریباً چار ماہ کے بعد اپنے وطن حیدرآباد دکن کی سرزمین پر دوبارہ قدم رکھا۔ ٹرین جب سکندرآباد پہونچی تو دیکھا کہ برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری اور محب و مخلص قلبی سلیم صدیقی صاحب استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلا پھولوں کا ہار سلیم صدیقی صاحب نورِ نظر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہنایا۔ نام پلی اسٹیشن پر مجمع احباب تھا۔ اخی روحی حضرت امجد صاحب دام مجدہٗ نقیر نواز محترم نواب قطب اللہ خان صاحب۔ محمد یوسف صاحب ریلوے والے۔ یوسف صاحب صحافی محب قلبی خوش اقبال

نظامی کی علالت کی وجہ سے اُن کے صاحبزادے میاں محمود صاحب
نظامی وغیرہ احباب جمع تھے۔ نواب بشارت علی خاں صاحب
جاگیردار اپنی موٹر پر ہم کو گھر پہونچانے تکلیف فرماکر خود تشریف لائے
تھے۔ حاجی صاحب پھولوں کے ہاروں سے لدے ہوئے جس میں
آخری ہار قاضی انعام الحق صاحب کا تھا۔ رحمت باغ کا چیگوڑہ
پہونچ گئے۔ سب سے پہلے حجرۂ آثار مبارک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
میں حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام کے بعد دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیگئی۔ حضرت
امجد صاحب اسٹیشن سے گھر پر تشریف لائے۔ روانگی حجاز کے وقت
انھوں نے ایک رباعی مرحمت فرمائی تھی۔ جس کا سفرنامہ میں مفصل تذکرہ
موجود ہے۔ دیر تک ہم دونوں اس رباعی کے مضمون پر اشکبار رہے
تھے۔ واپسی میں بھی اخی روحی وامجد جب اسٹیشن سے ہمارا استقبال
کر کے اپنے مکان آغاپورہ تشریف لیگئے تو فوراً فی البدیہہ ایک
رباعی موزوں فرمائی اور اس کو خود اپنے قلم سے لکھکر لے آئے۔

رباعی یہ ہے۔ ؎

بحضرت خسروِ سریرِ دل۔

[illegible]

اور وجیہ ہیں طالب والے
یہ بیٹھیں اوقات اب ہیں دنیا والے

اپنے قیدیوں کی خاک لیں رائے
ہم کو اس کے دربار سے آئے والے

از حضرت اکبر
۱۲ صفر ۱۳۱۵ھ

او کوچۂ محبوب میں جانیو الے
آنکھیں رہ جاناں میں بچھانیوالے
اپنے قدموں کی خاک لینے دے مجھے
سرکار کے دربار سے آنیوالے

رباعی سُن کر دونوں کو وجد طاری ہوگیا اور ہم دونوں دیر تک اشکبار رہے۔ بڑی ہمشیرہ محل برادرم سمیع اللہ شاہ صاحب اور منجلی بہن اہلیہ مسٹر محمد احمد صاحب بیرسٹر ملنے آئیں۔ اور بھی مریدین وغیرہ جمع ہوگئے تھے۔ ہم نے بہنوں کو سفرنامہ کے بعض حصے خصوصًا مدینہ طیبہ کے وداعی مناظر سنائے۔ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی زاروقطار رُلایا۔ چونکہ اسٹیشن پر سن لیا تھا کہ آج سیدی و مرشدی شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی آج ہی شام کو دہلی واپس تشریف لے جارہے ہیں۔ اس لئے دوپہر کو حضرت کی جائے قیام سیف آباد جاکر شرف قدمبوسی حاصل کرآئے اور حجاز کے تحائف مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا تحفہ پیش کردیا۔

دعوتوں کا سلسلہ | نواب بشارت علی خاں صاحب جاگیردار المعروف بہ نواب

نچھلگوڑہ خود زحمت فرماکر ہم کو اسٹیشن سے استقبال کر کے گھر لے جانے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے ازراہِ فقیر نوازی بہت اصرار سے ہم کو جمعہ ۲۰ صفر المظ کو مدعو کیا اور حضرت امجد صاحب کو بھی بلوایا تھا۔ نواب صاحب کے والد ماجد نواب عنایت علیخاں صاحب مرحوم و مغفور سے تقریباً اکیس سال کی مدت طویل ہوئی کہ خصوصی رشتہ مودت و اخلاص استوار ہو گیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم و مغفور کو ہم سے از حد تعلق خاطر اور عقیدت تھی۔ ایسے تمام اہم امور بغیر ہماری مشورت کے سر انجام نہیں دیتے تھے۔ وضعداری قدیمانہ و شان امیرانہ انکسار درویشانہ میں فرد یگانہ تھے۔ افسوس کہ یہ آفتاب اخلاص و محبت آٹھ سال ہوئے کہ برج خاکی میں غروب ہو گیا۔ فقیر خسرو نے ان کے سینہ بے کینہ پر خاکِ در رسول اپنے ہاتھ سے بطور تحفہ آخری ان کی تربت میں رکھدی۔ اور دلِ پُر درد سے اک آہِ جگر سوز کھینچی۔ ان کے بلند اقبال صاحبزادے نواب بشارت علی خاں صاحب بالکل اپنے والد محترم کے قدم بقدم ہیں۔ اور غیر معمولی عقل و فہم و فراست کے علاوہ بعض ایسی خصوصیات کے حامل ہیں جن کو حقیقۃً امراء میں تصنعاً کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اول یہ کہ وہ نہایت درجہ نماز کے پابند اور خوش اوقات امیر ہیں۔ دوسرے مردم شناسی اور معاملہ فہمی میں اپنا



نواب محمد بشارت علی خاں جاگیردار

چھتاری، گوڑہ

جواب نہیں رکھتے ۔ واہب العطیات نے ان کو ایسا ذہن رسا مرحمت فرمایا ہے کہ وہ فوراً سے اشارہ پر اہم سے اہم معاملات کی تہہ کو پہونچ جاتے ہیں۔ چونکہ خود بہت اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک ہیں اور نفسیات انسانی کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لیے پہلی ملاقات میں آدمی کے تمام خصائص نیک و بد سمجھ کر جو پختہ رائے قائم کر بیٹھتے ہیں بارہا تجربہ ہوا کہ وہ ہمیشہ صحیح ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ ساٹھ ستر ہزار سے زائد آمدنی کی وسیع جاگیر کا ایسا بہتر انتظام کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محکمۂ مال و بندوبست کے دیرینہ تجربہ کار حکام نے خراج تحسین ادا کیا ہے۔ خلوص محبت قدیمانہ وضعداری ۔ فقیر نوازی یہ سب صفات حسنہ اپنے والد ماجد سے ورثتاً پائی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جدید تہذیب کی چکاچوند کر دینے والی روشنی جسنے طبقہ امراء کو غرق کر لیا ہے۔ انکی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکی اور تمام مشرقی روایات انہوں نے اپنے یہاں برقرار رکھی ہیں۔ بہرحال ذکر اس کا تھا کہ نواب صاحب نے اس فقیر اور حضرت امجد دام مجدہٗ کو اپنے یہاں مدعو فرمایا۔ وہاں یوسف نواز جنگ بہادر معتمد اصلاحات بھی موجود تھے۔ جن کا ذوق عبادت ۔ صفات درویشی اور مکارم اخلاقی ہر آئینہ طبقہ حکام میں عدیم المثال ہے۔ پر تکلف دعوت کھائی ۔ اپنے سفر نامہ کے وہ حصے جو حاضری

مدینہ طیبہ کے متعلق تھے۔ نواب صاحب کے اصرار پر سنائے گئے۔ گیارہ بجے
رات کو نواب صاحب نے پھول پہنا کر رخصت کیا۔

دوسری دعوت | رحمت باغ کاچی گوڑہ میں ہمارے ذاتی مکان کی زمین
متصل ہے اور اس کے مالک رحمت باغ کے زمیندار مرزا مظہر اللہ بیگ صاحب
ہمارے خاص الخاص محب ہونے کے علاوہ ہمارے مخلص قلبی سلیم صدیقی صاحب
کے نسبتی ہیں۔ یہ تمام خاندان ماشاء اللہ نقیر دوست پابند صوم
وصلوٰۃ اور صالح اشخاص کا ہے۔ مولوی مظہر اللہ بیگ صاحب کو ہم سے
بہت تعلق خاطر ہے۔ اور وہ ہمیشہ عقیدتاً جذبۂ بے اختیار شوق میں
ہمارے یہاں بکثرت تشریف لایا کرتے ہیں اور ان کے خلوص ومحبت
سے ہمارا قلب بہت متاثر ہے۔ ہم نے سفرنامہ تو بڑی حد تک قیام حرمین
شریفین ہی میں بعجلت تمام لکھ ڈالا تھا۔ مگر ہماری کمزوریوں میں سے ایک بڑی
کمزوری یہ بھی ہے کہ ہم حد درجہ بدخط واقع ہوئے ہیں اور بجز عادی
اشخاص کے ہماری تحریر پڑھنا مشکل ہے۔ ہم پریشان خاطر تھے کہ ہمارے
سفرنامہ کو جب کاتب پڑھ نہیں سکیگا تو کتابت کیونکر کرے گا۔ مگر مولوی
مظہر اللہ بیگ صاحب نے محض لوجہ اللہ خدا ورسول کی خوشنودی کے لیے

ہمارے سفرنامہ کو صاف لکھنے کا تہیہ فرما لیا اور باوجود گوناگوں کمال مصروفیات کے التزاماً روزانہ تشریف لاکر سفرنامہ کو صاف لکھدیا۔ اللہ تعالیٰ بطفیل حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ترقی معانی کونین مرحمت فرمائے

تذکرہ دعوت کا تھا۔ مولوی مظہر اللہ بیگ صاحب نے بتاریخ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ یوم دوشنبہ رات میں ہم کو مدعو فرمایا۔ کامل خلوص ومحبت دلی کی دعوت کیسے رد کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ہم معہ برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری کے مظہر اللہ بیگ صاحب کے مکان گئے۔ محب قلبی سلیم صدیقی صاحب رانمائی کررہے تھے۔ بہت پر تکلف دعوت کہائی اور نہایت معطر پہولوں کا غیر معمولی بڑا ہار پہنکر گھر لوٹ آئے۔ نفسِ خبیث سے مخاطب ہوکر دریافت کیا کہ کیوں جناب ہم نے اپنا وعدہ جو شروع سفر حجاز میں آپ سے کیا تھا وہ جہاز علوی میں پورا کیا یا نہیں۔ آپ کا خوب اچھی طرح سر کچلا گیا۔ یا ابھی کچھہ کسر باقی ہے۔ ہماری دانست میں تو آپ بڑے پاک بےحیا ذاتِ شریف ہیں۔ آپ کی خباثتیں دبگئی ہیں مگر زائل ہونا امر محال معلوم ہوتا ہے۔ آپ جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کر آگئے ہیں ہم کو تو ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔ لوگ ہاتہہ چومتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے

ہیں۔ کہ حاجی حرمین شریفین ہیں۔ بیت اللہ شریف ہو آئے ہیں۔ دربار نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری دی ہے۔ شاہ صاحب قبلہ شاید اور زیادہ تقدس مآب ہو گئے ہیں مگر او شقی نفسِ لعین مجھ سے زیادہ اور کون مجھے واقف و آگاہ ہو سکتا ہے۔ تیرا میرا تو دم کے دمدمے سے ساتھ ہے اور آخری دم تک ساتھ رہیگا۔ میں تجھے خوب جانتا پہچانتا ہوں کہ تو کتنے پانی میں ہے۔ بطون کے آئینہ مجلاّ میں دیکھا کہ دم بخود ہماری زجر و توبیخ کو سن رہا ہے اور بالکل ٹکٹکی باندھے دم بخود کی حالت میں ہے اور کمال مسکینی سے بڑبڑا رہا ہے کہ مجھے ہرگز جواب طلب نہ کیجئے۔ جلوہ گاہِ خاص کعبۂ حقیقی و اصلی اپنے قلب کے پرتو انوار کی بے نہایت بارش سے دریافت کر لیجئے کہ آیا اس کی کرن بار بار ہم پر پڑ رہی ہے یا نہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ ان کرنوں کی تجلی سے میرے اندر کیا انقلابات پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر اتنا مجھے معلوم ہے کہ اس بارش انوار سے ایسا لطف آ رہا ہے کہ میں اب اپنی خاص ڈیوٹی بہکانے کی جیسے بھولتا جا رہا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چالیس سال کے عرصہ طویل کے بعد مجھے روح ہم سب کی حاکم اصلی و اعلیٰ پردہ نشین حجابات بے نہایت کی

دید کا حد درجہ اشتیاق ہوگیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ پردے اٹھیں اور میں بے حجاب کچھ دیکھ سکوں۔ ہم نے نفس کو بہت غور سے نظر باطن سے دیکھا اور جانچا کہ آیا وہ غلط بیانی سے ہم کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ یا درحقیقت "چوں بآید منوز خر باشد۔" نہیں رہا۔ دیکھا کہ فی الواقعی اس کے اندر آہستہ آہستہ انقلاب کا وورد دورہ ہے اور انشاءاللہ المستعان مجاہدت قلب وروح کے باعث وہ لوامہ کی حالت سے تدریجی ترقی کرتا ہوا مطمئنہ کاملہ ہوجائے گا۔ جب وہ مطمئنہ ہوجائیگا تو وہی دن ہماری کامل فتح مبین کا ہوگا۔ اور اسی دن کو حضرات صوفیائے کرام نے یوم فتح سے منسوب فرمایا ہے۔

تیسری دعوت تیسری دعوت برادرم مولوی محمدؐ احمد صاحب بی۔ سی۔ یل۔ بار ایٹ لا ہمارے بہنوی اور چچا زاد بھائی کی جانب سے بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ بعد مغرب مقرر تھی۔ چنانچہ ہم بوم و وقت معینہ پر گلی چراغ علی میں بھائی صاحب کے یہاں حاضر ہوگئے۔ بھائی صاحب نے نہایت کمسنی میں ولایت کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل فرمائی ہیں۔ اور عرصہ تک اولاً الہ آباد میں بہ حیثیت جونیر سر تیج بہادر سپرو کے ہمراہ بعد ازاں مستقل

طور پر ایسی شاندار وکالت کی ہے کہ دور دور از کے موکل انکے یہاں رجوع ہوتے تھے۔ اور مہاراجہ پٹیالہ کے شہرۂ آفاق مقدمہ میں انہوں نے نیکنامی حاصل کی۔ اب چند سال سے حیدر آباد دکن اپنے وطن میں حد درجہ نیکنامی سے بہت کامیاب وکالت کر رہے اور پبلک و حکام ہر دو میں ہر دلعزیز اور مثل اپنے والدِ بزرگوار عم محترم نواب اصغر یار جنگ بہادر سابق رکن عدالت العالیہ کے شہرۂ آفاق ہیں۔ ماشاء اللہ آپ جماعت جونیر وکلا ر میں ہر وقت گھرے رہتے ہیں اور سمندر قانون کے اسدرجہ اعماق میں غوطہ زن ہو چکے ہیں کہ ثنائی القانون کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ تمام دنیا وَمَا فِیہا اعزا ء و اقربا رسب کو اس کمال مصروفیت قانونی ہمہ وقتی نے فراموش کر دیا ہے۔ کاش ہم تصوف کے دعویداروں کو اس کا عشر عشیر انہماک اپنے خالقِ حقیقی سے لو لگانے میں ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ دعوت میں برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری اور بھائی صاحب کے ایک قدیمی دوست محمد اعظم صاحب بلگرامی سابق مددگار صدر محاسب و برادرم عبدالفتح انصاری صاحب وغیرہ شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ حاجی صاحب کو جو بھی دعوت دیتا ہے تکلفات ضرور کرتا ہے۔ چنانچہ دعوت نہایت



روشن دلِ محمد یوسف خوش اقبال شاہ نظامیؒ

پُرتکلف تھی اور لکھنوی باورچی نے اپنے کمالات فن کا مظاہرہ کیا تھا اِس سے بھی زائد بے تکلف احباب کی مزید ارلطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی لطف صحبت بہم پہونچا رہی تھی۔ بھائی صاحب نے نہایت اشتیاق سے سفرنامہ کے بعض حصے سنے۔ ساڑھے دس بجے رات کو دعوت سے فارغ ہو کر گھر لوٹ سکے۔

چوتھی دعوت | مولوی محمد یوسف خوش اقبال روشن دل نظامی نے میرے ایسے اخص الخاص محب قلبی و روحی ہیں کہ انسے زیادہ قریب میرے محارم و حلقہ احباب میں کوئی فرد نہیں ہے۔ تقریباً ربع صدی پچیس سال کے عرصہ طویل سے وہ میرے صحیح معنوں میں دکھ سکھ کے ساتھی اور ہمدم و رفیق کلی ہیں۔ اکثر طول طویل مسافرت میں میرا ان کا ساتھ رہا ہے۔ اور سفر حج کے موقعہ پر اُن کے لئے حکمنہ کوشش حصول اجازت و ٹکٹ کیلئے کیگئی۔ مگر حج کمیٹی دہلی کے متعدد ارکان حکومتی نے ایک ذسنی اور کوئی سعی بار آور نہ ہوسکی۔ اور میرے یہ رفیق و ہمدم جن کے متعلق ظنتر سے بعض حاسد حضرات نے یہاں تک کہدیا تھا کہ شاید خسرو شاہ اور خوش اقبال کے مزارات بھی پہلو بہ پہلو بنیں گے

ہمراہی حج سے محروم رہ گئے۔ برادرم روشن دل خوش اقبال صاحب نظامی نے بتاریخ، ربیع المنور ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ بعد مغرب اپنے حاجی پیر بھائی کی از حد تزک و احتشام سے اپنے مکان خوش اقبال منزل واقع چھگلو رُہ میں دعوت فرمائی اور تقریباً تمام حلقہ احباب کو اس میں مدعو فرمایا۔ تقریباً پچیس تیس منتخب حضرات تشریف لائے تھے مثلاً برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری۔ مولوی مقبول احمد صاحب سیدہاروی ماہر تعلیم اطفال ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور صاحب تصانیف متعددہ۔ مولوی سلیم صدیقی صاحب پروفیسر آرٹس کالج مولوی عبد المقتدر خاں صاحب وکیل ہائیکورٹ وغیرہ۔ نظامی دسترخوان میزبان کی سیر چشمی، خلوص قلبی و فراغدلی سے الوان نعمت سے پٹا پڑا تھا۔ حاجی صاحب کیلئے بہت سے مختلف النوع اعلیٰ ماکولات تیار کئے گئے تھے۔ واقعی سچی پُرخلوص محبت کا رشتہ بھی کچھ عجیب رشتہ ہے کہ محب اپنے محبوب کیلئے جذبۂ بے اختیار شوق سے مغلوب ہو کر چاہتا ہے کہ دنیا کے ہر معلوم نفیس اشیاء، اس کو مہمان بنا کر پیش کر دے۔ موسیٰ علیہ السلام کا شبان اپنے نزدیک سب سے

اعلیٰ ترین سامان دعوت و مدارات اپنے مہمان کے لئے مہیا کرنے کا وعدہ کر رہا تھا اور کہتا کہ اے خدا۔ اے آسمان و زمین کے مالک تو کہاں ہے آجا۔ آجا میرے ٹوٹے جھونپڑے میں بھی آجا۔ آجا کہ میں تیرا چاکرین سکوں۔ تو آجائے کہ میں تیرے سر میں کنگھی کر سکوں تیرے پیر دھوؤں۔ تجھے ٹھنڈا ٹھنڈا تازہ تازہ دودھ پلاؤں۔ تو جانے لگے تو میں تیرے قدم پر گر پڑوں۔ تجھے جانے نہ دوں۔ بیمار ہوجائے تو تیمارداری کروں۔ ہم نے اپنے نفس سے سوال کیا کہ کیا تم واقعی اس قابل ہوگئے ہو کہ اس نظامی دسترخوان پر مہمان خاص بن کر الوان نعمت کھاؤ جو بیشمار بار تمہارے مرشد پاک سیدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی اور جماعت نظامیہ کی بہت دھوم دھام کی دعوں کا سماں دیکھ چکا ہے۔ نظر باطن نے دیکھا کہ نفس مطمئنہ جس کا قلب کی بارش انوار نے احاطہ کر لیا تھا اپنے مقام تیلوفری پر نہایت سکون سے متمکن ہے۔ اور لب بام گنگنا رہے ہوئے اس درجہ محو ہے کہ جیسے گراں گوشی سے اس نے ہماری بات ہی نہیں سنی۔ ایسی حالت میں ہماری مجال نہ تھی کہ اس کو حسب عادت

قدیم زجر و توبیخ کرتے یا دو چار جلی کٹی سنا دیتے۔ البتہ اگر وہ نفسِ سابق امّارہ پایا جاتا تو ہم ہرگز سرکوبی سے نہیں چوکتے۔ ہم نے قلبِ صنوبری کے معائنہ اور مشاہدہ سے عروج کر کے قلبِ مدوّر کی طرف جو مقام جمع الجمع ہے نظرِ باطنی کو جما دیا۔ دیکھا کہ جو آفتاب عالمتاب داخلی کعبۂ محترم کے موقع پر ہمارے نقطۂ قلب میں سما گیا تھا وہ کمال رعنائی سے اپنے چہرۂ زیبا کی لاتنا ہی تجلیوں کی بجلیاں چمکا رہا ہے۔ نظرِ باطن خیرہ ہوگئی۔ رُوح وجد میں آئی۔ جسم کا رُواں رُواں کانپ سا گیا۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شداست ما را

جبریلؑ با ملائک درباں شداست ما را

چاہا کہ عالمِ جذب و شوق میں بلند آواز سے ایک نعرہ لگائیں۔ معًا نفسِ فلکی نے آواز دی کہ خبردار عنانِ ضبط کو ہاتھ سے نہ دینا۔ استقدر سکوت و خاموشی اختیار کرلو کہ آس پاس والوں کو جن میں سے اکثر نا اہل اور نا آشنائے راز ہیں۔ پتہ بھی نہ چلے کہ درحقیقت اور دراصل کون بلند طالع اور بلند اقبال روشن دل و روشن خیال خوش اقبالی کی دعوت قبول فرمانے بنفسِ نفیس آگیا ہے اور نزول اجلال فرما رہا ہے

اور عرشِ قلب سے اپنے تجلیوں کی بجلیاں چمکار ہا ہے۔ اس للکار پر
ہم ایسے انجان و خاموش ہو گئے کہ اشارتاً و کنایتاً کوئی بات ظاہر نہ
ہونے دی۔ بلکہ قلندرانہ مشرب کی بناء پر گفتگو ئے رندانہ انداز میں کرنے لگے۔
تاکہ عام دعوتیوں کے روبرو اسرار فاش نہ ہو جائیں۔ اللہ اللہ۔
یہ دل جب سے کہ خلوت خانہ اس آئینہ رُو کا ہے۔ ؎
ملا ہے دیدۂ حیراں کو عہدہ پاسبانی کا

مگر ایک امر خاص میں ہماری عقل ظاہری سخت حیران و پریشان
ہے اور ہم اس کے متعلق بیحد سرگرداں ہیں کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔
ایک طرف شب گذشتہ یہ تنبیہ و ہدایت کہ خبردار راز فاش نہ ہونے
پائے۔ دوسری طرف آج بتاریخ ۸ ربیع المنور ۱۳۶۵ھ بار بار شدید
اصرار کہ شب گذشتہ کے تمام اسرار سفرنامہ کے لئے قلمبند کروالو۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

یا الٰہی یہ عجیب معاملہ ہے۔ آخر یہ سفرنامہ شائع ہونیوالا ہے
اور ہر کس و ناکس۔ ہر مکتب خیال۔ ہر دوست و دشمن کے ہاتھ آئیگا

توکیا اسرار فاش نہ ہوں گے یہ معلوم یہی ہوتا ہے کہ شامت ہمارے سر پہ منڈلا رہی ہے اور ہم کو ہدف سہام ملامت و دشنام بنا کر اُن کو لطف اندوزی مطلوب ہے۔ اِس لئے کہ اُن کو عشاق کے ہاؤ ہُو کا لپکا ہے اور ہائے وائے سے وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ سہ

خوشنما باید نالۂ شبہائے تو
ذوق ہا دارم بہ یارب ہائے تو

یہ اندیشے تو سب عقل خام کے ہیں۔

عقل میگوید کہ خود را پیش کن۔
عشق میگوید کہ ترکِ خویش کن

باقی رہے ہم۔ ہم تو پاک بے حیا ہیں۔ ہمارا مشرب ہمارا مذہب تو ہر حال میں راضی بہ رضا رہنا ہے۔ ہمارا نصب العین تو یہ ہے کہ۔ سہ

رحمتِ آں نیست لعنت آن تو
من کیم قرباں ہمہ فرمان تو

ذکر برادرِ طریقت مولوی محمد یوسف روشن دل خوش اقبال نظامی صاحب کی دعوت محبت و مودت کا تھا کہ مامور قلم نے کیا کچھ لکھ ڈالا۔ بہرحال مجمع احباب

بے تکلف ہیں دوستانہ و مخلصانہ نوک جھوک اور لطائف و ظرائف کے
چٹخاروں نفیس و لذیذ اغذیہ و اطعمہ خوب کھائیں۔ تکلف کا اندازہ صرف
اس سے فرما لیجئے کہ شیرینی میں چار اقسام کے حد درجہ نفیس میٹھے تھے۔ بقول
اس ستم ظریف مرحوم کے فقیر کے جو کہتا ہے کہ ایک پیسہ لوں گا۔ اور
سو گالی دوں گا۔ میزبان سے یہ کہکر کہ شکریہ کیسا تھ رسمی الفاظ ہیں! ؟
ہم خلوص و یگانگت کی اہانت سمجھتے ہیں۔ گھر لوٹ آئے قلبی مشاہدہ سے
شدید جذب و کیف طاری ہو گیا تھا۔ تقریباً تمام شب جاگتے اور روتے گزر
گئی۔ الوداع خدا حافظ و ناصر۔

"طے ہوئی آج کی منزل پہ مسافت میری"

۸ ربیع المنور ۱۳۶۴ھ

جیفہ از قلم مرزا مظہر اللہ بیگ صاحب

۲۴ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

رحمت باغ۔ کاچی گوڑہ۔ حیدرآباد دکن

اختتام

اختتام کتاب پر اگر ایک خاص ظہور فضلِ ربانی کا نہ کر دیا جائے تو ناسپاسگذاری ہوگی کتاب کی ابتداء میں ایک مقام پر روانگی حج سے قبل لکھا گیا تھا کہ ہم اپنی ترقی کے معاملہ کو بالکلیہ معلق چھوڑ کر حرمین شریفین روانہ ہوگئے تھے۔ ہمارے غیاب میں سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے ترقی کیلئے دو نام بارگاہ بندگانعالی حضرت ظل اللہ جہاں پناہ میں روانہ کردیئے۔ ایک ہمارا اور دوسرا نام سید احمد خان صاحب کا تھا۔ میرے سلطان ذیشان امیر المومنین محبوب المسلمین اعلیحضرت بندگانعالی متعالی کی بارگاہِ عالی سے از راہِ مرحمت خسروانہ اپنے اس قدیم الخدمت خاندانی خادم کی ترقی کیلئے فرمان واجب الاذعان بتاریخ ۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۵ھ شرف صدور لایا۔ اور ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ کی سچی تصویر نظر آگئی۔ سچ ہے۔ "کارساز ما بفکر کار ما"

تمت بالخیر

[illegible]

۶۸۹
۶۹۲

تکمیل

دید و شنید

ایک خط:۔

۱۷ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ
از
یوسف پور

سیدی مرشدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ میرے خواجہ روحی فداک شب ۱۵ ہے چاندنی کا سماں ہے۔ زمین پر سے ایک نور تا آسمان ہے حقیقت دکھلاتا ہے خواجہ کا چہرہ سے

نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے عیاں ہے

چاند اپنی تابانیاں دکھلا رہا ہے میرے دل میں بھی آج ایک سورج چمک رہا ہے رات کے ۱۲ بجے ہیں سناٹا اور ہر طرف نفیر خواب بلند ہے۔ سگ کوئے خواجہ غلام غلامان آل محمد یا بن رسول اللہ آپ کے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی انصاریوں کا نام لیوا بخیل یسعیٰ خود شاہ صرف دو رکعت نماز تہجد ادا کر رہا ہے سورۂ یٰسین شریف قلب القرآن پڑھی جاتی ہے سلام قولا من رب الرحیم ۔ قلب لقلب فرقان حمید آیت خاص شاہد ذلیت سرمدی عامل اسرار خفی و جلی پہ رکعت تمام کر کے جب سجدہ کا مقام لاھوتی آتا ہے تو ربی ربی کی عالم وجد کامل میں بے شمار تکرار مزید کے بعد یک بعد بہزاران انداز محبوبی ایک آواز دل نواز گوش جاں میں بے صوت صدا آنے لگی کہ "عبدی عبدی عبدی" ہر ذرۂ وجود اس صوت سرمدی سے معمور و بھرپور ہو کر جذبۂ بے اختیار شوق میں رقصاں ہو گیا۔ تحت الارض سے فوق السما تک صرف یہی آواز محیط الکل محسوس ہوتی تھی اور

مل گیا صوت سرمدی میرے شکستہ ساز سے
نغمے کی آتی تھی صدا نالۂ دل گداز سے

جس طرح آواز کن کے بعد ہر وجود نیستی سے ہستی میں آ گیا اسی طرح اس صوت دل نواز نے دل کی بند آنکھیں یک لخت کھول دیں اور اس رگ جاں سے زیادہ قریب رہنے والے کی کامل دید میسر ہو گئی۔ ہوش و خرد کا وہاں کیا کام، وہم و گمان تو منزل اول کے نشان راہ پر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں جذبۂ بے اختیار شوق میں صرف طلب و عشق صادق کے دولا تزوال پر زمان و مکان سے مبرا و منزہ

منزل ھاھوت میں اڑائے لئے چلے جارہے تھے اڑائے لئے چلے جارہے تھے کیا عرض کروں کیا دیکھا ؟ "آنکھ محوِ دید تھی آتنا تو مجھ کو ہوش ہے"۔ انوارِ لامتناہی کا مواج و متلاطم سمندر پھٹ پڑا اور نور کے بادلوں میں ملفوف دیکھا کہ میرا پیارا خواجہ میرے رسول کا لاڈلا فرزند دل بند وہ گنبدِ خضرا والے اپنے جدّ محترم کی ہمراہی میں امتِ مرحومہ کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو کھجور کے درخت کی عالمِ برزخ والی ہیکلِ کبریٰ میں جوڑنے اور باندھنے والا، وہی میرا پیارا خواجہ، بہ ہزاران اندازِ محبوبی و دلربائی متبسمانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے، ہاں دیکھ رہا ہے، اور وہ جس نے بہر دل بُردنِ من، آپ کی شباہت میں اپنے کو دکھلایا تھا وہ تو دیکھتا ہی رہتا ہے، ہر لمحہ و ہر آن نئی نئی شان سے دیکھتا ہی رہتا ہے، بر عکس رخ خویش نگارم نگران شد۔ مزا یہ تھا میری روح کی کھلی ہوئی آنکھ بھی اُسے دیکھ رہی تھی دید کے مزے لوٹ رہی تھی صَلِّ کَاَنَّكَ تَرَاہُ آج پورا ہو چکا، اور

"ہم خدا در ذاتش آمد"

کی منزل بحمد اللہ پوری ہوگئی اور "ہم رسول" والی منزل تو سالہا سال پہلے انجام کو یوں پہنچ چکی ہے کہ حجرۂ آثارِ مبارک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں آٹھ سال قبل پچھلی شب کے وقت عین عالمِ بیداری میں دیکھا گیا تھا، کہ ایک چاند نے اس مقام پر جلوہ فرمائی کی ہے جہاں آثارِ اقدس میرے پیارے خواجہ آپ کے جدّ محترم کے رکھے ہوئے ہیں اور جہاں ہمیشہ صلوٰۃ و سلام گزرانا جاتا ہے، چہرۂ اقدس انور کی آفتاب مثال لمعانیاں اس درجہ ضو فشاں تھیں کہ حجرہ کے سامنے والا دالان سیلابِ نور سے بھر گیا تھا اور تاریکی میں لگے ہوئے قطعات قرآن میں سے کھیٰعص والا قطعہ دفورِ نور سے جگمگا گیا تھا منبع نور کو جب پھر دیکھا تو وہی چہرۂ انور تھا جس کی قسم اللہ نے وَالشَّمس کہکر قرآن میں کھائی ہے، ہاں وہ تو وہی تھے مراٰتِ جمالِ لم یزالی

تو بہ این جمال و خوبی سرِ طور گر خرامی
ارنی بہ گوید آنکس کہ بہ گفت لن ترانی

اور زیادہ غور سے دیکھا تو حلیہ بعینہٖ میرے خواجہ ابن رسول اللہ کا تھا، چیخ مار کر پروانہ وار تصدق ہوا اور روح نے بے شمار سجدے روحِ جسد الکونین کو یہ کہتے ہوئے کئے کہ

قبلۂ دین کعبۂ جان یا رسول اللہ توئی   سجدۂ مسکین حسن ہر لحظہ بادا سوئے –

بہر حال تذکرہ تو آج ۱۴ رجب ۱۳۶۱ھ والی چودھویں رات کی واردات کا تھا اور تمام کڑیاں خود بخود جڑ گئیں

چون تو ذات پاک کو پوری قبول
ہم خدا دیدار نفس آمد بحلہ رسول

غلام غلامان
خسرو شاہ نظامی